The Cosmic Verses

A study of the selected verses of the Holy Quran
Aayaat-e-Kainaat

آیاتِ کائنات

قرآن کی مُنتَخَب کائناتی آیات کا مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر دلدار احمد علوی

برائے رابطہ
فاران اکیڈمی لاہور، پاکستان

Email: dildarahmed@gmail.com

*****

تعارف

قرآنِ مجید سائنس کی کتاب نہیں، بالکل اسی طرح جیسے یہ، مثال کے طور پر، قانون یا تاریخ کی کتاب نہیں ہے، لیکن اس میں کثرت سے ایسی آیات موجود ہیں جن میں سائنسی معنویت پائی جاتی ہے۔ زیر نظر کتاب میں ایسی تقریباً ساڑھے تین سو آیات کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ قرآن میں سائنسی معنویت رکھنے والی آیات کی تعداد بہت زیادہ ہے—ایک حساب کے مطابق، ساڑھے سات سو سے زیادہ، یعنی قرآن کا تقریباً آٹھواں حصہ۔ تاہم، میں نے اپنی تحقیق کے لیے صرف انہی آیات کا انتخاب کیا ہے جن کی سائنسی معنویت بہت واضح ہے اور جو کسی گہرے غور و فکر کے بغیر ہی ایک سرسری مطالعے سے سامنے آ جاتی ہیں۔
قرآنِ مجید اپنی تعریف کے مطابق کتابِ ہدایت ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے، اس کی معرفت حاصل کرے، اور اپنے فکر و عمل کو اس کی منشاء کے مطابق ترتیب دے۔ اس کا مقصدِ نزول مختصر الفاظ میں انسان کو درست "تصورِ عالم" (ورلڈ ویو) سے روشناس کرانا اور اسے درست "نظامِ اقدار" (ویلیو سسٹم) عطا کرنا ہے۔
انسان کی محدودیت یہ ہے کہ اس کے پاس جو ذرائعِ علم موجود ہیں، یعنی حواس، عقل، اور وجدان، وہ کسی طور پر ذاتِ باری تعالیٰ کا ادراک، تعقل، اور احساس نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انسان جو کچھ کر سکتا ہے وہ کائنات اور اس کے مظاہر کا مشاہدہ و مطالعہ ہے۔ چونکہ کائنات اللہ کی تخلیق ہونے کے ناتے اُس کی صفات کی مظہر ہے، لہٰذا کائنات کے مطالعے یا مشاہدے کا مطلب ہے اس کے خالق کی صفات کی جلوہ گری کا مطالعہ یا مشاہدہ۔ یہ وہ چیز ہے جو مطالعہ اور مشاہدہ کرنے والے کو کائنات کے خالق کی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ یہی قرآنِ مجید کی منشا ہوتی ہے جب وہ مختلف کائناتی مظاہر کو خالقِ کائنات کی ہستی اور قدرت کی نشانیاں قرار دیتا ہے اور لوگوں کو ان میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔
دوسری بات یہ کہ قرآنِ مجید کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بات زبردستی مسلط نہیں کرتا بلکہ دلیل سے سمجھاتا ہے۔ جب وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے، تو اپنے دعوے کی حقانیت کے ثبوت میں وہ کائنات اور اس کے مظاہر کو بطورِ دلیل پیش کرتا ہے۔ مثلاً، سورہ الغاشیہ آیات 17 تا 22 میں ارشاد ہے:

"کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے پیدا کیا گیا؟
اور آسمان کی طرف کہ اسے کیسے بلند کیا گیا؟
اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کس طرح زمین میں مضبوطی سے گاڑا گیا؟
اور زمین کی طرف کہ اسے کس طرح بچھایا گیا؟
پس آپ نصیحت کرتے رہیں، بے شک آپ نصیحت کرنے والے ہیں، جبر سے منوانے والے نہیں"۔

چنانچہ قرآنِ مجید کا اندازِ تخاطب زبردستی کا نہیں بلکہ خیر خواہی اور دلیل سے سمجھانے کا ہے۔ دلیل وہی دی جاتی ہے جو مخاطب کے لیے قابلِ فہم ہو۔ چونکہ کائنات اور اس کے مظاہر ایسی چیزیں ہیں جو ہر ایک کے لیے یکساں طور پر مشاہدہ اور مطالعہ کے قابل ہیں، لہٰذا قرآن کثرت سے ان سے استدلال کرتا ہے۔ اس لیے قاری کو قرآن میں کثرت سے ایسی آیات ملتی ہیں جن میں انسان کو کائنات اور اس کے مظاہر پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ یہی چیز قرآن کے سائنسی مطالعے کی بنیاد ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، قرآنِ مجید خود کو سائنس کی کتاب کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ یہ کتابِ ہدایت ہے، اس کی زبان سائنس یا فلسفہ، یا تاریخ کی زبان نہیں بلکہ عربی مبین میں ہے اور وہ ادب کی زبان میں بات کرتا ہے اور بلاشبہ ادب کا شہکار ہے۔

قرآنِ مجید کائنات کے مظاہر کے مشاہدے و مطالعے اور ان میں غور و فکر کی بار بار تحریک دیتا ہے۔ قرآنی آیات میں موجود سائنسی معنویت کو سمجھنے کی کوشش نہ صرف علمی و تحقیقی اعتبار سے اہم ہے بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اس کی دعوتی اور تبلیغی اہمیت ہے۔ جدید سائنسی پیشرفتوں اور علمی ترقیوں نے قرآنی فکر کے لیے ایک نیا میدان کھول دیا ہے۔ دنیا سکڑ کر ایک گاؤں کا منظر پیش کر رہی ہے، تہذیبیں باہمی اثر و رسوخ کے تحت مکالمہ کر رہی ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کو بلند ترین علمی سطح پر سمجھا جائے اور دنیا کے سامنے اس کے معیار اور ضرورت کے مطابق پیش کیا جائے۔

قرآن اتنے گوناگوں علوم کو چھوتا ہے کہ کسی ایک فرد کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس کی مکمل اور جامع تفسیر کر سکے۔ ضرورت ہے کہ مختلف علوم کے ماہرین اپنے اپنے شعبے کے لحاظ سے قرآن کے متعلقہ مقامات پر تحقیق کریں۔

یہ کتاب ابتدائی نوعیت کا ایک کام ہے جو آئندہ کام کرنے والوں کے لیے ایک بنیاد فراہم کر سکتی ہے۔ چونکہ "قرآن وہ کتاب ہے جس کی تفسیر خود وقت اور زمانہ کرتا ہے" (حضرت ابنِ عباسؓ)، لہٰذا وقت کے ساتھ علم کی ترقی قرآنی آیات کی نئی جہات کو سامنے لاتی رہے گی۔

"اور زمین میں نشانی ہے یقین والوں کے لیے، اور خود تمہارے اپنے اندر بھی۔ کیا تم غور نہیں کرتے؟'' (الذاریات، 51:20-21)

"ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور انفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ (قرآن ک) حق ہے۔'' (فصلت، 41:53)

میں نے اپنی بساط کے مطابق ان آیات کی وضاحت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، لیکن بہرحال یہ ایک انسانی کاوش ہے، جس میں غلطی یا کمی کا امکان باقی رہتا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔

کتاب کی ترتیب سورت وار رکھی گئی ہے۔ ہر آیت کا سادہ ترجمہ کیا گیا ہے اور اس میں موجود سائنسی اشارات کی مختصر وضاحت پیش کی گئی ہے۔ سادہ زبان استعمال کی گئی ہے تاکہ یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے قابلِ فہم ہو۔

امید ہے یہ کتاب قرآنِ مجید کو سائنسی طور پر سمجھنے کے خواہشمند افراد کے لیے ایک حوالہ ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام کو قبول فرمائے اور اس کو ہمارے لیے آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

سورہ البقرہ (سورت نمبر 2)

سورہ البقرہ میں بہت سے مقامات پر انسان کو کائنات میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند مقامات کا مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سورۃ البقرۃ آیت 22

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا ہے، اور یہ کہ اُس نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے تمہارے لیے پھل پیدا کیے۔ پس، تم (اے لوگو) کسی کواللہ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو(کہ وہ ایک ہے)۔

(It is God) Who has made the earth a resting-place for you and the sky a canopy, and has sent down water from the sky and thereby brought forth fruits for your sustenance: do not, then, claim that there is any power that could rival God, when you know [that He is One].

ارض و سما کا معنی

زمین کے لیے عربی میں لفظ ’’ارض‘‘ استعمال ہوتا ہے۔ مگر ارض کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔
بنیادی طور پر ارض کا مطلب ہے ہر وہ چیز جو انسان کے قدموں کے نیچے ہے، یا کسی چیز کا نیچے کا حصہ۔
اسی طرح ’’سماء‘‘، جس کا عام طور پر معنی آسمان کرتے ہیں، اپنے معنی میں بہت وسعت رکھتا

ہے۔ اس کا بنیادی مطلب ہے ہر وہ چیز جو انسان کے سر کے اوپر ہو، یا کسی چیز کا اوپر کا حصہ۔ ارض اور سماء ایک دوسرے کے مقابل استعمال ہوتے ہیں۔ ارض میں بنیادی تصور ''پستی'' کا ہے، جبکہ سماء میں بنیادی تصور ''بلندی'' کا ہے۔

عربی گرامر کے مطابق، سماء اسمِ جنس ہے جو واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض ماہرین کے نزدیک یہ ''سمائۃ'' کی جمع ہے جس کے معنی چھت کے ہیں۔

سماء کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے سروں کے اوپر کی فضا (ایٹماسفیئر)، وہ نیلی چھت جو زمین سے نظر آتی ہے، گھر کی چھت، کائناتی خلا (کاسمِک اسپیس)، سماوی اجرام،بادل، اور بارش کیونکہ وہ اوپر سے برستی ہے، وغیرہ۔
قرآنِ مجید میں یہ اُن معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جن میں آج ہم لفظ کائنات یا عالَم استعمال کرتے ہیں۔ یہ روحانی یا ماورائی (مابعدالطبیعاتی) عالم کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ بنیادی تصور وہی بلندی کا ہے، چاہے طبیعی بلندی ہو یا روحانی، معنوی اور ذہنی۔
استعمال ہوا ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے بآسانی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہاں لفظ سماء کس مفہوم میں
فراش کا مفہوم
یہاں ''فراش'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے ''بچھونا''، یعنی وہ چیز جو اس لیے بچھائی جائے کہ اس پر آرام کیا جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ زمین کو ایسا بنایا گیا ہے کہ اس پر انسان اور دوسرے جاندار اپنے مقصدِ حیات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔
مثال کے طور پر، زمین کو نرمی اور سختی کے درمیان ایک اعتدالی کیفیت پر رکھا گیا ہے، نہ بہت سخت، پتھریلی اور سنگلاخ ہے، نہ بہت نرم اور دلدلی۔ یہ جانداروں کے رہنے اور ان کی زندگی اور نشوونما کے لیے ضروری سامان کے اعتبار سے بہترین طور پر سازگار ہے۔
پھر یہ کہ زمین خلا میں تیزی کے ساتھ مختلف اقسام کی حرکات (جیسے، محوری حرکت، مداری حرکت وغیرہ) جاری رکھے ہوئے ہے، مگر اس انداز سے کہ ہمیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔
تمثیلی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ زمین ایک بہت بڑا خلائی جہاز یا اسپیس شپ ہے جو خلا میں سورج کے گرد تیزی سے چکر لگا رہی ہے اور ساتھ ہی اپنے محور کے گرد بھی گھوم رہی ہے۔ اس کی سورج کے گرد گردش کی رفتار قریباً تیس کلو میٹر فی سیکنڈ ہے، جو ظاہر ہے کہ بہت بڑی رفتار ہے۔ زمین کا مدار بالکل گول نہیں بلکہ ہلکا سا بیضوی ہے۔ اس پر چلتے ہوئے اس کی رفتار بدلتی ہے لیکن یہ تبدیلی اتنی کم ہوتی ہے کہ ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ خطِ استواء یا ایکوئیٹر پر زمین کی محوری گردش کی رفتار27.83 کلومیٹر فی مینٹ ہے، جبکہ قطبَین پر صفر۔
اس میں انسان کے لئے اللہ کی قدرت کی طرح طرح کی نشانیاں ہیں۔ سبحان اللہ۔

زمین کی ساخت اور بناوٹ، اس کا سورج سے فاصلہ، غرض اس کی ہر چیز ایسی ہے کہ اس پر انسان اور دوسرے جاندار آرام سے رہ سکتے ہیں۔ یہ ان کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہے۔

اس کی اوپری سطح (قشرِ ارض، ارتھ کرسٹ) حقیقتاً ایک فرش اور بچھونے کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ زمین کا اندرونی حصہ سخت گرم اور پگھلے ہوئے مادے کا بنا ہوا ہے، جس میں حملی روئیں یعنی کانویکشنل کرنٹس چلتی رہتی ہیں۔
کروڑوں سالوں کے ارضیاتی عمل سے زمین کی اوپر کی سطح ٹھوس ہوگئی اور ایک طرح سے فرش کی طرح بچھ گئی اور رفتہ رفتہ اس قابل ہوگئی کہ جاندار اس پر زندگی بسر کرسکیں۔

زمین کے فرش کی طرح بچھے ہونے کا یہ تقاضا نہیں کہ وہ چپٹی ہو، بالکل اُسی طرح جس طرح اس پر بلند و بالا پہاڑوں کا ہونا اس کے کروی یا گول ہونے کے منافی نہیں۔

''بِناء'' کا معنی

بِناء کا مطلب ہے وہ چیز جو تعمیر کی جائے۔ یہ عمارت، چھت، اور خیمہ وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ ''فراش'' کے مقابل استعمال ہوا ہے۔ اگر فراش کو نیچے بچھائی ہوئی شے کے معنوں میں لیا جائے تو بنا کا مطلب ہوگا وہ چیز جو ہمارے سروں پر چھائی ہوئی ہو جیسے چھت یا خیمہ وغیرہ۔

اس آیت میں سماء کا لفظ دو بار استعمال ہوا ہے۔ سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار یہ کرۂ ہوائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جو کہ ایک غلاف کی طرح زمین کو گھیرے ہوئے ہے، اور زمین کے لیے گویا کہ ایک چھت کی حیثیت رکھتی ہے، اور جو زمین کو بیرونی آفات، آسمانی پتھروں (شہابیوں)، خطرناک شعاعوں (جیسے بالائے بنفشی شعاعیں)، اور کائناتی شعاعوں (کاسمِک ریز) سے بچاتی اور سورج کے مقناطیسی اثرات سے تحفظ دیتی ہے۔

اس کے لیے قرآنِ مجید نے ایک اور مقام پر ''سقفاً محفوظاً'' (محفوظ چھت) کے الفاظ استعمال کیے ہیں (سورۃ انبیاء)۔

نرم اور پُرسکون بچھونے اور محفوظ چھت کی تعبیر نہایت عمدہ اور غور طلب ہے۔ ان کے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ انسان زمین پر اطمینان سے زندگی بسر کر سکے۔ لہٰذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر بجا لائے۔ انسانوں میں اللہ کی معرفت اور احساسِ تشکر کا فروغ قرآنِ مجید کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں۔

پانی کا نظام

آیت کے اگلے حصے میں ''سماء'' کا لفظ ممکنہ طور پر بادل، بلندی یا اوپر کی سمت یا ہمارے سروں پر پھیلی ہوئی اس فضا کے معنوں میں ہے جہاں بادل اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں سے بارش برستی ہے۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ یہاں بادل ہی مراد ہیں۔ اس صورت میں مطلب ہوگا: بادل سے بارش برسائی۔

قرآنِ مجید چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کی معرفت حاصل کرے اور ان نعمتوں کو پہچانے جو اللہ نے اسے عطا کی ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے کہ اس نے زمین پر بسنے والے جانداروں یعنی انسانوں، حیوانات اور نباتات وغیرہ کے لئے میٹھے پانی کا نظام قائم فرمایا ہے۔

سورج کی روشنی جب سمندروں (اور دوسرے آبی ذخائر) کی سطح پر پڑتی ہے تو پانی بخارات میں تبدیل ہو کر اوپر اٹھتا ہے (اس عمل کو عملِ تبخیر کہا جاتا ہے) اور بالآخر بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بادل ہواؤں کے نظام کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتے ہیں اور عملِ ترسیب کے ذریعے بارش یا برف وغیرہ کی شکل میں زمین پر برستے ہیں۔

ان سب مظاہر میں خالقِ کائنات کی قدرت کی عظیم نشانیاں موجود ہیں۔

پانی کی اہمیت

پانی زندگی کی بنیادی شرط ہے۔ یہ نباتات (طرح طرح کے پودے، یعنی فصلیں، سبزیاں اور پھل وغیرہ) کے اگنے کا ذریعہ بنتا ہے، جن سے انسان اور حیوانات غذا حاصل کرتے ہیں۔

غذا کے علاوہ پودے انسان کی بہت سی دوسری ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں۔

آیت نمبر 29
ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا * ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۹﴾

(اللہ) وہی ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں۔ مزید براں، اس نے آسمانوں کی تخلیق کا قصد کیا تو بہترین طور پر انہیں سات آسمان بنایا۔ اور وہی ہے جو ہر شے کا کامل طور پر جاننے والا ہے۔ (کوئی شے اس کے علم کے احاطے سے باہر نہیں۔)

(اللہ) وہی ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں۔ پھریہ کہ وہی ہے جس نے آسمانوں کی تخلیق کا قصد کیا، تو بہترین طور پر انہیں سات آسمان بنایا۔ اور وہی ہے جو ہر شے کا کامل طور پر جاننے والا ہے۔ (کوئی شے اس کے علم کے احاطے سے باہر نہیں۔)

2:29 He it is who has created for you all that is on earth, and has applied His design to the heavens and fashioned them into seven heavens; and He alone has full knowledge of everything. (Muhammad Asad)

2:29 It is He Who hath created for you all things that are on earth; Moreover His design comprehended the heavens, for He gave order and perfection to the seven firmaments; and of all things He hath perfect knowledge. (Abdullah Yusuf Ali)

. . .

آیتِ کریمہ میں اللہ کی قدرت کا بھی اظہار ہے اور انسان پر اللہ کی نعمتوں کا بھی۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا کی ہیں اور اسی نے آسمانوں کو تخلیق کیا ہے۔

اصل میں لفظ ’’ثم‘‘ استعمال ہوا ہے، جو کبھی زمانی ترتیب کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے (یعنی تراخیِ زمان کے لیے)، کبھی ترتیبِ بیان کے لیے، کبھی کسی بات پر زور دینے کے لیے، وغیرہ۔

اردو میں عام طور پر ثم کا معنی ’’پھر‘‘ کیا جاتا ہے، لیکن یہ ثم کی معنویت کو پوری طرح بیان نہیں کر پاتا اور بعض اوقات تو مفہوم کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب ’’کائنات قرآن اور سائنس‘‘۔

قرآن مجید کی دیگر آیات سے مقابلہ کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں ’’ثم‘‘ یہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ زمین کی ساری چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور آسمانوں کی تخلیق بھی اسی نے کی ہے، نہ کہ یہ بتانے کے لئے کہ کیا پہلے بنایا گیا اور کیا بعد میں۔ یعنی ثم یہاں ترتیبِ بیانی کے لئے ہے نہ کہ ترتیبِ زمانی کے لئے۔ انہیں تراخی ِٕ بیان اور تراخی ِٕ زمان بھی کہا جاتا ہے۔

(مثال کے طور پر دیکھیے بیضاوی، تفسیر کبیر زیر نظر آیت کے ذیل میں)۔

اس مفہوم کو اردو میں ’’مزید براں‘‘، ’’پھر یہ کہ‘‘ یا ’’مزید یہ کہ‘‘ وغیرہ کے لفظوں سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ علامہ عبداللہ یوسف علی نے اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل طور پر کیا ہے:

It is He Who hath created for you all things that are on earth; Moreover, His design comprehended the heavens, for He gave order and perfection to the seven firmaments; and of all things He hath perfect knowledge.

ہم نے اس ترجمہ کی پیروی میں ثم کا ترجمہ مزید براں (مور اوور) کیا ہے۔
علامہ محمد اسد کا ترجمہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے:
He it is who has created for you all that is on earth, and has applied His design to the heavens and fashioned them into seven heavens; and He alone has full knowledge of everything.

ثم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ محمد اسد لکھتے ہیں:
The conjunctive particle thumma which precedes this clause does not always denote order in time ("then" or "thereupon"). In cases where it is used to link parallel statements it has often the function of the simple conjunction wa ("and") - as, for instance, in 2:29 ("and has applied His design...", etc.) - (Explanatory note on verse 54 surah 7).
استویٰ الیٰ کے الفاظ قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں لفظی مطلب ہے آسمانوں کی تخلیق کا قصد، اور اللہ کا قصد کرنا اُس کے ارادے سے ہے۔ لہٰذا معنی ہوگا

اُس نے آسمانوں پر اپنے ارادۂ تخلیق کا اطلاق کیا۔

یعنی آسمانوں کی تخلیق کے اپنے ’’منصوبے‘‘ کو عملی شکل دی اور انہیں تخلیق کیا۔
اصل میں لفظ استعمال ہوئے ہیں ’’فسوّٰھُن‘‘: ’’سوّی‘‘ کا معنی ہے کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک ایسا بنانا جیسا کہ اُسے اُس کے مقصد تخلیق کے اعتبار سے ہونا چاہیے، یعنی موزوں، مناسب اور ہر قسم کی کجی سے پاک بنانا۔ آیت کا معنی ہوگا:

آسمانوں کو ہر قسم کی کجی سے پاک ٹھیک ٹھیک ایسا بنایا جیسا کہ انہیں ان کے مقصدِ تخلیق کے لحاظ سے بنایا جانا چاہیے تھا۔

ترجمہ میں یہ بات پوری طرح منعکس نہیں ہو رہی۔ ہم نے اس کا مفہوم ادا کرنے کے لیے ’’بہترین طور پر بنایا‘‘ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔
’’سات آسمان‘‘ کا لازمی معنی یہ نہیں کہ آسمان گنتی کے اعتبار سے سات ہیں، کیونکہ عربی زبان میں ’’سبع‘‘ (سات) کا عدد کثرت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے (یعنی عددِ تکثیری کے طور پر)۔
اس اعتبار سے معنی ہوگا:

کئی آسمان، بہت سے آسمان، بہت سے سماوی نظام (کاسمک سسٹمز)، وغیرہ۔

اور ممکن ہے کہ یہ کائنات کی وسعتوں کے لیے کنایہ ہو۔ اس سلسلے میں علامہ محمد اسد کے تفسیری نوٹ کا مطالعہ مفید ہو گا:
....
The term sama' ("heaven" or "sky") is applied to anything that is spread like a canopy above any other thing. Thus, the visible skies which stretch like a vault above the earth and form, as it were, its canopy, are called sama: and

this is the primary meaning of this term in the Qur'an; in a wider sense, it has the connotation of "cosmic system". As regards the "seven heavens", it is to be borne in mind that in Arabic usage - and apparently in other Semitic languages as well - the number "seven" is often synonymous with "several" (see Lisan al-'Arab), just as "seventy" or "seven hundred" often means "many" or "very many" (Taj al-'Arus). This, taken together with the accepted linguistic definition that "every sama' is a sama' with regard to what is below it" (Raghib), may explain the "seven heavens" as denoting the multiplicity of cosmic systems.

سورہ البقرہ آیت 117
بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

وہ(اللہ) آسمانوں اور زمین کا مُوجِد (وجود میں لانے والا) ہے۔ اور (اس کی شان یہ ہے کہ) جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اُس کے لیے فرما دیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ (اس کے ارادہ کے مطابق) ہو جاتا ہے۔

The Originator is He of the heavens and the earth: and when He wills a thing to be, He but says unto it, "Be" - and it is.

بدیع کا معنی

بدیع ’’ب دع‘‘ کے مادے سے ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا اور بغیر کسی مادہ اور مثال کے ایجاد کرنا۔ اسی سے بدعت کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کوئی ایسی چیز ایجاد کرنا جس کے لیے کوئی نظیر اور کوئی ماخذ و مصدر نہ ہو۔

یہ آیت اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے کہ کائنات عدم سے وجود میں آئی ہے۔ ماضی میں کسی خاص لمحے یہ وجود میں آئی، اس سے پہلے یہ نہیں تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کے جدید دور میں سائنسی سطح پر بھی شواہد مل رہے ہیں۔

جدید دور میں سائنسی سطح پر یہ حساب لگایا گیا ہے کہ تقریباً 14 ارب سال پہلے یہ کائنات وجود میں آئی۔ اس تصور کو عظیم انفجار کا نظریہ یعنی بگ بینگ تھیوری کا نام دیا گیا ہے۔

الغرض، کائنات کا ایجاد ہونا، یعنی ایک وقتِ خاص پر وجود میں آنا اب ایک سائنسی حقیقت ہے جس کا انکشاف قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے کیا تھا۔ قران نے کئی مقامات پر اس کا اظہار کیا ہے۔

کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ’’ہو جا‘‘ کہنے کا معنی

اللہ تعالیٰ کے ’’کن‘‘ (ہو جا) کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حکم ’’لفظوں‘‘ میں دیا گیا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا حکم ہے جسے اصطلاح میں تکوینی حکم کہا جاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرنا اور اس چیز کا اللہ کے ارادے کے مطابق بالکل اُس طرح وجود میں آنا جس طرح کہ اللہ کا ارادہ چاہتا ہے۔

اس کا یہ لازمی معنی نہیں کہ اللہ کے ارادے سے لازماً کوئی چیز یک لخت وجود میں آتی ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا ارادہ کرتا ہے، شے اسی طرح وجود میں آتی ہے اور اُتنے ہی وقت میں

وجود میں آتی ہے جتنے وقت میں اللہ کا ارادہ اسے وجود میں لانا چاہتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر وہ یہ ارادہ فرمائے کہ کائنات (آسمان و زمین) چھ ادوار میں تدریجی طور پر وجود میں آئے تو بغیر کسی کمی بیشی کے وہ اسی مدت میں وجود میں آئے گی۔ اسی طرح، کائنات کہ ہر چیز کے وجود میں آنے کا ایک پروسس ہے۔ انسان، حیوانات، نباتات، پہاڑ، سمندر، ستارے، سیارے، کہکشائیں، وغیرہ، سب کا ایک تخلیقی پروسس ہے۔

سورہ البقرہ آیت 164

....

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (164)

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آنے اور اُن کشتیوں میں جو لوگوں کے لیے سمندر میں نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اور اس پانی میں جو اللہ نے بادل سے اتارا اور جس سے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشی، اور جس سے اُس میں ہر قسم کے جاندار پھیلائے، اور ہواؤں کی گردش میں اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر(اللہ کے قانون کے پابند) ہیں، اُن لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

Verily, in the creation of the heavens and of the earth, and the succession of night and day: and in the ships that speed through the sea with what is useful to man: and in the waters which God sends down from the sky, giving life thereby to the earth after it had, been lifeless, and causing all manner of living creatures to multiply thereon: and in the change of the winds, and the clouds that run their appointed courses between sky and earth: [in all this] there are messages indeed for people who use their reason. (2:164)

....

یہ آیت کریمہ قرآن مجید کی اُن بہت سی نمایاں آیات میں سے ایک ہے۔ جن میں اُن لوگوں کو جو "عقل سے کام لیتے ہیں" قرآن یہ دعوت دے رہا ہے کہ وہ کائنات اور اس کے مظاہر میں موجود اللہ کی قدرت کی نشانیوں پر توجہ دیں۔ قرآن وہ کتاب ہے جو عقل کو دباتی نہیں، اُبھارتی ہے، اور جو سوچنے سمجھنے اور ذہنی صلاحیتوں کا پورا پورا استعمال کرنے پر زور دیتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر احادیث میں بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

العقل أصل دینی یعنی عقل میرے دین کی جڑ ہے۔

آیت کریمہ میں کم از کم آٹھ کائناتی نشانیوں کی طرف انسان کو توجہ دلائی گئی ہے۔

۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق
۔ رات اور دن کی گردش کا نظام
۔ کشتیوں کا چلنا (بحری سفر)
۔ بارش کا برسنا

۔ مردہ زمین کا زندہ ہونا (بنجر اور بے آب و گیاہ زمین سے نباتات کا اُگنا)
۔ جانداروں کی تخلیق اور اُن کا کثرت سے پھیلاؤ
۔ ہواؤں کی گردش
۔ بادلوں کا فضا میں معلق ہونا اور حرکت کرنا

السماوات و الأرض یعنی آسمانوں اور زمین کے الفاظ ممکنہ طور پر وہ مفہوم دے رہے ہیں جس میں آج ہم لفظ کائنات (یونیورس) استعمال کرتے ہیں، جو کہ بے شمار کہکشاؤں اور ان گنت ستاروں اور دوسرے اجرام و اجسام پر مشتمل ہے۔

کائنات میں ان گنت کہکشائیں ہیں، ہر کہکشاں میں ان گنت ستارے ہیں۔
ہم جس کہکشاں میں ہیں اسے انگریزی میں مِلکی وے(دودھیا راستہ، راہِ شِیری) کہا جاتا ہے، اس میں تقریباً چار سو ارب ستارے ہیں۔ ہمارا سورج اپنی جسامت کے اعتبار سے ایک درمیانے درجے کا ستارہ ہے۔ اس کے گرد نوسیارے (پلینیٹس) اور بہت سے دوسرے اجسام گردش کر رہے ہیں۔ کسی کہکشاں میں ستارے ایک دوسرے سے بہت طویل فاصلوں پر ہوتے ہیں جن کی پیمائش کے لیے نوری سال (لائٹ ایئر) کی اکائی بھی چھوٹی پڑ جاتی ہے۔
(ایک نوری سال وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے جبکہ روشنی کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے)۔
مِلکی وے کا قطر تقریباً ایک لاکھ نوری سال سے زیادہ ہے۔
اپنی کہکشاں میں سورج ایک چکر تقریباً دو سو چالیس ملین سال میں مکمل کرتا ہے۔
ہماری اس گفتگو سے کائنات کی وسعت کا ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

زمین کی ساخت اور بناوٹ، اس کی کمیت (ماس، مقدارِ مادہ)، اس کی جسامت (سائیز)،
اس کا سورج سے فاصلہ، اس کی مداری (یعنی سورج کے گرد) گردش، اس کی محوری (یعنی اپنے محور کے گرد) گردش، اس کی اپنے مدار پر 23 درجے کا جھکاؤ، اس پر موجود وہ تمام حالات جن کے نتیجے میں اس پر زندگی کی بقا اور نشوونما کا دارومدار ہے، یہ تمام تر پہلو اہلِ فکر کے لیے اپنے اندر غوروفکر کا وسیع سامان رکھتے ہیں۔

رات اور دن کی گردش کا نظام اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے۔ ’’اختلاف‘‘ کا لفظ ’’خلف‘‘ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے پیچھے آنا، جانشین ہونا وغیرہ۔ رات اور دن مسلسل طور پر ایک دوسرے کے پیچھے لگے آتے ہیں۔ رات دن کی جانشین بنتی ہے اور دن رات کا جانشین بنتا ہے۔
اگر یہ رات اور دن کا نظام نہ ہوتا تو زمین پر زندگی قائم نہ رہ سکتی بلکہ وجود میں ہی نہ آسکتی۔
اگر صرف رات ہوتی اور دن نہ ہوتا تو زمین کا درجہ حرارت اتنا کم ہوتا کہ اس کی سطح یخ ٹھنڈی ہوتی اور زمین کا سارا پانی برف کی شکل میں ہوتا۔ اور اگر زمین پر صرف دن ہوتا، رات نہ ہوتی، تو زمین کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہوتا اور یہ امکان ہی نہ ہوتا کہ اُس پر زندگی وجود میں آئے۔ پانی بخارات کی شکل میں ہوتا اور زمین کی سطح بری طرح تپ رہی ہوتی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، علمِ محیطِ کل اور حکمتِ بالغہ کا کرشمہ ہے کہ نہایت موزوں طور پر رات اور دن کا یہ نظام قائم کیا ہے، جو جانداروں کی بقا اور نشوونما کے ساتھ مکمل مناسبت رکھتا ہے۔

رات اور دن کا نظام زمین کی محوری گردش سے تعلق رکھتا ہے۔ زمین جب اپنے محور پر گردش کرتی ہے تو اس کا وہ حصہ جو سورج کے سامنے آتا ہے وہاں روشنی ہوتی ہے اور وہ دن کہلاتا ہے۔ اور جو حصہ مخالف سمت میں ہوتا ہے وہاں اندھیرا ہوتا ہے اور اُسے رات کہتے ہیں۔ زمین چونکہ ایک تسلسل کے ساتھ محوری گردش کر رہی ہے، لہٰذا رات اور دن تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلتے چلے جاتے ہیں۔
رات آہستہ آہستہ غائب ہوتی جاتی ہے اور اُس کی جگہ دن آہستہ آہستہ نمودار ہوتا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں، زمین کی محوری گردش کی رفتار ایسی ہے کہ رات اور دن کے دورانیے زمین کے جانداروں کے حسبِ حال ہیں۔ یہ نہ بہت لمبے ہیں اور نہ بہت چھوٹے۔

کشتیوں کا پانی کی سطح پر چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تخلیقی صلاحیت دی ہے کہ جس کی بنا پر اُس نے یہ سیکھا کہ سمندروں (اور دریاؤں وغیرہ) کو آمد و رفت اور نقل و حمل (ٹرانسپورٹیشن) کے لئے کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ پانی کی خصوصیات مثلاً سیالیت (فلوئیڈیٹی) اور اس کی کثافت (ڈینسٹی) وغیرہ پانی کو اس قابل بناتی ہیں کہ اُس پر چیزیں تیر سکیں۔ (جن چیزوں کی
کثافت پانی سے کم ہوگی وہ اس پر تیریں گی)۔ اس طرح، انسان نے کشتی (چھوٹے بڑے بحری جہاز) بنائے اور پانی کی سطح پر اُس کو چلانے کے لیے مختلف طریقے سوچے اور کام میں لائے۔ دورِ جدید میں بحری سفر کی اہمیت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ چھوٹی کشتیوں کے علاوہ بہت بڑے جہاز، بحری بیڑے اور آبدوزیں وغیرہ لاکھوں کی تعداد میں سمندروں میں چل رہی ہیں اور انسانوں اور ان کے سامان کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کا کام کر رہی ہیں۔
بعض جہاز اور بحری بیڑے اتنے بڑے ہیں کہ اُن پر گویا بڑے بڑے شہر آباد ہیں، اُن پر ہوائی اڈّے بنے ہوئے ہیں، ہوائی جہاز اُڑتے اور اترتے ہیں۔ ''جو لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں'' کے الفاظ بحری تجارت اور مال برداری کی اہمیت کو اجاگر کر رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کا قاری ان آیات کی صرف ''تلاوت'' کرتا ہے یا اُن سے اپنی زندگی کے لیے راہنمائی بھی لیتا ہے۔

بارش اللہ تعالیٰ کی قدرت کی گواہی دیتی ہے۔ اللہ بادل سے یا بلندی سے پانی اتارتا ہے یعنی بارش برساتا ہے۔
بے آب و گیاہ اور بنجر زمین پانی ملنے پر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ زمین میں پودوں کے باریک بیج بکھرے ہوتے ہیں (یا بعض پودوں جیسے گھاس کی جڑیں وغیرہ موجود ہوتی ہیں جن میں اُگنے اور نشوونما پانے کی صلاحیت ابھی باقی ہوتی ہے، مگر
پانی نہ ہونے کے باعث اُگ نہیں سکتے)۔ یہ خوابیدہ حالت میں ہوتے ہیں۔ زمین ویران پڑی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق جب انہیں پانی ملتا ہے تو یہ اُگنے لگتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین جو بنجر پڑی ہوئی تھی ہری بھری ہو جاتی ہے۔

براہِ راست طور پر یا دریاوں اور نہروں کے ذریعے اسے پانی ملتا ہے اور کسان فصلوں، سبزیوں وغیرہ کی بوائی کرتا ہے۔ یوں ہر طرف ہرے بھرے کھیت اور باغات نظر آتے ہیں۔ یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ انسان اور جانوروں کی غذا کا بنیادی ذریعہ پودے ہیں۔ مثلاً انسان سبزی بھی کھاتا ہے اور گوشت بھی۔ سبزی تو براہِ راست پودوں سے حاصل ہوتی ہے مگر گوشت جانوروں سے حاصل

ہوتا ہے۔ یہ جانور بھی براہِ راست یا بالواسطہ طور پر اپنی غذا کے لئے پودوں پر انحصار رکھتے ہیں۔ مزید دیکھیں (سورہ البقرہ آیت 22)۔

ہواؤں کی گردش:
ہوا کا ایک دبیز غلاف ہے جس نے زمین کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اُسے کرہ ءِ ہوائی (ایٹماسفیئر) کہتے ہیں۔
درجہ حرارت کی کمی یا زیادتی سے ہوا کے دباؤ میں فرق پیدا ہوتا ہے جس کے باعث ہوائیں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت کرتی ہیں۔
زمین پر ہواؤں کی گردش ایک مربوط اور باقاعدہ نظام کے مطابق ہوتی ہے۔ ہواؤں کی گردش کے ان گنت فائدے ہیں:
-- یہ ماحول کے تعفن کو کم کرکے اُسے تروتازہ بناتی ہے۔
--- آکسیجن کو پودوں سے جانوروں تک اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جانوروں سے پودوں تک پہنچاتی ہے۔
--- کسی مقام پر ہوا میں گیسوں کے تناسب کو قائم رکھتی ہیں۔
--- ہوائیں بادلوں کو حرکت دیتی اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جاتی ہیں۔ کشتیوں کو چلاتی ہیں۔ زمین کے درجہ حرارت کو معتدل رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، سرد علاقوں کی سردی گرم علاقوں میں اور گرم علاقوں کی تپش سرد علاقوں میں منتقل کرتی ہیں۔
--- ہوائیں پودوں کی زیرگی (پولینیشن) میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں یعنی پودوں میں نر تولیدی مادے یعنی زیرہ دانوں (پولن گرینز) کو مادہ تولیدی حصوں تک پہنچاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بیجوں کے انتشاریعنی ان کی ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقلی میں بھی مدد دیتی ہیں۔

بادل کیا ہیں؟ یہ آبی بخارات کا وسیع خزانہ ہیں۔ سمندروں اور محدود پیمانے پر دریائوں اور جھیلوں وغیرہ اور پودوں کے پتوں سے پانی شمسی توانائی کے ذریعے بخارات میں تبدیل ہوتا ہے۔ بادل انہی آبی بخارات سے مل کر بنتے ہیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ بادل زمین کی کششِ ثقل (تجاذبی قوت) کے خلاف فضا میں معلق رہتے ہیں اور ہوا کے دوش پر سوار ہو کر ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتے ہیں۔ ان کا بلندی پر رہنا اس لیے ہے کہ یہ ہوا سے ہلکے ہوتے ہیں۔ یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے۔ بادل اربوں کھربوں ٹن پانی ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتے ہیں۔ اگر یہ نظام نہ ہوتا تو انسان اور دوسرے جانداروں کو میٹھا پانی نہ مل سکتا اور وہ زندہ نہ رہ سکتے۔
پانی کے مالیکیول ہوا کی بنیادی گیسوں نائٹروجن اور آکسیجن کے مالیکیولوں کے مقابلے میں ہلکے ہوتے ہیں، لہٰذا آبی بخارات اوپر اٹھتے ہیں اور بلندی پر پہنچ جاتے ہیں۔ باقی تمام عوامل کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر کے اسی ایک نقطے پر سوچیں کہ اگر ہوا بخارات سے ہلکی ہوتی، مثلاً ہوا میں اکثریت ہائیڈروجن گیس یا ہیلیم گیس کے مالیکیولوں کی ہوتی، تو پانی کے بخارات اوپر نہ اٹھ سکتے اور بادل کے بننے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونے کا نظام قائم نہ ہو سکتا۔
بادلوں کا بلندی پر پہنچنا اور سفر کرنا اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی بہت سی نشانیاں رکھتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم سوچیں۔

قرآن انسان کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ خود کو توہم پرستی، دیومالیت، تقلیدِ جامد، ناروا آباؤ پرستی، ذہنی غلامی، اور فکری تعصبات سے آزاد کر کے عقلِ خالص کو کام میں لائے اور کائنات میں موجود اس کے خالق کی ہستی اور وحدانیت، اور کاریگری کی گوناگون نشانوں کی طرف متوجہ ہو۔

The Quran: Surah Aal-e-Imran (Surah 3)

سورہ آلِ عمران (سورہ نمبر 3)

آیات 5،6

....

اِنَّ اللہَ لَا یَخْفَیٰ عَلَیْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝5
الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝6

بیشک اللہ (وہ ہستی ہے کہ جس) سے کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

وہی ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں تمہاری صورت گری فرماتا جیسے چاہتا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی سب پر غالب اور بہت حکمت والا ہے۔

Verily, nothing on earth or in the heavens is hidden from God.
He it is who shapes you in the wombs as He wills. There is no deity save Him, the Almighty, the Truly Wise.

آیت 5 اللہ کی علمِ محیط کی طرف اشارہ کر رہی ہے، جو ہر چیز کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکشاف قرآن کی بہت سی دیگر آیات میں بھی مختلف پیرایوں میں کیا گیا ہے۔
آیت 6 میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قانونِ تخلیق کا بیان ہے، جس کے مطابق ماں کے رحم میں بچہ نشوونما پاتا اور شکل و صورت اختیار کرتا ہے۔۔
جدید جنینیات (ایمبریالوجی) کے مطابق یہ بات سامنے آتی ہے کہ رحمِ مادر میں بچہ ایک پیچیدہ نشوونمائی عمل (ڈولپمینٹل پروسس) کے ذریعے وجود میں آتا ہے۔ اس کا آغاز ایک خلیہ (سیل) سے ہوتا ہے جسے زائگوٹ کہتے ہیں اور جو خود دو خلیوں سے بنتا ہے یعنی اسپرم (جوباپ کی طرف سے آتا ہے) اور اووم (جو ماں کی طرف سے آتا ہے)۔

يُصَوِّرُكُمْ کا معنی ہے وہ تمہاری شکل و صورت ترتیب دیتا ہے، تمہاری صورت گری کرتاہے، تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اصل میں"صورت" اُس ہیئت کو کہتے ہیں جو ترتیبِ اجزاء سے حاصل ہو۔ صورت کو صورت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اجزاء کے ایک دوسرے کی طرف میلان سے حاصل ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ "صورت" صرف چہرے کی شکل کو نہیں کہتے بلکہ اس کا تعلق کسی چیز کی پوری ساخت اور بناوٹ سے ہے جس کی بنیاد پر وہ چیز پہچانی جاتی ہے اور دوسری اشیاء سے اس کا امتیاز کیا جاتا ہے۔

اللہ کی مشیت یا اللہ کا چاہنا ایک بے ہنگم عمل نہیں بلکہ ایک باضابطہ اور مربوط فعل ہے جو الٰہی قانون کے مطابق بروئے کار آتا ہے۔ یہ اللہ کا ودیعت کردہ قانونِ فطرت ہے۔ اس آفاقی قانون کے مطابق حیاتیاتی، کیمیائی، جِینیاتی اور دوسرے عوامل اپنا کام کرتے ہیں۔

اللہ العزیز(سب پر غالب، صاحبِ غلبہ و قدرت) اور الحکیم (کامل حکمت والا، صاحبِ حکمت کاملہ) ہے۔ کائنات اور اس کا ہر ہر مظہر اللہ کی قدرت اور حکمت کا اظہار ہے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر شے پر غالب ہے اور اس کے ہر کام کے پیچھے اس کی حکمتِ بالغہ کارفرما ہوتی ہے۔

*****

آیت 27

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ- وَ تُخْرِ جُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِ جُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ- وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۔ (27)

(اے اللہ! تیری قدرت کی شان یہ ہے کہ) تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور تو ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

(O God!) You make the night grow longer by shortening the day, and You make the day grow longer by shortening the night. And You bring forth the living out of that which is dead, and You bring forth the dead out of that which is alive. And You grant sustenance unto whom You will beyond all reckoning. (3:27)

....

تُوْلِجُ "ولوج" کے مادے سے ہے۔ ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل ہونا۔ سال بھر، رات اور دن کا دورانیہ تدریجاً گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ کبھی رات لمبی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے اور کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے۔ اس طرح کبھی رات کا حصہ دن میں داخل ہوجاتا ہے اور کبھی دن کا حصہ رات میں۔ گویا، اللہ تعالیٰ کبھی رات کو چھوٹا کرکے دن کو لمبا کر دیتا ہے اور کبھی دن کو چھوٹا کرکے رات کو لمبا کر دیتا ہے۔

ولوج کا معنی ہے ایک چیز کا دوسری میں آہستہ آہستہ داخل ہونا ۔ ظاہر ہے کہ رات اور دن کا سال بھر میں چھوٹا بڑا ہونا ایک دم نہیں ہوتا بلکہ تدریجی طور پر ہوتا ہے۔

سال بھر رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا اللہ کی قدرت اور حکمت کا عظیم مظہر ہے۔ اس کے لاتعداد سائنسی فائدے ہیں۔

بعض کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ صبح اور شام کو رات اور دن آہستہ آہستہ ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب صبح ہوتی ہے تو دن کی روشنی ایک دم شدت کے ساتھ نہیں

آتی بلکہ آہستہ آہستہ پھیلتی ہے۔ اور اس طرح جب رات ہوتی ہے تو دن کا اجالا آہستہ آہستہ غائب ہوتا اور رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ اُس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس طرح ہم روشنی یا اندھیرے سے تدریجاً ہمکنار ہوتے ہیں نہ کہ یک لخت۔
سال بھر میں رات اور دن کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہماری زمین اپنے مدار پر 23 درجہ کے زاویہ پر جھکی ہوئی ہے۔ جس کے باعث کسی خطے میں سورج کی شعاعوں کے زمین پر پڑنے کا دورانیہ بدلتا رہتا ہے۔ اسی سے زمین پر موسموں کا نظام قائم ہے یعنی گرمی، سردی، خزاں اور بہار۔ نباتاتی اور حیوانی زندگی کے لحاظ سے موسموں کے اس نظام کی اہمیت واضح ہے۔
اللہ کی شان یہ کہ ہو مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے۔ یعنی وہ بے جان مادے کو زندہ وجود میں اور زندہ اشیاء کو بے جان مادے میں تبدیل کرتا ہے۔
بے جان سے زندہ کی پیدائش:
کروڑوں سال پہلے زمین پر زندگی کا جب آغاز ہوا تو اس موقع پر بے جان مادی اجزاء سے ایک طویل پیچیدہ سلسلہ عمل (پروسس) کے نتیجے میں زندہ موجودات وجود میں آئے۔ اس سے زندگی کا سلسلہ جاری ہوا اور اب ایک جاندار پہلے سے موجود دوسرے جاندار سے وجود میں آتا ہے۔
جانداروں کا جسم (جو کہ ایک زندہ شے ہے) غذا سے بنتا ہے، اور غذا ابتدائی طور پر پودوں میں بے جان مادی اجزاء کے ملاپ سے بنتی ہے۔ پودا جڑوں کے ذریعے پانی اور دوسرے کیمیائی مرکبات جذب کرتا ہے اور ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ حاصل کرتا ہے۔ اور پھر پتوں اور دوسرے سبز حصوں میں سورج کی روشنی کی مدد سے ان بے جان مادی اجزاء کے ملاپ سے ایک لمبے اور پیچیدہ عمل کے ذریعے "غذا" تیار ہوتی ہے۔ اس غذا کو جب ہم کھاتے ہیں تو یہ ہضم ہو کر جزو بدن بنتی ہے اور زندہ خلیات کی نشوونما میں حصہ لیتی ہے۔
زندہ کا مردہ میں تبدیل ہونا:
جاندار جب موت سے ہمکنار ہوتے ہیں تو ان کا جسم انحطاطی عمل یا ڈیکے پروسس کے نتیجے میں منتشر ہو کر بے جان مادی اشیاء میں بدل جاتا ہے۔

زندہ اجسام (انسانوں، حیوانوں اور پودوں وغیرہ) میں ہر آن حیاتی کیمیائی اعمال ہو رہے ہوتے ہیں، انہیں مجموعی طور پر میٹابولزم (تحول) کہا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک تعمیری اور دوسرا تخریبی، یعنی کیٹابولزم اور اینابولزم۔ تعمیری تحول میں بے جان مادی أجزاء ایک پیچیدہ عمل کے ذریعے زندہ مادے میں تبدیل ہوتے ہیں۔ ایسا وہ بایومالیکیول کا حصہ بن کر کرتے ہیں۔
جبکہ تخریبی عمل کے ذریعے زندہ مادہ بے جان مادے مثلاً پانی، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجنی مرکبات وغیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔
یہ اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظام ہے جس کے تحت زمین کے بے جان مادے (مرکبات اور عناصر) زندہ مادوں (خلیہ کے نامیاتی مرکبات) میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور زندہ مادے انحطاط پذیر ہو کر بے جان مادوں میں بدل جاتے ہیں۔
وسیع تر معنوں میں زندگی اور موت کا یہ قانون پوری کائنات میں جاری ہے۔ گرد اور گیس سے ایک ستارہ وجود میں آتا ہے، جو اپنی زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا بالآخر اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔
ستاروں کی موت مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔
قوموں اور ملتوں کی سطح پر بھی زندگی اور موت کا قانون جاری ہے۔ زمین کی سطح پر مختلف خطوں میں مختلف قومیں اُٹھتی ہیں، کشمکش حیات کے مختلف مراحل طے کرتی ہیں، اور پھر زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

*****

آیات 190-191

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ۚۙ
الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق، اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اہلِ عقل کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ وہ جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اُن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ: اے ہمارے رب! تو نے یہ (جہان) بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے اس بات سے کہ کوئی بے مقصد کام کرے، پس تو ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا۔

Verily, in the creation of the heavens and the earth, and in the succession of night and day, there are indeed messages for all who are endowed with insight, [and] who remember God when they stand, and when they sit, and when they lie down to sleep, and [thus] reflect on the creation of the heavens and the earth: "O our Sustainer! You have not created [aught of] this without meaning and purpose. Limitless are You in Your glory! Keep us safe, then, from suffering through fire. (3:190,191)

قرآن عقل کو تحریک دے رہا ہے، کائنات کی تخلیق، وجود میں آنا اور ساخت اور بناوٹ اور اُس کے مظاہر میں اللہ کی ہستی اور وجود اور اُس کی قدرت کی گوناگوں نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، غور و فکر کرتے ہیں۔

قرآن یہ چاہتا ہے کہ انسان اللہ کی معرفت، اُس کی پہچان اور شناخت حاصل کرے مگر ظاہر ہے کہ وہ انسان کے حواس، عقل اور وجدان سے، یعنی انسان کی ہر استعداد سے ماوراء ہے۔ تو پھر یہ معرفت کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟اس کا جواب واضح ہے۔ اللہ کی صفات کی جلوہ گری کے مطالعے سے جو کہ کائنات اور اُس کے مظاہر کی شکل میں ہمارے لئے قابلِ ادراک بھی ہے اور قابلِ تعقل بھی۔ مخلوق کے مطالعے کے ذریعے خالق کی معرفت کا سفر۔

دوسرا قرآن یہ چاہتا ہے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو اُس کا خالق بھی ہے اور مُنعِم (نعمتیں عطا کرنے والا) بھی، احساسِ شکرگزاری پیدا ہو، لہٰذا وہ اُن گوناگوں نعمتوں کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نوازا ہے۔ (البقرہ: 164)

یہاں اہلِ عقل کی دو نشانیاں بیان کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا، اور کائنات کی تخلیق میں غور و فکر۔

انسان کا مقصدِ تخلیق یہ ہے کہ وہ اپنے اللہ کی معرفت حاصل کرے۔ اس مقصد کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنی ’’انسانیت‘‘ کی تکمیل کرے اور یہ ان دونوں شرائط کو بیک وقت پورا کئے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو پورا کئے بغیر چھوڑ دیا جائے تو انسان کمال سے محروم رہتا ہے۔ اگر یادِ خدا شامل نہ ہو تو کائنات میں غور و فکر مادی ترقی تو دیتا ہے لیکن انسان روحانی بلندی و ترقی سے محروم رہتا ہے، بلکہ حیوانات کی سطح پر گر جاتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا مشاہدہ ہم جدید دور میں جاہلی تہذیب (الٰہی تصورِ عالم اور اقدار سے بیزار تہذیب) کی شکل میں کر

سکتے ہیں۔ اور اگر کائنات میں غور و فکر اور اللہ کی صفات کی جلوہ گری کا مشاہدہ شامل نہ ہو تو ’’ذکرِ خدا‘‘ ایک زبانی عمل تو بنتا ہے، ذہنی و فکری عمل نہیں بنتا۔ اور اس چیز کے بغیر انسان معرفت کے کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔
سماوات سماء کی جمع ہے۔ سماء میں بلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ارض جیسا کہ سیاقِ کلام سے واضح ہے، سیارہ کرہءِ ارض کے مفہوم میں ہے۔ خلق وجود میں لانے کو بھی کہتے ہیں اور یہ لفظ خِلقت، ساخت اور بناوٹ کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ السماوات اور الارض کی تخلیق میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، یعنی اس بات میں کہ یہ وجود رکھتے ہیں، انہیں وجود میں لایا گیا ہے، یعنی ان کے وجود میں لانے میں اللہ کی ہستی اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔ دوسرے ان کی ساخت اور ہستی اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح رات اور دن کے اختلاف یعنی بناوٹ میں بھی اللہ کی ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے میں۔ رات دن کے پیچھے آتی ہے اور دن رات کے پیچھے آتا ہے۔ یہ ایک گردشی حرکت ہے، ایک نظام ہے، ایک پروسس ہے۔ نہ صرف کائنات کی تخلیق اور بناوٹ بلکہ عمل و حرکت میں بھی اللہ کی ہستی اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔

*****

سورہ النساء (سورہ نمبر 4)

آیت: 1

.....
یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾

...
اے لوگو! اپنے رب کا احساس کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے: (اُسے وجود میں لایا) اور اس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا، اور اُن دونوں سے کثرت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیں۔ اور اللہ کا اِحساس رکھو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) طلب کرتے ہو اور(اسی طرح) آپس کی قرابت داری کے معاملے میں بھی اللہ کا اِحساس رکھو۔ بیشک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔(وہ ہر وقت تم پر نظر رکھے ہوئے ہے؛ تمہاری نگرانی کر رہا ہے)۔

....
O Humankind! Be conscious of your Sustainer, who has created you out of one living entity, (He created it) and out of it created its mate, and out of the

two spread abroad a multitude of men and women. And remain conscious of God, in whose name you demand [your rights] from one another, and of these ties of kinship. Verily, God is ever watchful over you. (4:1)

....

یہ آیت انسانیت کی وحدت کو اجاگر کر رہی ہے۔ تمام انسان خواہ مرد ہوں یا عورتیں، ایک مشترک منبع سے پھوٹے ہیں۔ گویا، تمام انسان آپس میں "خونی رشتہ" سے منسلک ہیں، یعنی سب آپس میں رشتہ دار ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کریں اور باہمی احترام کے ساتھ امن و سکون سے زندگی بسر کریں۔

ایک نفس سے تخلیق: قرآن کہتا ہے کہ دنیا کے تمام انسان ایک "نفس" سے پیدا ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ نفس سے کیا مراد ہے؟ "نفس" کے لفظ کے کئی معانی ہیں اور یہ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے، جیسے روح، قلب یا ذہن، انسان کی ذات یا شخصیت، زندہ موجود، وغیرہ۔ اگر ہم یہاں نفس کا معنی زندہ موجود لیں تو مطلب ہوگا کہ دنیا کے تمام انسان ایک زندہ موجود سے پیدا کیے گئے ہیں۔

اُس سے اُس کا جوڑا پیدا کرنے کا مفہوم: عربی زبان میں "زوج" دو چیزوں یا صنفوں کے جوڑے کو بھی کہتے ہیں اور جوڑے کے ایک فرد کو بھی۔ اس مفہوم میں مرد عورت کا زوج ہے اور عورت مرد کی زوج۔
اللہ تعالیٰ نے ایک زندہ موجود پیدا کیا اور اس سے اُس کا جوڑا (زوج) بنایا۔

"اُس سے" کا کیا معنی ہے؟ یہاں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ "اُس سے" کا معنی ہے
اُس کی جنس اور نوع سے۔ اور دوسرا یہ کہ اس سے جسمانی طور پر (یعنی فزیکلی)۔
پہلے معنی کی تائید میں مثال کے طور پر سورہ النحل (سورہ 16 کی آیت 72 پیش کی جا سکتی ہے۔
:
وَاللهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ انّفْسِكُمْ أَزْوَاجاً

"اور اللہ ہی نے پیدا کیے تمہارے لیے تمہاری نوع سے جوڑے۔"

ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ بیوی شوہر سے پیدا ہوتی ہو یا شوہر بیوی سے۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ مزید دیکھیں سورہ الروم 30:21۔

"اُس سے" کے مذکورہ بالا مفہوم کی بنیاد پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زندہ موجود تخلیق فرمایا اور اُسی کی جنس (نوع) سے ایک اور زندہ موجود پیدا کیا جو پہلے موجود کے لیے جوڑے (زوج) کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ جاری ہوا (چاہے براہِ راست طور پر، چاہے طویل ارتقائی عمل کے ذریعے)۔

روایتی مفہوم میں پہلا زندہ موجود حضرت آدم علیہ السلام ہیں جبکہ دوسرا زندہ موجود حضرت حوا علیہا السلام۔
یہ سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ پہلے موجود کو اور پھر دوسرے موجود کو پیدا کیسے کیا گیا؟
روایتی مفہوم یہ کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے پیدا کیا گیا۔ اور حضرت

حوا علیہا السلام کو بھی اسی طریقے سے براہِ راست مٹی سے بنایا گیا (کچھ روایتوں کے مطابق حضرت آدم کی بچی ہوئی مٹی سے)۔ اس مفہوم پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ نسل انسانی کا آغاز ایک ہی نفس سے کیا گیا ہے، مگر مندرجہ بالا مفہوم سے یہ دو وجود ہیں جن سے نسل انسانی کا آغاز ہوتا ہے۔ "ایک ہی نفس" سے آغاز یہ تقاضا کرتا ہے کہ وجود ثانی، وجود اول سے پیدا ہو۔ بصورت دیگر یہ ایک نفس سے نہیں بلکہ دو نفسوں سے آغاز ہوگا۔ روایتی مفہوم اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ یہاں "نفس واحدہ" سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور چونکہ عام طور اولاد کو باپ سے منسوب کیا جاتا ہے لہٰذا عام محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، مطلب ہو گا: "تم سب کو ایک باپ سے پیدا کیا"۔ ظاہر ہے ایسا کہنا ماں کے وجود کی نفی نہیں کرتا۔ (اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ تم سب کو ایک ہی ماں سے پیدا کیا گیا ہے تو ایسا کہنے سے بھی یقینی طور پر باپ کے وجود کی نفی نہیں ہوتی۔)
اور یہ بات بھی واضح ہے کہ قرآن کا اصلی مقصد یہاں نسلِ انسانی کی بیالوجی بیان کرنا نہیں بلکہ انسانوں کی وحدت کو اجاگر کرنا اور انہیں آپس میں مل جل کر محبت اور بھائی چارے کے ساتھ رہنے کی تعلیم دینا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وجودِ ثانی کو وجودِ اول سے جسمانی طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی تشریح میں روایتی مفہوم یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور پھر ان کی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔
اس مفہوم کی تائید میں حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، احادیث کی کتاب صحیح مسلم کتاب الرضاع میں ہے:
"عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا اوپر کا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ دو گے۔ اور اگر تم نے اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، عورتوں کی خیر خواہی کرو"۔ (ترجمہ از مولانا غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم)۔

مگر اس حدیث کی تشریح دوسری طرح بھی کی جا سکتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث کا نچوڑ یہ کہ یہ عورتوں کے ساتھ خیرخواہی کی تعلیم دے رہی ہے، اس میں "عورت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہ بات "ہر عورت" کے لئے کہی گئی ہے۔ ظاہر ہے اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت حوا علیہا السلام پسلی سے پیدا کی گئی تھیں تو یہ بات ہر عورت کے لئے تو نہیں کہی جا سکتی۔ ہم جانتے ہیں کہ عورت بھی اسی طریقے سے رحمِ مادر میں پیدا ہوتی ہے جس طریقے سے مرد پیدا ہوتا ہے۔
دوسرا یہ کہ حدیث میں یہ کہیں موجود نہیں کہ عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: فاِن المراۃ خُلِقت من ضلع۔ (سو، عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے)۔
لہٰذا، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں عورت کی مخصوص طبیعت کو پسلی سے تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ یہ کہنا مقصود ہے کہ عورت کا جسم پسلی سے بنا ہے۔ یہ بات لغت اور زبان کے اعتبار سے بھی درست ہے۔ تشبیہ کے لئے یہ انداز قرآنِ مجید میں بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ الروم میں ہے۔ اللہ الذی خلقکم مِن ضُعف (لفظی ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ضعف (کمزوری) سے پیدا کیا ہے)۔ یعنی ایسا پیدا کیا ہے کہ تم کمزور ہو، یعنی اللہ نے تمہیں کمزور پیدا کیا ہے۔
اسی طرح، سورہ الانبیاء میں ہے: خُلِقَ الانسانُ من عَجَل (لفظی ترجمہ: انسان کو جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے)، یعنی اس کی ایسی طبیعت ہے کہ وہ جلد باز واقع ہوا ہے۔

لہٰذا۔ مندرجہ بالا حدیث کا مفہوم ہوگا کہ عورت اپنی طبیعت میں پسلی کی طرح ہے (پسلی کا خمدار ہونا اس کا کوئی عیب نہیں بلکہ اس کا جو مقصد ہے یہ بناوٹ اس کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہے، اگر کوئی اسے "سیدھا" کرنا چاہے گا تو اسے اس کے مقصدِ تخلیق سے دور کر دے گا، بلکہ اسے توڑ کر رکھ دے گا۔
یہی حال عورت کاہے۔ وہ فطری طور پر اس بات کی حقدار ہے کہ اس کے ساتھ خیرخواہی اور نرمی کا رویہ رکھا جائے، یہی اسلام کا حکم ہے۔ اور یہ ایک ایسا حکم ہے جو ہر ایک کے لئے ہے۔
صحیح بخاری میں ایک حدیث اسی مفہوم کی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے، لیکن اس میں الفاظ جمع کے ہیں یعنی کہا گیا ہے کہ "عورتوں" کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بات اوپر اخذ کئے گئے ہمارے نتیجہ کی تائید کرتی ہے۔ لیکن ایک اور حدیث میں تو صراحتاً یہ بات بیان ہوئی ہے کہ عورت پسلی کی "طرح" ہے: المراۃ کالضلعِ (عورت پسلی کی طرح ہے)۔ لہٰذا، یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ عورت کو جسمانی طور پر پسلی سے بنایا گیا ہے، بلکہ مقصود یہ کہ عورت کی مخصوص فطرت و طبیعت کو پسلی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور منشائے رسالت ﷺ یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ نرمی، خیرخواہی اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرے۔
مزید غور طلب بات یہ ہے کہ اوپر ذکر کی گئیں صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی تینوں حدیثوں کے راوی ایک ہی ہیں یعنی حضرت أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اس کا مطلب یہ کہ حدیث بنیادی طور پر ایک ہی ہے جسے دو مختلف طرح بیان (یعنی رپورٹ) کیا گیا ہے۔ ایک بیان واضح طور پر تشبیہ کا معنی دے رہا ہے اور دوسرے کو زبان و ادب کے اسالیب کے مطابق تشبیہ کے معنی میں لیا جا سکتا ہے۔ (جیسا کہ اوپر قرآنی آیات کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے)۔ لہٰذا، نتیجہ یہی ہے کہ اس حدیث سے تشبیہ کے معنی ہی لئے جانے چاہیئں۔

حضرت حوا علیہا السلام کے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کئے جانے کا تخیل بائیبل میں موجود ہے۔ تاہم جدید دور میں اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے:
Or took part of the man’s side (Holy Bible, New International Version, International Bible Society)
یعنی خدا نے آدمی کے پہلو کے ایک حصہ سے عورت کی تخلیق کی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت حوا علیہا السلام کے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیے جانے کا تخیل درست نہیں ہے، تو پھر آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ یعنی وجود اول سے وجود ثانی کیسے پیدا کیا گیا؟ قرآن مجید اس بارے میں خاموش ہے، لہٰذا علمی، تحقیقی اور سائنسی سطح پر جو بھی تصور دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے گا، قرآن کا قاری اُسے قبول کرنے میں آزاد ہوگا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن حیاتیات یا بائیولوجی یا سائنس کے کسی اور میدان کی نصابی کتاب یا ٹیکسٹ بک نہیں ہے۔ اس کا مقصدِ نزول نوعِ انسانی کی ہدایت ہے، یعنی نظری یا آئیڈیالوجیکل، روحانی اور اخلاقی و سماجی رہنمائی۔ قرآن نے بارہا خود کو کتابِ ہدایت ہی کے طور پر پیش کیا ہے۔
--

سورہ الانعام (سورہ نمبر6)

آیات: 1، 2

......
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾
ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۲﴾

تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا۔ پھر تعجب ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ہمسر ٹھہرتے ہیں۔
وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے تخلیق کیا۔ اور(تمہارے لئے) ایک معیاد ٹھہرائی اور (وہ) معیاد مقررہ اُسی کے علم میں ہے۔ پھر تعجب ہے کہ تم شک کرتے ہو۔

All praise is due to God, who has created the heavens and the earth, and brought into being deep darkness as well as light: and yet, those who are bent on denying the truth regard other powers as their Sustainer's equals. He it is who has created you out of clay, and then has decreed a term [for you] - a term known [only] to him. And yet you doubt. (6: 1,2)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین (یعنی کائنات) کی تخلیق کی۔ قرآنی محاورے میں آسمانوں اور زمین (السماوات و الأرض) کے الفاظ عالم پست و بالا یا کائنات کے ہم معنی ہیں۔ سماء میں بلند کا مفہوم پایا جاتا ہے جبکہ ارض میں نیچے کا۔ اس موضوع پر راقم کا تفصیلی مقالہ چھپ چکا ہے، جو کہ انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔

اللہ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے کائنات اور کائناتی موجودات (سماوی اجسام وغیرہ) پیدا فرمائے۔ اس میں مادہ اور توانائی کا ایک ایسا نظام قائم کیا کہ کچھ اجسام روشنی خارج کرتے ہیں اور کچھ ایسا نہییں کرتے۔ مثال کے طور پر ستاروں سے روشنی خارج ہوتی ہے جبکہ سیارے روشنی خارج نہیں کرتے بلکہ ستاروں کی جو روشنی ان پر پڑتی ہے اسے منعکس کرتے ہیں۔
اس طرح کائنات میں روشنی اور تاریکی کا نظام قائم ہے۔

یہاں یہ نکتہ توجہ طلب ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے لیے "خَلَقَ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جب کہ روشنی اور تاریکی کے لیے "جَعَلَ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں الفاظ ایک سے زیادہ مفہوموں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ممکنہ طور پر یہاں "خَلَقَ" کا معنی ہے عدم سے وجود بخشا، اور "جَعَلَ" کا معنی ہے پہلے سے موجود مواد سے بنایا۔ یہ بات معلوم ہے کہ روشنی اور اندھیرا کائنات ہی کے مظاہر ہیں۔

روشنی اور تاریکی کے الفاظ مجازی معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سچائی روشنی ہے اور جھوٹ تاریکی، ہدایت روشنی ہے اور گمراہی تاریکی۔ آیت کریمہ میں "نُورُ" کا لفظ واحد آیا ہے، جب کہ "ظلمات" کا لفظ جمع۔ یہ اس طرح ایک بلیغ اشارہ ہو سکتا ہے کہ ہدایت تو ایک ہی ہو سکتی ہے، جب کہ گمراہیاں کئی ہیں، سیدھا راستہ ایک ہی ہے، جب کہ ٹیڑھے راستے بے شمار ہیں۔

انسان کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے۔ "طین" پانی ملی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں، جس کے لیے ہم کیچڑ یا گارا کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ انگریزی میں اسے کلے کہتے ہیں، اس کے علاوہ اسے مَڈ بھی کہا جا سکتا ہے۔
مٹی سے انسان کی تخلیق" کا مفہوم کیا ہے؟ اس پر آگے گفتگو کی جائے گی، یہاں اتنا بیان کرنا کافی ہوگا کہ سائنسی زبان میں مٹی سے مراد بے جان مادہ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مراد ہو گی:
انسان کی تخلیق بے جان مادے سے کی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اُس نے بے جان مادے سے انسان جیسی مخلوق پیدا فرمائی جو نہایت اعلیٰ جسمانی، ذہنی اور روحانی صلاحیتیں رکھتی ہے۔
سائنسی اعتبار سے مٹی یا کیچڑ سے انسانی کی تخلیق میں کیمیائی ارتقا کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے مجازی معنی بھی ہو سکتے ہیں (جیسے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان خاک کا پتلا ہے)۔
اجل سے مراد انسانی (اور اسی طرح، کسی انسانی اجتماعی نظام یا وجود (قوم، تہذیب وغیرہ)) کی مدتِ حیات اور اس کے پیچھے کارفرما أسباب ہو سکتے ہیں۔
قرآن کا یہ عام أسلوب ہے کہ جب وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں کام اللہ نے کیا ہے یا اللہ کرتا ہے، تو اس کا مطلب وہ قانون ہوتا ہے جو اس کام کئے لئے اللہ نے کائنات میں رکھا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا قانون (اس کی مشیت، اس کا ارادہ) ہے جس کے مطابق کائنات وجود میں آئی اور اس میں طرح طرح کے مظاہر کا ظہور ہوا۔ اور بالآخر یہ اپنے اختتام کو پہنچے گی۔
کائنات اور اس کی ہر چیز اور مظہر کی ایک مدتِ حیات ہے۔ کسی چیز کے وجود میں آنے اور پھر فنا سے ہمکنار ہو جانے کے أسباب ہوتے ہیں۔

آیت: 38

....
وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡہِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ ؕ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

اور کوئی جانور نہیں جو زمین پر چلتا ہو، اور کوئی اڑنے والی مخلوق نہیں جو فضا میں اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتی ہو مگر یہ سب تمہاری ہی طرح اُمتیں ہیں۔ اور ہم نے (اپنے قانونِ فطرت کی) کتاب میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا۔ پھر یہ سب اپنے پروردگار کے حضور اکٹھے کئے جائیں گے۔

There is no animal (that moves) on earth and no flying creature that flies on its two wings (in the air) which is not [God's] creature like yourselves: no single thing have We neglected in the Book (of Our decrees). And once again: Unto their Sustainer shall they [all] be gathered. (6:38)

دَابَّۃ وہ مخلوق جو حرکت کر سکے، چلے پھرے۔ یہ لفظ سب جانداروں اور ذی حیات مخلوق کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ زمین پر چلنے والے جانوروں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
أُمَمٌ "امت" کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے وہ جماعت جس کے افراد میں کوئی قدرِ مشترک پائی جائے، مثلا ان کا دین ایک ہو، یا زبان ایک ہو، یا کسی اور خصوصیت میں ایک جیسے ہوں۔
جس طرح انسان بطورِ مجموعی ایک امت (برادری، جماعت) ہے، اسی طرح پرندے اور دوسرے جانور بھی مختلف امتیں ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے جانداروں کو مختلف امتوں میں تقسیم کیا ہے، ہر ایک کی اپنی ایک "دنیا" ہے، پیدائش اور موت کا نظام ہے، جسمانی ساخت ہے اور زندگی کا ایک کردار ہے جسے وہ ادا کرتے ہیں۔
ہر جاندار برادری یا جماعت کی تخلیق کا ایک مقصد اور ایک غایت ہے، جس کے مطابق اس کا ایک جسمانی وجود بنایا گیا ہے اور مخصوص جسمانی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ نیز، اُسے اپنے مقصدِ حیات کا "شعور" دیا گیا ہے (فطری یا عقلی سطح پر) اور اس کے اندر مقصدِ حیات کے حصول کی جدوجہد کے لیے درکار "ہدایت" ودیعت کی گئی ہے۔
تمام جانداروں کا زمین کے ایکوسسٹم میں ایک کردار ہے۔ کوئی مخلوق بیکار نہیں۔ ہر چیز کا ایک مقصد اور غایت ہے۔

آیات:59، 60

وَ عِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ وَ مَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعۡلَمُہَا وَ لَا حَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾
وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ یَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡہِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٪۶۰﴾

اور، اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ بر اور بحر میں جو کچھ ہے اس سے وہ واقف ہے۔ کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تہوں میں کوئی دانہ گرتا ہے، اور نہ ہی کوئی تر اور خشک چیز ہے مگر وہ ایک روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔
اور وہی ہے جو تمہیں رات کو (ایک طرح کی) موت کی حالت میں لے جاتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا ہے، پھر وہ تمہیں اس میں اُٹھاتا ہے تاکہ (اس کی طرف سےزندگی کی) مقررہ مدت پوری کی جائے۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا ان اعمال سے جو تم کرتے رہے ہو۔

-

And, with Him are the keys to the things that are beyond the reach of a created being's perception: none knows them but He. And He knows all that is on land and in the sea; and not a leaf falls but He knows it; and neither is there a grain in the earth's deep darkness, nor anything: living or dead, but is recorded in [His] clear decree.

And He it is who causes you to be [like] dead at night, and knows what you work in daytime; and He brings you back to life each day in order that a term set [by Him] be fulfilled. In the end, unto Him you must return: and then He will make you understand all that you were doing [in life]. (6:59,60)

غیب کا تعلق انسان (یا وسیع تر معنوں میں مخلوق) کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز غیب نہیں۔ ہر وہ چیز جو انسان (یا مخلوق) کے لئے پوشیدہ ہے، غیب ہے۔ اس میں مستقبل بھی شامل ہے اور وہ اشیاء اور حقائق بھی جو انسان کے عقل و حواس کی رسائی سے باہر ہیں۔ ہم غیب کو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ جو مابعد الطبیعاتی ہیں اور اپنی نوعیت کے اعتبار ہی سے ہماری رسائی سے باہر ہیں۔ وہ ہمارے حواس وعقل کے دائرہ میں نہیں آتے، جیسے عالمِ آخرت، جنت و جہنم کی اصلی نوعیت، وغیرہ۔ دوسری قسم کے غیب وہ ہیں جو عملی مجبوریوں کے باعث ہماری علمی رسائی سے باہر ہیں۔ یعنی بہت سے غیب ہمارے لئے اس لئے غیب ہیں کہ ان تک ہماری رسائی عملی طور پر حاصل نہیں، جیسے جیسے انسان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اس کے لئے اس طرح کا غیب شہادت میں بدلتا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جدید سائنسی ترقیوں نے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ ہم رحمِ مادر میں بچے کی صنف جان سکتے ہیں جو پہلے ممکن نہیں تھا۔
بہر حال، غیب ہو یا شہادت، اس کا ذاتی اور کلی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، جو عالَم اور عالم کے تمام مظاہر، زمان ومکان اور ماضی و حال و مستقبل سب کا کامل علم رکھتا ہے۔ انسان اللہ کے ودیعت کردہ قانونِ فطرت کے مطابق نامعلوم سے معلوم کا سفر طے کرتا ہے۔ یہ عمل ہزاروں بلکہ لاکھوں سال سے جاری ہے۔ مشاہدے، تجربے اور غور و فکر کے نتیجے میں انسانی علم کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ ایجاد اور دریافت کے جاری عمل سے نئی حقیقتیں سامنے آتی ہیں جن کا کل تک انسان تصور بھی نہیں کر رہا ہوتا۔ مثال کے طور پر خوردبین اور دوربین کی ایجاد نے ایک طرف وائرس اور بیکٹیریا اور دوسری طرف کہکشائوں تک انسان کی نظر کا دائرہ بڑھا دیا ہے۔ کل تک جو غیب تھا آج وہ شہادت ہے اور آج جو غیب ہے کل وہ شہادت ہوگا۔ اور یہ سب اللہ کے مقررکردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیطِ کل ہے یعنی وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ خشکی اور تری (بر اور بحر) کی تمام باریکیوں کو تمام تر تفصیلات کے ساتھ یکساں طور پر جانتا ہے۔ اور وہ ہر شے کو اور اُس کی ہر حرکت اور ہر فعل کو جانتا ہے۔ وہ پودے پر اُگنے والے پتے اور زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے کسی بیج تک کا علم رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ ہوائیں کب، کہاں اور کتنے پتوں کو گراتی ہیں، کتنے زیرہ دانوں (پولن گرینز)
کو پھولوں کے نر حصے سے مادہ حصوں تک پہنچاتی ہیں تاکہ نئے پودے کی بنیاد ڈالی جائے، اور کتنے بیج ہیں جو مختلف ذرائع (انسانوں، حیوانات، ہواؤں اور پانی وغیرہ) سے مٹی میں بکھرتے ہیں اور کون سا بیج کب تک خوابیدہ (ڈورمنٹ) رہے گا اور کب اُگے گا۔ اللہ کا قانونِ فطرت ہر چیز کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔

آیت میں "پتے کے گرنے" اور "دانے کے زمین کی تہوں میں پڑنے" کے الفاظ توجہ طلب ہیں۔ اس بات پر توجہ کریں کہ پتے کا گرنا اس کا زندگی سے ناتا توڑنا ہے یعنی یہ اس کی موت کا اعلان ہے، جبکہ دانے یعنی بیج کا زمین کی تہوں میں گرنا اُس کی حیاتِ نو کے امکانات کا دروازہ کھولتا ہے۔ وہ جانتا ہے کون کہاں موت سے ہمکنار ہو رہا ہے اور کون کہاں زندگی کی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہے۔
کتابِ مبین (روشن کتاب، مبین: روشن، واضح اور واضح کرنے والی، وغیرہ) سے یہاں ممکنہ طور پر مراد اللہ تعالیٰ کا مقررہ کردہ قانونِ فطرت یا نظامِ فطرت ہے۔

یہاں وفات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ انسان کو رات کے وقت "وفات دیتا ہے" یعنی نیند کی حالت میں لے جاتا ہے جہاں انسان کا شعور معطل ہو جاتا ہے۔
تَوَفّٰی لغت میں واپس لے لینے کے معنی میں آتا ہے۔ یہ روح قبض کئے جانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ لفظ نیند سے ہمکنار کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کی صورت میں انسانی دماغ مکمل طور پر معطل ہو جاتا ہے، جس میں روح اور جسم کا تعلق مکمل طور پر منقطع ہو جاتا ہے، جبکہ نیند کی حالت میں دماغ کا صرف ایک حصہ معطل ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی مفہوم میں انسان کا شعور معطل ہو جاتا ہے۔

حیاتِ انسانی میں نیند اور بیداری کی حالتیں ایک کے بعد دوسری تسلسل کے ساتھ آتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ زندگی کے آخری لمحے آجاتے ہیں اور انسان موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

آیات 95،96

....
اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰی ؕ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ مُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۹۵﴾
فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۹۶﴾

بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر ان سے پودے اگاتا ہے۔ وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ بس وہی خدا ہے، تو تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو۔ وہی صبح کا نکالنے والا ہے۔ اُسی نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور سورج اور چاند، اُسی نے ایک حساب سے رکھے ہیں۔ یہ زبردست قوت والے، علم والے اللہ کی منصوبہ بندی ہے۔

Verily, God is the One who cleaves the grain and the fruit-kernel asunder; brings forth the living out of that which is dead, and He is the One who brings forth the dead out of that which is alive. This, then, is God: and yet, how perverted are your minds! (6:95)
[He is] the One who causes the dawn to break; and He has made the night to be [a source of] stillness, and the sun and the moon to run their appointed courses: [all] this is laid down by the will of the Almighty, the All-Knowing. (6:96)

الله ہی ہے جس کی مشیت اور ارادہ کے تحت زمین کی تہوں میں دانہ اور گٹھلی پھٹتے ہیں اور ان میں سے ننھا پودا نمودار ہوتا ہے۔ جڑ نکلتی ہے جو نیچے کی طرف جاتی ہے اور کونپل پھوٹتی ہے جو زمین سے باہر روشنی کی طرف اُٹھتی ہے۔

''حَب'' کا معنی
غذائی اجناس جیسے گندم، جو، مکئی اور چاول وغیرہ کے دانے کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق دوسری نباتات کے دانوں اور بیجوں پر بھی ہوتا ہے۔

نویٰ کا معنی
نویٰ پھلوں کی گٹھلی کو کہتے ہیں جیسے کھجور، آڑو، آم وغیرہ۔ دانہ ہو یا گٹھلی، اصل میں پودوں کے بیج ہیں۔ ان کے اندر پودا اپنی ابتدائی شکل میں موجود ہوتا ہے جسے ایمبریو یا جنین کہتے ہیں۔ یہ بہت باریک اور نرم و نازک ہوتا ہے۔
جب بیج کو سازگار حالات (نرم مٹی، پانی، آکسیجن وغیرہ) ملتے ہیں تو اس کے اندر ننھا پودا نشوونما پانا شروع کر دیتا ہے اور بالآخر بیج کی سخت بیرونی دیوار کو چیرتا ہوا باہر نکل آتا ہے۔ یہ الله کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ نرم و نازک نوخیز پودا دانے اور گٹھلی کی سخت اور ٹھوس بیرونی دیوار کو چیرتا ہوا باہر نکل آتا ہے۔

''فالق'' کا معنی
فالق کا معنی ہے پھاڑنے، چیرنے اور شگافتہ کرنے والا، کسی چیز کو پھاڑ کر اُس میں سے کسی چیز کو برآمد کرنے والا، نمو دار کرنے والا۔

الله نے اپنی مشیت سے رات کو سکون کا باعث ٹھہرایا۔ یہ الله تعالیٰ ہی کا قائم کردہ نظام ہے جس کے مطابق زمین اپنے محور پر گھومتی ہے جس سے رات اور دن باری باری تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ رات تھکے ہارے انسان کو راحت و آرام فراہم کرتی ہے۔ راتیں دنوں کے درمیان آرام اور بحالی کے وقفے ہیں۔ ہمارے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ اس کی فعالیت اور تحریک کا روشنی کے ساتھ اور استراحت اور آرام کا اندھیرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

حسبان کا معنی
حسبان مصدر ہے اور یہ ''حساب'' کے مادہ سے ہے۔ سورج اور چاند ایک حساب اور نظام کے پابند ہیں۔ یعنی الله کے ودیعت کردہ قوانینِ فطرت کے۔
زمین کے اعتبار سے سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ایک نظام کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ اپنی ساخت اور بناوٹ، اپنی جسامت، اپنی حرکت اور حرکت کی رفتار، اپنے محلِ وقوع، اپنے عرصہ حیات اور تمام دوسری خصوصیات میں ایک حساب اور نظام کے پابند ہیں۔
انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ ان کی حرکت، حرکت کی رفتار اور حرکت کے راستے کو سمجھے، اور اس بنیاد پر وقت، دنوں، مہینوں، برسوں وغیرہ کا حساب کرے، تاریخ کا زمانی ریکارڈ رکھے اور آئندہ کے منصوبے بنائے اور پیش گوئیاں کرے۔
اس میں قرآنِ مجید کے قاری کے لئے مظاہرِ فطرت کے مشاہدے اور مطالعے کی ترغیب اور تحریک بھی ہے۔ یقینی طور پر مسلمانوں میں اسٹرونومی کے فروغ میں اس کا نہایت اہم بلکہ بنیادی کردار ہے۔ مسلمانوں نے اس میدان میں بھی بہت بڑے بڑے نام پیدا کئے ہیں۔

آیت: 97

......
وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَہۡتَدُوۡا بِہَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۷﴾

اور (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے (رہنمائی کا ذریعہ) بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے بر و بحر (خشکی اور تری) کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کرو۔ بیشک ہم نے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں نشانیاں واضح کر دی ہیں۔

..

And He it is who has set up for you the stars so that you might be guided by them in the midst of the deep darkness of land and sea: clearly, indeed, have We spelled out these messages unto people of [innate] knowledge! (6:97)

...
نجوم کا لفظ فہمِ عامہ اور ادب کی زبان میں وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں ستارے اور سیارے وغیر سب شامل ہیں۔ ستاروں کی روشنی ان کی اپنی ہوتی ہے جبکہ سیاروں اور ذیلی سیاروں (چاند وغیرہ) کی روشنی ستاروں ہی کی روشنی ہے جو سیارے اپنی سطح سے منعکس کرتے ہیں۔
کائنات میں بے شمار ستارے، سیارے اور دیگر سماوی اجرام ہیں۔ انسانوں کے لیے ان کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ ان سے رات کے وقت وسیع صحراؤں اور سمندروں میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔
اجرام سماوی روشن اجسام ہیں، ان کے مخصوص مقام اور زمین کے لحاظ سے حرکت و سفر کے مخصوص راستے ہیں اور یہ ایک قانون اور نظام کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا انسان ان کی مدد سے سفر کے دوران اپنے مقام اور سمت کا تعین کر سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وقت کا حساب بھی لگا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے ہمارے شمسی نظام کے سیارے بہت اہم ہیں، ان کی اگرچہ اپنی روشنی نہیں ہوتی مگر سورج کی روشنی کو منعکس کرنے کے باعث روشن نظر آتے ہیں، اور رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔
یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے معنی خیز ہیں جو علم رکھتے ہیں یا جو جاننا چاہتے ہیں۔
قرآن چاہتا ہے کہ لوگ اللہ کی نشانیوں کو پہچانیں اور کائنات اور مظاہرِ کائنات کا علم حاصل کریں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے جیسے لوگوں کے علم اور شعور میں اضافہ ہوتا ہے، ان میں اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کا احساس بڑھتا جاتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے قرآن فروغ دینا چاہتا ہے اور یہی انسانی زندگی کا مقصدِ اصلی ہے۔
آیات: نشانیاں، دلائل: اللہ کی ہستی، وحدانیت، قدرت، رحمت، علم، حکمت کے کائناتی دلائل۔

--
آیت: 98

....
وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّ مُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَہُوۡنَ ﴿۹۸﴾

-

اور، وہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک موجود سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک مُستقر (جائے قرار و مدتِ قیام) اور ایک مُستودع (سپردگی کی جگہ) ہے۔ بے شک، ہم اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ سے کام لیتے ہیں نشانیاں واضح کر دی ہیں۔

...

And He it is who has brought you [all] into being out of one living entity,and [has appointed for each of you] a time-limit [on earth] and a resting place [after death]: clearly, indeed, have We spelled out these messages unto people who can grasp the truth! (6:98)

...

ایک موجود یا ایک جان سے پیدا کرنے کی تشریح کے لیے دیکھیے سورہ النساء پہلی آیت کی تشریح۔۔ مراد ہے کہ اے انسانو تمہارا تعلق ایک نوعِ انسانی سے ہے۔

مُستقر: ٹھہرنے اور قرار پکڑنے کی جگہ یا وقت۔
مُستودع: وہ جگہ جہاں کوئی چیز بطورِ امانت رکھی جائے، ودیعت کی جائے۔
مُستقر اور مُستودع کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں کئی آراء پیش کی جاتی ہیں۔
ایک مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کی ایک مدتِ حیات ہے جس کے دوران وہ زمین پر رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ دنیاوی حیات کے اختتام کو پہنچتا ہے اور برزخی حیات میں قدم رکھتا ہے۔ وسیع معنوں میں ہر وجود کی ایک موجودہ حالت ہوتی ہے اور ایک اس سے اگلی حالت جس کی طرف وہ جاتا ہے۔ انسان کے لحاظ سے اس کا مفہوم ہو گا کہ اس نے ایک حالت سے دوسری کی طرف منتقل ہونا ہے۔ چاہے فرد ہو یا معاشرہ، قوم یا تہذیب اس کی کسی بھی وقت ایک حالتِ موجودہ ہوتی ہے جس سے گزر کر وہ اگلی حالت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اگلی حالت کی کیفیت کا دارومدار گزشتہ حالت پر ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح سے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقلی کا پروسس ہے۔
یہاں "یفقہون" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو "فقہ" کے مادے سے ہے۔ اس سے مراد وہ ذہنی صلاحیت ہے جس سے انسان کسی چیز کو سمجھتا ہے۔ ماہرین، لغت نےکہا ہے کہ فقہ حاضر کے علم سے غائب کے علم کی طرف پہنچنے کو کہتے ہیں (مفردات)۔ یعنی موجود معلومات سے ان معلومات کا کھوج لگانا جو ابھی سامنے نہیں ہیں۔ اس کو اگر ہم وسعت دیں تو مفہوم ہوگا محسوسات (وہ اشیاء جنہیں حواس سے محسوس کیا جا سکے) کے مشاہدے سے نتائج اخذ کر کے ان کے ذریعے مجرد حقائق تک پہنچنا۔ یعنی حاظر سے غائب اور معلوم سے نامعلوم کی طرف کا سفر۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی ہستی اور قدرت کے دلائل کھول کر بیان کر دیے ہیں ان لوگوں کے لیے جو تفقہ یعنی سمجھنے کی صلاحیت سے کام لیتے ہیں۔
آپ نے دیکھا یہ "فقہ" کا لفظ کتنا خوبصورت ہے۔ اس میں کتنی تازگی، زندگی و تحرک و فعالیت ہے۔ اگر ہم اسے تقلیدِ جامد کی علامت بنا لیں تو یہ ہمارا قصور ہے نہ کہ اس لفظ کا۔
یہ نقطہ بھی توجہ طلب ہے کہ اس سے پہلی آیت 6:97 میں "یعلمون" (جو علم رکھتے ہیں) کے الفاظ ہیں اور یہاں "یفقھون" (جو سمجھ رکھتے ہیں) کے۔
غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں دلالت واضح اور صریح ہے، جبکہ دوسری آیت میں دلالت خفی اور دقیق ہے۔ پہلی آیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے علم کافی ہے، جبکہ دوسری آیت کے مفہوم کو سمجھنے اور اس کی اہمیت کا ادراک کرنے کے لیے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہوگی۔ یہ قرآن کے اعجاز کی طرف ایک اشارہ ہے۔

.....

آیت: 99

....
وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡہُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِہَا قِنۡوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُشۡتَبِہًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِہٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ یَنۡعِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾

اوروہ (اللہ) وہی ہے جس نے بادل سے پانی (بارش وغیرہ کی شکل میں) نازل فرمایا۔ پس، اُس سے (اللہ فرماتا ہے کہ) ہم نے نشو و نما پانے والی ہر چیز پیدا کی۔ پھراس (قسم قسم کی نباتات) سے ہم نےسرسبز (شاخیں) نکالیں جن سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں۔ اور (اسی طرح ہم پیدا کرتے ہیں) کھجور کے گابھے سے لٹکتے ہوئے گچھے، اور انگوروں کے باغ، اور زیتون اور انار، ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی۔ ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو جب وہ پکتا ہے۔ بے شک ان کے اندر نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانا چاہتے ہیں۔

آیت کے پہلے حصے کا متبادل ترجمہ:
اوروہ (اللہ) وہی ہے جس نے بادل سے پانی (بارش وغیرہ کی شکل میں) نازل فرمایا۔ پس، اُس سے ہم نے نشو و نما پانے والی ہر چیز پیدا کی (طرح طرح کی نباتات)۔ اور، اسی (پانی) سے ہم نےسرسبز (کھیت) پیدا کئے جن سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں۔

--.
And He it is who has caused waters to come down from the sky; and by this means have We brought forth all living growth, and out of this have We brought forth verdure. Out of this do We bring forth close-growing grain; and out of the spathe of the palm tree, dates in thick clusters; and gardens of vines, and the olive tree, and the pomegranate: [all] so alike, and yet so different! Behold their fruit when it comes to fruition and ripens! Verily, in all this there are messages indeed for people who will believe! (6:99)

زمین پر میٹھے، تازہ پانی یا فریش واٹر کا بنیادی ذریعہ بارش (بشمول برف، وغیرہ) ہے۔ پانی کے جتنے بھی ذرائع ہیں جیسے دریا، نہریں، چشمے اور کنویں وغیرہ، ان سب کو پانی بالآخر بارش ہی سے ملتا ہے۔ اس لیے بارش میں کمی ان سب پر اثر انداز ہوتی ہے۔
پانی سے طرح طرح کی نباتات اُگتی ہیں۔ سبزے اور ہریالی کا دارومدار پانی پر ہی ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں نباتاتی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ہستی، قدرت اور حکمت کی بعض نشانیوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور انسان پر اُس کی نعمتوں پر غور و فکر کر کے اُس کی معرفت حاصل کر سکے۔

بارش سے قسم قسم کی نباتات پیدا کیں، اناج کے ہرے بھرے کھیت اگائے۔ اسی اللہ نے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔

طلع: گابھا
قنوان: قنو کی جمع، گچھے
کھجوروں کے دانے گچھوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ان گچھوں کو "قنوان" کہا جاتا ہے۔ یہ گچھے ابتدا میں باریک دھاگوں کی شکل میں ہوتے ہیں جن پر ایک سبز رنگ کا غلاف چڑھا ہوتا ہے۔ اسے طلع یعنی گابھا سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دانیۃ: قریب، نزدیک
گچھے میں کھجوریں ایک دوسرے کے قریب قریب ہوتی ہیں، اس لیے دانیہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس سے گچھوں کا زیادہ بوجھ کی وجہ سے لٹکنا اور جھکنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی، یعنی بعض پہلوئوں سے آپس میں مماثلت رکتھے ہیں اور بعض پہلوئوں سے مختلف ہیں۔ زندگی اور نشو و نما کے بنیادی اصولوں میں ایک جیسے مگر ظاہری شکل، رنگ، ذائقہ، فعلیات (فزیالوجی) اور مخصوص کیمیائی مرکبات میں الگ الگ۔

دیکھو اس کے پھل کی طرف جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کوجب وہ پکتا ہے کے الفاظ پر ایک بار پھر غور کریں۔ قرآن مجید کس طرح کائنات، اس کی اشیاء اور مظاہر پر نگاہ ڈالنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اب یہ اُن لوگوں کا فرض ہے جو خود کو قرآن کا وارث و امین کہتے ہیں کہ وہ قرآن کی اس دعوت پر توجہ دیں اور قرآن کی منشاء کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ اس میں اللہ کی قدرت کا بھی اظہار ہے اور انسان پر اس کی طرح طرح کی نعمتوں کا بھی۔

جو ایمان لانا چاہیں، جن کے ذہن تعصبات سے پاک ہیں، اور جو حق کی آواز سن سکتے ہیں، اُن کے لیے اُن سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے گونا گوں دلائل موجود ہیں۔
اس آیت میں کئی چیزوں کا ذکر ہوا ہے جن میں سے چند یہ ہیں:
بادل سے بارش کا برسنا۔
پانی سے طرح طرح کی نباتات کا اُگنا، بالخصوص اناج کا جن کی بالیوں میں تہ بہ تہ دانے ہوتے ہیں۔
کھجور، انگور، زیتون اور اناج کے پھل۔
یہ حقیقت کہ پھل کئی لحاظ سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور کئی لحاظ سے مختلف ہیں۔
پھلوں کے پیدا ہونے پر غور کی دعوت۔
اُن کے پکنے پر غور کی دعوت۔
اللہ کی نعمتوں کی طرف انسان کو متوجہ کرنا اور نعمتوں کی قدردانی کی تعلیم۔
مشاہدہ و مطالعہ کی تحریک، تخلیقی اور پیداواری سرگرمیوں کی ترغیب۔

آیت: 125
....

فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَ مَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ کَذٰلِکَ یَجۡعَلُ اللّٰہُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جسے اس کی مخالفتِ حق کے باعث راہِ حق سے دور رہنے دینا چاہتا ہے، اس کے سینے کو اس طرح بالکل تنگ کر دیتا ہے، گویا اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اللہ اسی طرح اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اُن لوگوں کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔

-----.

And whomsoever God wills to guide, his bosom He opens wide with willingness towards self-surrender [unto Him]; and whomsoever He wills to let go astray, his bosom He causes to be tight and constricted, as if he were climbing unto the skies: it is thus that God inflicts horror upon those who will not believe. (6:125)

...

آیت کا ایمانی، اخلاقی اور روحانی مفہوم واضح ہے، لیکن قرآن نے جن لفظوں اور عبارت کا انتخاب کیا ہے، اس سے ضمنی طور پر ایسے نکات حاصل ہوتے ہیں جن کا چودہ سو سال پہلے ذکر کیا جانا یقیناً قرآن کا علمی اور سائنسی معجزہ ہے۔

الف: ’’آسمان میں چڑھنے‘‘ کے الفاظ پر غور کریں۔ چودہ سو سال پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ ہوائی سفر کریں گے اور انسان خلاؤں میں قدم رکھے گا۔ چودہ سو سال پہلے ’’آسمان میں چڑھنے‘‘ کے الفاظ کو محض استعارہ اور تمثیل سمجھا جاتا ہوگا، مگر آج یہ ایک حقیقت ہے۔ مستقبل میں انسان اور آگے جائے گا۔

ب: ’’بلندوں کی طرف جانے پر سینے کا تنگ ہونا‘‘ یہ دوسری حقیقت ہے جس کا قرآن نے چودہ سو سال پہلے ذکر کیا ہے، جبکہ آج کی معلومات لوگوں کے پاس نہیں تھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم کرہ ہوائی میں سطحِ زمین سے اوپر جائیں تو جیسے جیسے ہم سطحِ زمین سے دور جائیں گے، ہوا پتلی ہوتی جاتی ہے اور اس میں آکسیجن کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص آکسیجن کے ماسک کے بغیر فضا میں چڑھنے لگے تو جوں جوں وہ اوپر جائے گا، اُس کے لئے سانس لینا مشکل ہوتا جائے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا جب آکسیجن اس حد تک کم ہو جائے گی کہ وہ زندہ نہ رہ سکے گا۔

سینہ کھولنا یعنی شرحِ صدر عطا کرنا۔ حق کی قبولیت کی استعداد اور قلبی اطمینان۔ یہ ایک طرح سے مجازی کلام ہے۔ جبکہ آیت کے اگلے حصہ میں سینے کے تنگ کئے جانے کے لئے الفاظ ہیں: گویا اسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔ یعنی اسے حبس اور گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ یہ لغوی معنوں میں ہے۔ یہ قرآن کا عظیم ادبی أسلوب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے دونوں باتیں مجازی مفہوم میں ہوں۔ یعنی اسلام کو قبول کرنا اس کے لئے نہایت مشکل اور ناگواری کا کام ہے کہ گویا اسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو۔

....

The metaphor of climbing into the sky aligns remarkably with what we now understand about altitude and its effects. At high altitudes, oxygen levels decrease, making breathing difficult, leading to tightness in the chest and physical discomfort; a perfect analogy for the spiritual suffocation of disbelief.

This verse, revealed over 1,400 years ago, uses an analogy that resonates with the experiences of climbers or those at high altitudes, demonstrating the Qur'an's profound use of relatable natural phenomena to convey spiritual truths.

....

آیت: 141

....

وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّ غَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّ النَّخۡلَ وَ الزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُہٗ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِہًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِہٍ ؕ کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ اٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ ۫ۖ وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ۙ

اور، وہ (اللہ) وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے، کچھ چھپروں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ چھپروں پر نہیں چڑھائے جاتے۔ اور کھجور اور کھیتی پیدا کی جس سے طرح طرح کی غذائی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ اور زیتون اور انار پیدا کیے، ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی۔ فائدہ اٹھاؤ اُن کے پھلوں سے جب وہ پھل لائیں، اس کی کٹائی کے وقت (ضرورت مندوں کی مدد کے ذریعے) اس کا حق ادا کرو اور اسراف (اللہ کی نعمتوں کو ضائع) نہ کرو، بیشک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

...

For it is He who has brought into being gardens - [both] the cultivated ones and those growing wild - and the date-palm, and fields bearing multiform produce, and the olive tree, and the pomegranate: [all] resembling one another and yet so different! Eat of their fruit when it comes to fruition, and give [unto the poor] their due on harvest day. And do not waste [God's bounties]: verily, He does not love the wasteful! (6:141)

..

اس آیتِ کریمہ میں عالمِ نباتات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانیوں اور اس کی طرح طرح کی نعمتوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے۔

طرح طرح کے باغات کا ذکر ہے۔

معروشات عرش سے بنا ہے، جو یہاں اُن چھپروں اور مچانوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جن پر بیلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ بعض وہ پودے ہوتے ہیں جو بیل کی شکل میں ہوتے ہیں اور اپنے تنوں پر کھڑے نہیں ہو سکتے، ان کو چھپروں، مچانوں اور دوسرے سہاروں پر چڑھایا جاتا ہے۔ ایسے پودوں کے لئے ''معروشات'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ان کی واضح مثال انگور ہے، جبکہ دوسرے وہ پودے ہوتے ہیں جن کے تنے طاقتور ہوتے ہیں، وہ خود سے سیدھے کھڑے ہو سکتے ہیں، انہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے لئے ''غیر معروشات'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

کھجور اور کھیتیاں جو غذائی پیداوار اور نوعیت کے اعتبار سے قسم قسم کی ہوتی ہیں۔

زیتون بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔

انار اور دوسرے پھل بعض پہلوئوں سے ایک جیسے ہوتے ہیں اور بعض پہلوئوں سے مختلف۔

پھلوں سے غذا حاصل کرنا، پیداواری سرگرمیوں کی اہمیت۔

اسراف اور فضول خرچی سے دور رہنا۔

....

آیت: 142

....

وَ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّ فَرۡشًا ؕ کُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۴۲﴾ۙ

اور اُس نے چوپایوں میں بڑے قد کے بھی پیدا کئے اور چھوٹے قد کے بھی۔ تو اللہ نے جو کچھ تمہیں بخشا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

...

And of the cattle reared for work and for the sake of their flesh, eat whatever God has provided for you as sustenance, and follow not Satan's footsteps: behold, he is your open foe! (6:142)

...

کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے ہوئے۔

حمولتہ سے مراد وہ بڑے بڑے جانور ہیں جو سواری اور بوجھ لادنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً گھوڑا، اونٹ، گدھا، خچر، وغیرہ۔ اور ''فرش'' سے چھوٹے چوپائے مراد ہیں جیسے بکریاں، بھیڑیں، وغیرہ۔ ان کا گوشت کھایا جاتا ہے، دودھ پیا جاتا ہے یا ان سے دوسرے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں، مثلاً کھالوں، اون اور بالوں کا حاصل کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے جانوروں کو انسان کا مطیع بنایا ہے جن سے انسان اپنی خدمت حاصل کرتا ہے اور طرح طرح سے فائدے اٹھاتا ہے۔

اس آیت میں جانوروں کے تنوع یعنی ان کے طرح طرح کے ہونے کا حوالہ دے کراللہ تعالیٰ کی قدرت کی کاریگری اور اس کی رحمت کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندراللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شعور پیدا کرے، اور ہر معاملے میں اللہ کے احکامات کی پیروی کرے۔-

***.

سورة الأعراف (سورہ نمبر 7)

آیت: 54
.....
اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۟ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّہَارَ یَطۡلُبُہٗ حَثِیۡثًا ۙ وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ وَ النُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِہٖ ؕ اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَ الۡاَمۡرُ ؕ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۵۴﴾

بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں تخلیق کیا۔ پھر وہی ہے جو کائنات کے تختِ اقتدار پر جلوہ فرما ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپتا ہے جو تیزی سے اس کا تعاقب کرتی ہے۔ اور سورج اور چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ، کائنات تخلیق بھی اسی نے کی ہے اور اس میں نظام بھی اسی کا ہے۔ بڑا ہی با برکت ہے اللہ جو جہانوں کا رب ہے۔
...
Verily, your Sustainer is God, who has created the heavens and the earth in six aeons/ periods of time/stages, and is established on the throne of His almightiness. He covers the day with the night in swift pursuit, with the sun and the moon and the stars subservient to His command: oh, verily, His is all creation and all command. Hallowed is God, the Sustainer of all the worlds! (7:54)

.....
اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بعض کائناتی نشانیوں کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے:

الف: اللہ نے کائنات کو تدریجی طور پر پیدا کیا ہے۔
ب: وہی کائنات کے تختِ اقتدار پر جلوہ فرما ہے۔ کائنات کا اقتدارِ اعلیٰ اسی کے ہاتھ میں ہے۔
پ: اسی نے رات اور دن کا نظام جاری کیا ہے۔
ت: کائنات کا خالق بھی اللہ ہے اور حاکم بھی۔

کائنات کی تخلیق کے ایام
آسمان اور زمین (زمین اور ماورائے زمین کائنات) یعنی کائنات جو کہکشاؤں، ستاروں، سیاروں اور دوسرے اجرامِ سماوی پر مشتمل ہے۔
ایام، یوم کی جمع ہے۔ یوم چوبیس گھنٹے کے دن کو بھی کہتے ہیں، اور یہ رات کے مقابل دن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اصل معنی "عرصہِ وقت" کے ہیں، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ عام زمینی دن رات کا تعلق سورج کے سامنے زمین کی محوری گردش سے ہے، جبکہ تخلیقِ کائنات کے وقت سورج اور زمین کا نظام خود تخلیقی مراحل میں تھا۔ اور بالکل ابتدا میں تو یہ تھے ہی نہیں۔ لہٰذا، آیت کا مفہوم ہو گا کہ کائنات چھ أدوار یا مراحل میں تخلیق کی گئی ہے۔
یہ بات کہ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے چھ ادوار میں تدریجاً تخلیق فرمایا ہے، قرآن پاک میں سات مرتبہ آئی ہے۔ ایک یہ مقام ہے۔
تمام مقامات درج ذیل ہیں:

	سورت کا نام	سورت کا نمبر	آیت نمبر
1	سورہ الاعراف	7	54
2	سورہ یونس	10	3
3	سورہ ھود	11	7
4	سورہ الفرقان	25	59
5	سورہ السجدہ	32	4
6	سورہ ق	50	38
7	سورہ الحدید	57	4

لفظ یوم کی تشریح:
یوم کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
۔ طلوع آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کی مدت کے معنوں میں: اس معنی میں دن رات کے مقابل استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ 69 آیت 7 میں ہے: "وہ (آندھی) ان پر لگا دی گئی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار۔۔۔۔"
یہاں ایام کا لفظ لیال (راتیں) کے مقابل آیا ہے۔ آج ہمیں معلوم ہے کہ عام زمینی دن رات زمین کی محوری گردش (ایگزیئل روٹیشن) سے بنتے ہیں۔ زمین کی اس محوری گردش کے دوران اس کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ سورج سے چھپا ہوا ہوتا ہے وہ رات ہوتی ہے۔
۔ ایک رات دن کی مجموعی مدت کے معنوں میں: ان معنوں میں بھی لفظ یوم یا دن کا استعمال عام ہے۔ یہ دن چوبیس گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ (یاد رہے کہ دن کی چوبیس گھنٹوں اور گھنٹے کی ساٹھ منٹوں میں تقسیم نہایت قدیم سمجھی جاتی ہے اور اس کی ایجاد قدیم کلدانیوں سے منسوب کی جاتی ہے۔ جدید دور میں چوبیس گھنٹے کے دن کا آغار عام طور پر آدھی رات سے کیا جاتا ہے۔
۔ مطلق وقت کے معنوں میں: جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے، عربی زبان میں لفظ یوم کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ وقت کے کسی بھی دورانیہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے چاہے یہ دورانیہ انتہائی قلیل ہو یا طویل۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: لفظ یوم مطلقاً وقت اور زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہےخواہ وہ زمانہ کتنا ہی دراز کیوں نہ ہو" (مفردات)۔ لغت کی دوسری کتابیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ خود قرآن میں یوم اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ فاتحہ میں ہے: یوم الدین (حساب کا دن، روزِ حساب)، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ ایک طویل عرصہ ءِ وقت کے معنوں میں ہے۔ اسی طرح یوم القیامہ میں یوم کا یہی مفہوم ہے۔ عام زمینی دن کے معنے تو ہر گز نہیں ہو سکتے۔ اور بھی کئی مقامات پر لفظ یوم طویل مدتوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیں سورہ المعارج (سورہ 70) آیت 5 ، "ملائکہ اور روح اس کی طرف رجوع کرتے ہیں (یا کریں گے) ایک ایسے یوم میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی (یا ہے)۔
اسی طرح سورہ الحج (سورہ 22) آیت 47 میں ہے: "۔۔۔ اورآپ کے رب کے نذدیک ایک یوم تمہارے حساب کی رُو سے ہزار برس کے مانند ہے۔"

اسی طرح سورہ السجدہ (سورہ 32) آیت 5 میں ہے: "وہ (اللہ) آسمان (عالمِ بالا) سے زمین تک ہر امر کی تدبیر/انتظام فرماتا ہے پھر وہ (امر اپنے نتیجے کے اعتبار سے) اس کی طرف رجوع کرتا ہے ایک ایسے یوم میں جس کی مقدار تمہارے حساب کی رُو سے ہزار برس ہو گی۔
سورہ الرحمان میں ہے: کل یوم ہوا فی شان۔ وہ رب ہر آن نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے یہاں لفظ یوم وقت کے ایک قلیل بلکہ قلیل ترین لمحے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہے کہ یوم بنیادی طور پ مطلق وقت کو کہتے ہیں۔ یعنی زمانہ، مدت، عرصہ، وغیرہ۔ لغت اور تفاسیر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تدریجی تخلیق
چھ ادوار کی تفصیل چاہے کچھ بھی ہو، ایک بات تو واضح طور پر اس سے اخذ کی جا سکتی ہے کہ کائنات کی تخلیق یک لخت نہیں بلکہ تدریجاً ہوئی ہے، یعنی آہستہ آہستہ مختلف مراحل طے کرتی ہوئی۔ اس چیز کو جدید دور میں ارتقاء (اِوولیوشن) کہا جاتا ہے۔ بہرحال اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اختیار فرمایا ہے وہ تدریجی تخلیق کا طریقہ ہے۔ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ قادرِ مطلق ہے، وہ ساری کائنات کو یک لخت پیدا کر سکتا ہے، وہ وقت کا محتاج نہیں، وقت اس کی مجبوری نہیں، پھر اس نے ایک عرصہءِ وقت میں کائنات کی تخلیق کیوں فرمائی۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اُس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے کائنات کے لئے تدریجی تخلیق کے طریقے کو خود منتخب فرمایا ہے۔
تدریجی اور مرحلہ وار تخلیق کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کے بننے کا عمل بہت سے مراحل پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر مرحلہ ہمارے سامنے اس چیز کے بنانے والے کی تخلیقی قدرت کا ایک نیا منظر لاتا ہے۔ کائنات کی تدریجی تخلیق لمحہ بہ لمحہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ربوبیت کے لاتعداد رخوں اور پہلوئوں کو نمایاں کرتی ہے۔ کائنات چونکہ اِوالو ہوتی ہوئی یعنی درجہ بدرجہ فروغ پاتی اور آگے بڑھتی ہوئی حقیقت ہے، اس لیے ہر لمحے وہ ایک نئی کیفیت اور نئے روپ سے گزرتی ہے۔ ہر کیفیت اور ہر روپ اپنے خالق کی تخلیقی قدرت اور خلاقیت کا ایک نئے انداز سے تعارف کراتا ہے۔ یوں خالقِ کائنات کی معرفت کے دلائل لمحوں، دنوں، مہینوں، سالوں، صدیوں اور زمانوں کے تناظر میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

سورہ الرحمن میں ہے: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ
ہر آن وہ ایک نئی شان میں ہے۔ یعنی ہر لمحے کائنات میں اُس کی تخلیقی قدرت اور ربوبیت کی ایک نئی شان سامنے آتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے اس آیت میں یوم کا لفظ وقت کے ایک قلیل دورانیہ کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی آن، لمحہ، وغیرہ۔
علامہ محمد اسد لکھتے ہیں:
The word yawm,commonly translated as"day" … is used in Arabic to denote any period, whether extremely long ("aeon") or extremely short ("moment"): its application to an earthly "day" of twenty-four hours is only one of its many connotations. (Note on 7:54)

تدریجی تخلیق سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کائنات ایک جامد (دوسرے لفظوں میں مکینیکل) کائنات نہیں بلکہ ایک متحرک اور مسلسل نشوونما پاتی ہوئی کائنات ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک "بنی بنائی" کائنات نہیں بلکہ "بنتی ہوئی" کائنات ہے۔ اس کا تخلیقی عمل جاری ہے۔ گویا یہ ایک نامیاتی وجود کی طرح ہے۔

استویٰ عَلی العرش کی تشریح

عرش کے بنیادی معنی کسی بنائی ہوئی چیز میں بلندی کے ہیں (ابن فارس)۔ امام راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ عرش اصل میں ہر چھت والی چیز کو کہتے ہیں (مفردات)۔ بعض اوقات اس کا اطلاق خود چھت پر بھی ہوتا ہے۔ اس سے مراد بادشاہوں کا وہ تخت بھی ہے جس پر وہ دربار میں بیٹھتے اور احکامات جاری کرتے تھے (مثال کے طور پر دیکھئے سورہ النمل آیت 32)۔ اسی سے یہ لفظ حکومت اور اقتدار کے لیے بطورِ کنایہ استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تخت پر بیٹھا، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، یا جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ملک میں بادشاہ کو تخت سے گرا دیا گیا، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس سے حکومت چھین لی گئی ہے۔

اس بنیاد پر جب "عرش" کا لفظ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بولا جائے گا تو اس کا مطلب ہوگا اللہ تعالیٰ کا تختِ اقتدار یعنی اُس کی حکومت، اُس کا غلبہ، اُس کی قدرت، اُس کی طاقت، اُس کا اقتدار، اُس کا اختیار، وغیرہ۔ اور "استویٰ علی العرش" کا مطلب ہوگا وہ تختِ اقتدار پر تمکن کیے ہوئے ہے۔ کل کائنات اس کے اقتدار، حکومت اور غلبہ میں ہے، اُس نے کل کائنات کو اپنے قبضۂ قدرت اور احاطۂ تدبیر میں لیا ہوا ہے۔

کائنات کے خالق، اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کی تخلیق کا آغاز کیا توصفر(زیرو) وقت سے ہی اس کا مکمل کنٹرول اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ خَلق اور امر دونوں اسی کے اختیار میں ہیں۔ خَلق یعنی پیدا کرنا بھی اسی کا اور اَمر یعنی حکم دینا بھی اسی کا۔ نہ کوئی خلق میں اس کا شریک نہ امر میں۔

پس، جب کائنات کی تخلیق شروع ہوئی، اس پر اُس کے خالق کا کنٹرول، غلبہ اور اقتدار ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے کائنات بنائی اور کائنات بننے کے بعد اُس کے تختِ حکومت پر متمکن ہوا، یا کائنات کو پیدا کر کے اس سے علاحدہ ہو گیا۔ کائنات اپنے خالق کی مکمل اور مسلسل نگہبانی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اُسے اپنی تخلیق کے پہلے لمحے سے ہر آن اپنے وجود اور نشوونما کے لیے اپنے خالق کی نگہبانی کی حاجت ہے۔

"ثم" کا عام طور پر ترجمہ پھر کیا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال بہت وسیع ہے۔ یہاں یہ جیسا کہ ظاہر ہے تراخیِ زمان (وقت کی ترتیب، کہ کیا پہلے بنا اور کیا بعد میں ہوا) کے لیے نہیں بلکہ اس حقیقت پر زور دینے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ کائنات کا خالق بھی اللہ ہے اور حاکم اور مدبر (تدبیر اور انتظام کرنے والا) بھی وہی ہے۔ اُس نے اس کائنات کو بنایا ہے اور وہی اس کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے ہے۔

علامہ محمد اسد کا ترجمہ ہے:

"...Who has created the heavens and the earth in six aeons, and is firmly established on the throne of His almightiness."

علامہ عبد اللہ یوسف علی کا ترجمہ ہے:

"...Who has created the heavens and the earth in six days, and is firmly established on the throne (of authority)..."

اور وہ تختِ اقتدار پر جلوہ فرما ہے۔

یوں بھی کہ سکتے ہیں: اور وہ تختِ اقتدار پر تمکّن کیے ہوئے ہے۔

وہ کائنات کا مالک و مختار اور حاکم و فرمانروا ہے۔ کائنات جن فطری قوانین کے تابع ہے وہ سب اللہ ہی کے تخلیق کردہ ہیں۔ کائنات اور اس کا ایک ایک مظہر اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔ وہ ایک اور لاشریک ہے، کائنات کا اکیلا خدا اور اکیلا حاکم۔
اللہ تعالیٰ زمان و مکان، مادہ انرجی، جسم و جسمانیت سے ماوریٰ الماوریٰ ہے، وہ مخلوق کے وہم و گمان، عقل و خرد کے دائرے سے بلند و برتر ہے، اس کے لے کہاں ہے، اور کب کا سوال کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ وقت اور جگہ سے ماوریٰ ہے۔ اور وہ یکتا و یگانہ ہے، وہ کسی مثال، کسی تمثیل، کسی استعارہ، کسی کنایہ کسی تشبیہ سب سے پاک و ماوریٰ ہے وہ سبحان ہے۔
پس، اس کے لئے اٹھنا بیٹھنا یا چڑھنا اترنا اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ جن کا تعلق جسم و جسمانیت سے ہوتا ہے حقیقی اور لغوی معنوں میں استعمال نہیں کئے جا سکتے، ان کے صرف مجازی معنی ہوں گے جو اللہ کے بلند و برتر ذات کے شایانِ شان ہوں۔
.....
رات اور دن کی گردش کا نظام:
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ زمین پر رات اور دن کا نظام قائم ہوا اور رات اور دن ایک کے بعد دوسرے تسلسل کے ساتھ آتے ہیں۔ زمین کی محوری گردش کے دوران اس کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا ہے، وہاں روشنی ہوتی ہے اور وہ دن کہلاتا ہے، اور زمین کے دوسرے حصہ میں اندھیرا ہوتا ہے اور وہ رات کہلاتا ہے۔ رات اور دن اس طرح ایک دوسرے کے آگے پیچھے رواں دواں ہیں کہ اگر ہم دُور خلا سے دیکھیں تو نظر آئے گا کہ رات دن کے پیچھے تیزی سے دوڑ رہی ہے، جہاں پہلے دن ہوتا ہے وہاں رات چھا جاتی ہے اور گویا رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے۔
اس نقطے پر ایک اور زاویہ سے سوچیں۔ رات کا اندھیرا کیا ہے؟ زمین کا سایہ ہے جو ایک عظیم مخروط (کون) کی شکل میں ہوتا ہے۔ اندھیرے کا یہ بہت بڑا مخروط زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے (زمین کی محوری گردش کے باعث) اور زمین کے روشن حصہ کو ڈھانپتا جاتا ہے۔
سورج، چاند، ستارے یعنی چھوٹے بڑے تمام سماوی اجسام اللہ تعالیٰ کے حکم اور قانون کے پابند ہیں۔ اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہیں۔ کوئی اس کے حکم اور قانون سے باہر نہیں۔
خَلق سے مراد ہے پیدا کرنا، وجود میں لانا، اور امر سے مراد ہے حکم دینا، تدبیر کرنا۔ انتظام و انصرام کرنا۔
قرآن کہتا ہے کہ کائنات کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا حاکم اورتدبیر فرمانے والا بھی وہی ہے۔ خلق اور امر کا یکساں مالک و مختار وہی ہے۔

آیات: 57، 58
....
وَ ہُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِہِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ کَذٰلِکَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾
وَ الۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ ۚ وَ الَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا ؕ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّشۡکُرُوۡنَ ﴿۵۸٪﴾

اور(اللہ) وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے بشارت بنا کر بھیجتا ہے، یہاں تک کہ وہ جب بھاری بادل کو اُٹھا لاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اُس سے پانی برساتے ہیں، پھر اس سے ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کریں گے۔ یہ نشانیاں ہم نے اس لئے نمایاں کی ہیں تاکہ تم ان آثار سے آخرت کی یاد دہانی حاصل کرو۔ اور جو زمین اچھی ہوتی ہے، وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے، اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم اپنی نشانیاں مختلف پہلوؤں سے دکھاتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو شکر گزار بننا چاہیں۔

And He it is who sends forth the winds as a glad tiding of His coming grace - so that, when they have brought heavy clouds, We may drive them towards dead land and cause thereby water to descend; and by this means do We cause all manner of fruit to come forth. Even thus shall We cause the dead to come forth: [and this] you ought to keep in mind. (7:57)
As for the good land, its vegetation comes forth [in abundance] by its Sustainer's leave, whereas from the bad it comes forth but poorly. Thus do We give many facets to Our messages for [the benefit of] people who are grateful! (7:58)

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے زمین پر ہواؤں کی گردش کا نظام قائم کیا ہے۔ یہ ہوائیں آبی بخارات سے بھرے ہوئے بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور انہیں قانونِ قدرت کے مطابق کسی خطے کی طرف لے جاتی ہیں جہاں منشائے ربی کے مطابق ان سے بارش (اور برف وغیرہ) برستی ہے۔
بارش جب کسی زمین پر برستی ہے، تو اگرچہ وہ پہلے بے ویران پڑی ہوئی ہو، اس سے طرح طرح کی نباتات اگتی ہیں۔
وہ اللہ جس نے اتنا بڑا نظام قائم کیا ہے، یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے۔
اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی قدرت کی نشانیاں اس لئے بکھیری ہیں تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان حاصل کرے۔

زمین دو قسم کی ہوتی ہے: اچھی اور خراب یعنی زرخیز اور بنجر۔ زرخیز زمین کثرت سے پھلتی پھولتی ہے جب کہ بنجر زمین ناقص اور قلیل پیداوار ہی اُگا سکتی ہے۔ اس کے لغوی معنے تو واضح ہیں، زمینیں اپنی پیداواری صلاحیت کے اعتبار سے زرخیز بھی ہو سکتی ہے اور بنجر بھی۔ لیکن، اس کا مجازی اور استعاراتی مفہوم بھی ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر دل کی زمین۔
****

سورہ یونس (سورہ نمبر 10)

آیت: 3

.....

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِیۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِہٖ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں تخلیق کیا، اور وہی ہے جو(کائنات کے) تختِ اقتدار پر جلوہ فرما ہے۔ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے، اُس کے ہاں اُس کی اجازت کے بغیر کوئی (کسی کی) شفاعت کرنے والا نہیں۔ یہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے، پس اُسی کی عبادت کرو۔ پس، کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟

Verily, your Sustainer is God, who has created the heavens and the earth in six aeons periods of time/stages, and is established on the throne of His almightiness, governing all that exists. There is none that could intercede with Him unless He grants leave therefor. Thus is God, your Sustainer: worship, therefore, Him [alone]: will you not, then, keep this in mind. (10:3)

آیت کے ابتدائی حصہ کی تشریح اوپر(سورہ الأعراف کی تشریح میں) ہو چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

تدبیر کا معنی ہے کسی کام کو اس طرح کرنا کہ وہ بہترین نتائج پیدا کرے۔ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے تمام معاملات کا انتظام اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔اللہ کے تکوینی احکامات کائنات کے ذرے ذرے میں کارفرما ہیں۔ ہر شے کو اس نے وہ صفات دی ہیں جو اس کے مقصدِ حیات کے ساتھ پوری مطابقت میں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تدبیرِ اموریعنی کائنات کے امور کی تدبیر کائنات کے عرشِ اقتدار پر متمکن ہونے کی تفسیر ہے۔

آیات: 5، 6

....

ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّ الۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالۡحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ﴿۶﴾

(اللہ) وہی ہے جس نے سورج کو ضیاء (روشنی کا منبع) اور چاند کو نور(روشن) بنایا اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرائیں تاکہ (نتیجتاً) تم اس سے سالوں کا شمار اور حساب معلوم کرو۔ نہیں پیدا کیا اللہ نے اس (کائنات) کو مگر حق کے ساتھ ۔ وہ (اپنی ہستی اور قدرت کی) نشانیاں واضح فرماتا ہے اُن لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔

بے شک رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آنے، اور جو کچھ بھی اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے جو (اللہ کا) احساس رکھتے ہیں (اس کی قدرت کی) بڑی نشانیاں ہیں۔

10:5 He it is who has made the sun a [source of] radiant light and the moon a light [reflected], and has determined for it phases so that you might know how to compute the years and to measure [time]. None of this has God created without [an inner] truth. Clearly does He spell out these messages unto people of [innate] knowledge, (10:5)
10:6 for, verily, in the alternating of night and day, and in all that God has created in the heavens and on earth there are messages indeed for people who are conscious of Him. (10:6)

قرآن کا معنی و مفہوم ہی نہیں، اس کی عبارت اور لفظوں کا انتخاب بھی ایک معجزہ ہے۔ اس آیت میں سورج کی روشنی کے لئے ''ضیاء'' اور چاند کی روشنی کے لئے ''نور'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
عام استعمال میں دونوں روشنی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن جب یہ ایک دوسرے کے مقابل استعمال ہوتے ہیں تو ضیاء سے مراد وہ روشنی ہوتی ہے جو کسی چیز کی ذاتی ہو اور نور اُس روشنی کو کہتے ہیں جو کسی اور شے سے لی گئی ہو۔ آج ہم جانتے ہیں کہ سورج کی روشنی اس کی اپنی ہے جو اس کے اندر ہونے والے نیو کلیئر تعاملات (نیوکلیئر ری ایکشنز) سے پیدا ہوتی ہے جب کہ چاند کی روشنی اُس کی اپنی نہیں، بلکہ یہ سورج ہی کی روشنی ہے جو چاند کی سطح سے منعکس(رفلیکٹ) ہوتی ہے۔

چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ اپنی اس گردش کے دوران وہ زمینی مشاہدے کے لحاظ سے ''گھٹتا بڑھتا'' رہتا ہے، اس بات پر انحصار کرتے ہوئے کہ اس کا کتنا حصہ سورج کے سامنے آتا ہے۔
زمین کے گرد اس کا ایک چکر ستائیس دن، سات گھنٹے اور تینتالیس منٹوں میں پورا ہوتا ہے، لیکن زمین سے نظر آنے کے لئے اسے مزید ایک یا دو دن لگ جاتے ہیں۔ اس لئے نیا چاند 29 یا 30 دن کے بعد نظر آتا ہے۔
چاند جب اپنے مدار میں گردش کرتا ہے تو وہ زمین سے مشاہدے کے اعتبار سے آسمان کے مختلف مقامات سے گزرتا ہے۔ انہیں چاند کی منزلیں کہا جاتا ہے۔ ہر رات چاند ایک نئی منزل میں ہوتا ہے۔
چاند کے اس گردشی نظام کی مدد سے انسان مہینوں اور سالوں کا حساب کرتا ہے، تاریخ کا ریکارڈ رکھتا ہے اور آئندہ کی پیشگوئیاں کرتا ہے۔ چنانچہ چاند کی گردش زمین کے باسیوں کے لئے ایک قدرتی ''آسمانی گھڑی'' کا کام کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا قدرتی نظام ہے جس سے ہر جگہ کے لوگ، چاہے خواص ہوں یا عوام، یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اٹھاتے چلے آئے ہیں۔

آیت 22

.....

ہُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُکُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ-------- -

-

(اللہ) وہی ہے جو (اے انسانو) تمہیں خشکی اور تری میں سفر کے ذرائع عطا کرتا ہے۔ (تمہیں اس قابل کرتا ہے کہ تم خشکی اور تری میں سفر کر سکو)۔

...

He it is who enables you to travel on land and sea. (10:22)

....

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو یہ تخلیقی صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنے سفر کو با سہولت اور تیز تر کرنے کے لیے طرح طرح کی سواریاں بناتا ہے۔ خشکی پر سفر کے لیے اس نے ٹرینیں اور چھوٹی بڑی گاڑیاں بنائیں، ہوائی سفر کے لیے ہوائی جہاز بنائے۔ ان کی مدد سے انسان لمبی مسافتوں کو نہایت آسانی اور تیز رفتاری کے ساتھ طے کر سکتا ہے۔ اگر یہ تیز رفتار سواریاں نہ ہوں تو انسان سمندروں اور خشکی (صحراؤں، پہاڑوں اور جنگلوں) کی وسعتوں میں کھو کر رہ جائے، اور صرف خشکی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں عمریں صرف ہو جائیں۔

عہد حاضر میں تیز ترین ذرائع حمل و نقل نے دنیا بھر کے انسانوں کو اس طرح جوڑ دیا ہے کہ زمین گویا سکڑ کر ایک چھوٹا سا گاؤں بن گئی ہے۔ علم و فن، صنعت و تجارت اور تہذیب و تمدن کی موجودہ بیشتر ترقیوں کا آمد و رفت کے جدید ذرائع کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو استعمال کر کے انسان نئی نئی چیزیں ایجاد اور دریافت کرتا ہے۔

آیت: 67

...

(10:67)هُوَا الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوا فِیْہِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِی ذٰلِکَ لَأٰیَاتٍ لِقَوْمٍ یَّسْمَعُونَ

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لیے (پر سکون) رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور روشن دن بنایا (تاکہ تم اس میں جدوجہد کرو)۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو(حق کی آواز) سنتے ہیں۔

[whereas] it is He who has made the night for you, so that you might have rest therein, and the day, to make [you] see in this, behold, there are messages indeed for people who [are willing to] listen. (10:67)

رات اور دن کا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کا عظیم مظہر ہے۔ مگر یہ نشانیاں معرفتِ رب کا کام وہی لیتے ہیں جو حق کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ نعمتوں کی قدردانی کے لئے درست مائینڈ سیٹ کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے خود کو ہر طرح کے تعصبات سے اوپر اٹھانا پڑتا ہے۔

آیت: 92

....

فَالۡیَوۡمَ نُنَجِّیۡکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَکَ اٰیَۃً ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾

پس، (اے فرعون!) آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد آنے والوں کے لئے (عبرت کا) نشان ہوسکے۔

مگر، حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں۔

[Nay,] but today We shall save only thy body, so that thou mayest be a [warning] sign unto those who will come after thee: for, behold, a good many people are heedless of Our messages! (10:92)

اس آیت کے الفاظ حیرت انگیز ہیں۔ فرعون کے بدن کو بچائے جانے کی پیشین گوئی ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے نصیحت کا ذریعہ بنے۔ لیکن بہت سے لوگ یہ سب نشان دیکھ کر بھی راہِ راست پر نہیں آتے۔ فرعون جب دریا یا سمندر میں اپنی فوج سمیت ڈوبا تو کہتے ہیں کہ اس کی لاش پانی کی لہروں نے خشکی پر پھینک دی، اس طرح وہ ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آئے عبرت کا نشان بنا۔

یہ بھی ممکن ہے یہاں اس کے بدن کے بچائے جانے کے الفاظ میں اس کی لاش کو ممی کی شکل میں محفوظ کرنے کی طرف اشارہ ہو۔ جدید زمانے کھدائی سے بہت سی حنوط شدہ (ممی بنائی ہوئی) لاشیں ملی ہیں، ان میں سے ایک کے بارے یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ اسی فرعون کی ہے۔ فرعون دنیا میں تکبر اور ظلم کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے، دیکھو کیا عبرت ناک انجام ہوا اس کا۔ یہی حال ہر ظالم اور جابر کا ہے۔ کوئی قدرت کے قانونِ مکافات سے نہیں بچ سکتا چاہے کوئی کتنا ہی طاقتور ہو۔

آیت: 101

....

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(اے رسولِ اکرم) ان سے فرمائیں: غور سے دیکھو! کیا کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں (جس میں اللہ کی ہستی اورقدرت کی نشانیاں ہیں) مگر نشانیاں اور خبردار کرنے والے ان لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو ایمان لانا ہی نہ چاہیں۔

Say: "Consider whatever there is in the heavens and on earth!" But of what avail could all the messages and all the warnings be to people who will not believe? (10:101)

قرآن انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ کائنات اور کائناتی مظاہر پر غور و فکر کریں۔

کائنات اور اس کی ایک ایک چیز، ایک ایک حرکت، ایک ایک تبدیلی اور ایک ایک مظہر اپنے خالق کی ہستی اور قدرت کی گواہی دیتا ہے۔ جو کوئی کائنات کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کرے گا، وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اس کا کوئی خالق، رب اور قیوم ہے۔

مگر یہ نشانیاں اور تنبیہیں انہیں لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں جو اپنے اندر قبولِ حق کے لیے آمادگی پیدا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو جاہلانہ تعصبات پر جمے ہوئے ہوں اور ماننا ہی نہ چاہیں، ان پر ان چیزوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ قبولِ حق کے لیے ذہن کو کھلا رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

---****-

سورہ ھود (سورہ نمبر 11)

آیت: 6

...

وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَ مُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶﴾

اور کوئی جاندار نہیں زمین میں مگر یہ کہ اس کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ جانتا ہے اس کے مُستقر اور مُستودع کو۔ ہر چیز ایک روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

-

And there is no living creature on earth but depends for its sustenance on God; and He knows its time-limit [on earth] and its resting-place [after death]: all [this] is laid down in [His] clear decree. (11:6)

-

دنیا میں جانداروں کی بے شمار انواع اور اقسام پائی جاتی ہیں۔ مختلف انواع میں غذا کی نوعیت کا کم یا زیادہ فرق ہوتا ہے۔ ایک ہی فرد کی عمر کے مختلف حصوں میں بھی غذا کی نوعیت اور مقدار مختلف ہوتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ربوبیت و رزاقیت ہے جس نے تمام جانداروں کی غذا کا ان کی ضرورت کے مطابق انتظام کیا ہے۔

مُستقر اور مُستودع کی تشریح:

مستقر: جائے قرار، جائے قرار، قرار پکڑنے یا رہنے کی جگہ یا وقت یا حالت، وغیرہ۔

مستودع: ودیعت یا سپرد کیئے جانے کی جگہ یا وقت یا حالت، وغیرہ

ان الفاظ کی تشریح کئی طرح سے کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی جاندار کی موجودہ حالت سے اگلی حالت کی طرف منتقلی کی طرف اشارہ ہو۔ زندگی ایک جاری عمل ہے، اس میں بہت سے مراحل آتے ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ یہاں مستقر سے مراد جانداروں کی معاشی جدوجہد کا میدان ہو اور مستودع سے مراد ان کی آرام گاہ ہو۔ حیاتی ارتقاء کے اعتبار سے کسی نوع کی موجودہ شکل حالتِ مستقر ہے اور وہ جس نوع میں آگے ٹرانسفارم ہو گی وہ مستودع ہے۔ اسی طرح، سماجی ارتقاء میں بھی مستقر اور مستودع کے مراحل ہوتے ہیں۔ ایک فرد کی زندگی بھی مختلف أدوار اور مراحل پر مشتمل ہوتی ہے، اس مستقر اور مستودع کا سفر جاری رہتا ہے۔ یہی حال ہر جاندار کا ہے۔

مستقر اور مستودع کی مزید تشریح کے لیے دیکھیئے 6:98۔

-****

سورہ ہود (سورہ نمبر 11)

آیت: 7

....

وَ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ ------ -- - ﴿۷﴾

اور وہ اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں تخلیق کیا، اور (جب زندگی کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو) اس کی قدرت پانی میں کارفرما ہوئی، (یوں بالآخر اُس نے اے انسانو تمہیں پیدا کیا) تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون اچھا ہے۔

....

And He it is who has created the heavens and the earth in six aeons/ periods/stages; and [ever since He has willed to create life,] the throne of His almightiness has rested upon water. [God reminds you of your dependence on Him] in order to test you [and thus to make manifest] which of you is best in conduct…. (11:7)

....

آسمانوں اور زمین کی چھ ادوار میں تخلیق کی تشریح پہلے ہو چکی ہے، اس کے لیے دیکھیے 7:5۔

عرش کے بنیادی معنی کسی بنائی ہوئی چیز میں بلندی کے ہیں (ابن فارس)۔ امام راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ عرش اصل میں ہر چھت والی چیز کو کہتے ہیں (مفردات)۔ بعض اوقات اس کا اطلاق خود چھت پر بھی ہوتا ہے۔ اس سے مراد بادشاہوں کا وہ تخت بھی ہے جس پر وہ دربار میں بیٹھتے اور احکامات جاری کرتے تھے (مثال کے طور پر دیکھئے سورہ النمل آیت 32)۔ اسی سے یہ لفظ حکومت اور اقتدار کے لیے بطورِ کنایہ استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تخت پر بیٹھا، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، یا جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ملک میں بادشاہ کو تخت سے گرا دیا گیا، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس سے حکومت چھین لی گئی ہے۔

اس بنیاد پر جب "عرش" کا لفظ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بولا جائے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا تختِ اقتدار یعنی اُس کی حکومت، اُس کا غلبہ، اُس کی قدرت، اُس کی طاقت، اُس کا اقتدار، اُس کا اختیار، وغیرہ۔ اور "استویٰ علی العرش" کا مطلب ہوگا وہ تختِ اقتدار پر تمکن کیے ہوئے ہے۔ کل کائنات اس کے اقتدار، حکومت اور غلبہ میں ہے، اُس نے کل کائنات کو اپنے قبضۂ قدرت اور احاطۂ تدبیر میں لیا ہوا ہے۔

کان عرشہ علی الماء لفظی ترجمہ: اس کا عرش پانی پر قائم ہوا یا تھا۔ عرش: تختِ حکومت، طاقت، قوت، اقتدار، کنٹرول، کارفرمائی کا استعارہ۔
ایک اور مقام پر قرآن کہتا ہے: "ہم نے ہر زندہ شے پانی سے پیدا فرمائی"۔ چنانچہ، دوسری آیات کی روشنی میں اور اس آیت کے سیاق وسباق کے تناظر میں دیکھنے پر کانَ عرشُہ علی الماء کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ جسے مثال کے طور پر ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں: ''اس کا تخلیقی ارادہ پانی میں کارفرما ہوا اور اس نے پانی سے زندگی کا آغاز کیا''، جس سے بالآخر انسان کا ظہور ہوا۔
آگے انسان کی تخلیق کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے: کہ انسان کی تخلیق اس لیے کی گئی کہ اُس کو آزمایا جائے کہ کون انسان اچھے اعمال سر انجام دیتا ہے۔ انسان کو ارادہ و اختیار کی قوت دی اورحیات و کائنات کی شکل میں ایک دارالعمل میں اسے رکھا جو اس کے لئے بدرجہ ایک امتحان گاہ کے ہے۔

And (when He willed to create life,) His creative power / creative authority operated in water, (bringing life into existence, and ultimately creating you, O humankind), so that He may test you as to which of you is best in deeds...

ماء کا عام معنی تو پانی ہے مگر یہ لفظ اور اسی طرح پانی اور واٹر کا لفظ بعض اوقات اُن چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی طبیعی خصوصیات میں پانی کی طرح ہوں، جیسے بہنے والی اشیاء یا مائعات۔

بعض مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے ''پہلے'' اُس کا عرش یا تخلیقی کارفرمائی پانی پر تھی۔ اگر یہ معنی صحیح ہے تو پانی سے مراد کوئی ایسا سیال مادہ ہو سکتا ہے جس سے کائنات کی تخلیق کی گئی ہو۔ یہ بات یاد رہے کہ اپنی سیالیت کی بنا پر گیسوں کو بھی سیال کہا جاتا ہے۔

لیکن راقم کے خیال میں یہ نظریہ درست نہیں اور یہاں ''ماء" (پانی) کا لفظ اپنے عام معنی میں استعمال ہوا ہے اور ''عرشِ الٰہی کے پانی پر ہونے'' کی تشریح سیاق سباق، آیت کے متن اوراسی طرح کی دوسری آیات کےتناظرمیں بالکل واضح ہے جو ہم نے اوپر بیان کردی ہے۔ یعنی اس کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی قوت کا ظہور پانی میں ہوا جہاں سے اُس نے زندگی کی ابتدا کی۔ زندگی کے ظہور کے لیے پانی میں اس کی قدرت اور تخلیقی قوت کی کارفرمائی ہوئی۔ یہ علامتی اور استعاراتی کلام ہے۔ اس مفہوم کو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے سورہ انبیاء کی آیت 30 سے تقویت ملتی ہے، جس کی مزید تائید سورہ الملک کی آیت نمبر 2 سے ہوتی ہے۔ دونوں آیات کا مطالعہ کیجیے۔

چنانچہ۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پانی سے زندگی کی تخلیق کا تصور قرآن میں موجود ہے، جس کا ایک معنی ہے پانی کے واسطے (میڈیم) میں اور پانی کی شمولیت کے ساتھ غیر جاندار مادی اشیاء سے ایک لمبے ارتقائی عمل کے ذریعے زندگی کی پیدائش، یعنی اولین جاندار کی پیدائش۔
Creation of life in the medium of water.

اسے کیمیائی ارتقاء (کیمیکل ایوولیوشن) کہا جاتا ہے۔ اس میں بے جان مادے سے زندہ مادہ کی تخلیق ہوئی۔ ایک دفعہ جب زندہ مادہ وجود میں آگیا تو اس میں حیاتیاتی ارتقاء (بائیولوجیکل ایوولیوشن) شروع ہوا اور رفتہ رفتہ مزید سے مزید پیچیدہ حیاتی شکلیں (لائف فارمز) نمودار ہوتی گئیں۔ اور، بالآخر، انسان نمودار ہوا۔ فری ول یعنی ارادہ و اختیار رکھنے والا انسان، ایک اخلاقی وجود۔
انسان کے حوالے سے دنیا کی اہم ترین چیز زندگی ہے۔ لہٰذا، اس آیتِ کریمہ میں جہاں آسمانوں اور زمین کی خلقت کی بات کی گئی ہے، وہاں ''پانی میں قدرتِ الٰہی کی کارفرمائی'' کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

انسان کے لئے اللہ کا گرینڈ ڈیزائین
اس آیتِ کریمہ میں قرآن کہتا ہے (اللہ نے تمہاری تخلیق اس لئے کی) تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون اچھا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ گویا دنیا انسان کے لئے ایک امتحان گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔ انسان کو ایک اخلاقی وجود بنایا، اسے سوچنے سمجھنے کی قوت دی، ارادہ و اِختیار کی قوت دی، نیکی بدی کا تصور دیا، انسان کو معاشرتی وجود بنایا، ۔ دنیا کی شکل میں میدانِ کار دیا، ذات یا سیلف کا تکامل منزل قرار دیا۔ اللہ کی منشاء یہ ہے کہ انسان روحانی تکامل کی بلند ترین سطح پر پہنچے۔ وغیرہ۔

ان نکات کی وضاحت ہم مندرجہ ذیل طور پر کر سکتے ہیں:

للہ تعالیٰ کا گرینڈ ڈیزائن انسان کے لیے ایک عظیم الشان حکمت کا مظہر ہے، جس میں اس کی تخلیق کا ایک بلند مقصد رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا کہ انسان کی تخلیق اس لیے کی گئی کہ اسے آزمایا جائے کہ عمل کے لحاظ سے وہ اپنے لئے کون سا مقام چنتا ہے۔ گویا دنیا ایک امتحان گاہ ہے، جہاں انسان کو ایک ایسی صورتِ حال کا سامنا ہے جیسا کہ ایک طالبِ علم کو ایک امتحان گاہ میں ہوتی ہے۔ اللہ نے انسان کو اخلاقی شعور عطا کیا، سوچنے اور سمجھنے کی بے مثال صلاحیت بخشی، اور اسے ارادہ و اختیار کی آزادی سے نوازا تاکہ وہ نیکی اور بدی میں سے کسی ایک کو اپنی آزاد مرضی سے خود چنے۔ مزید برآں، انسان کو معاشرتی وجود بنایا گیا تاکہ وہ معاشرہ کے ایک جزو کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کو پہچانے اور اجتماعی بھلائی میں اپنا حصہ ڈالے۔ دنیا کو ایک وسیع میدانِ کار بنایا گیا، جہاں انسان اپنی صلاحیتوں کو آزمائے اور اپنی شخصیت کو سنوارے۔ انسان کے لیے حقیقی منزل اس کی ذات یا سیلف کا روحانی ارتقاء ہے، جو اسے کمالِ انسانیت کے بلند ترین مقام تک پہنچاتا ہے۔ یہ نظامِ کائنات اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا ایک ایسا شاہکار ہے، جو انسان کی فطرت کے ہر پہلو کو آزمائش اور ارتقاء کے لیے موزوں ترین ماحول اور حالات فراہم کرتا ہے۔

****۔

سورہ الرعد، سورہ نمبر 13

آیات:2-4

....

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲﴾

وَ ہُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡہٰرًا ؕ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡہَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّہَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

وَ فِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَہَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ایسے سہاروں کے جو تمہیں نظر آئیں، اور وہی ہے جو(کائنات کے) تختِ اقتدار پر تمکّن کئے ہوئے ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کومسخر(اپنے قوانین کا پابند) کیا، ہر ایک رواں دواں ہے ایک وقت معین تک۔ وہی ہر کام کی تدبیر(انتظام) کرتا ہے۔ وہ اپنی یہ نشانیاں (تمہارے لئے) کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم (ان نشانیوں کے ذریعے) اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔

اور وہی ہے جس نے زمین کو (انسانوں اور دوسری مخلوق کے رہنے کے لئے) پھیلایا، اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے درختوں کے جوڑے پیدا کئے۔ وہی رات کو دن پر ڈھانپتا ہے۔ بے شک ان چیزوں کے اندر اُن لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں جو غور و فکر کریں۔

اور زمین میں قطعات ہیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ اور انگوروں کے باغات ہیں، اور کھیتیاں ہیں، اور کھجوروں کے درخت ہیں بعض ایسے جو گروہوں کی شکل میں ایک ہی جڑ سے پھوٹتے ہیں اور بعض ایسے جو اکیلے اکیلے اگتے ہیں۔ سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، لیکن ہم غذائی پیداوار میں بعض درختوں کو بعض پر برتری دیتے ہیں۔

بے شک اس کے اندر (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

It is God who has raised the heavens without any supports that you could see, and is established on the throne of His almightiness; and He [it is who] has made the sun and the moon subservient [to His laws], each running its course for a term set [by Him]. He governs all that exists. Clearly does He spell out these messages, so that you might be certain in your innermost that you are destined to meet your Sustainer [on Judgment Day]. (13:2)

And it is He who has spread the earth wide and placed on it firm mountains and running waters, and created thereon two sexes of every [kind of] plant; [and it is He who] causes the night to cover the day. Verily, in all this there are messages indeed for people who think. (13:3)

And there are on the earth [many] tracts of land close by one another [and yet widely differing from one another]; and [there are on it] vineyards, and fields of grain, and date-palms growing in clusters from one root or standing

alone, [all] watered with the same water: and yet, some of them have We favoured above others by way of the food [which they provide for man and beast]. Verily, in all this, there are messages indeed for people who use their reason. (13:4)

ان آیات میں اللہ کی قدرت اور خلاقیت کی بہت سی نشانیاں پیش کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر آسمانوں (سماوی اجرام) کا نظر نہ آنے والے سہاروں کے ذریعے بلند کیا جانا۔

سورج اور چاند کا مسخّر ہونا۔

سورج اور چاند اور دوسرے اجرامِ سماوی کا وقتِ معین تک اپنے راستوں پر رواں دواں ہونا۔

زمین کا ہموار و کشادہ کیا جانا۔

زمین میں پہاڑوں اور دریاوں کا پیدا کیا جانا۔

طرح طرح کے پھلوں کا پیدا کیا جانا، پھل دار پودوں میں نر اور مادہ کا وجود۔

رات اور دن کا نظام۔

زمین میں قطعات کا ہونا۔

انگوروں کے باغات۔

طرح طرح کی کھیتیاں۔

کھجوروں کے درخت۔

تمام نباتات کا ایک ہی پانی سے سیراب کیا جانا، مگر غذائی پیداوار میں مختلف ہونا۔

نظر نہ آنے والے سہارے

کائنات بہت وسیع ہے، اس میں انگنت کہکشائیں ہیں، ہر کہکشاں میں ان گنت ستارے اور دوسرے سماوی اجسام ہیں۔ یہ کائنات اتنی وسیع ہے کہ اس میں فاصلوں کے تعین کے لیے وضع کی گئی نوری سال کی اکائی بھی بہت چھوٹی پڑ جاتی ہے

اتنے بے شمار سماوی اجرام وسیع کائناتی خلا (کاسمک سپیس) میں اپنے اپنے مداروں میں رواں دواں ہیں، مگر "گرتے" نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے سہاروں پر تھاما ہوا ہے جو نظر نہیں آتے۔ یہ سہارے کون سے ہیں؟ یہ جذب اور دفع کی قوتوں کا وہ توازن ہے جو تمام اجرامِ سماوی کو اپنے مدار پر رواں دواں رکھتا ہے۔

قوتِ تجاذب

کائنات کی تمام مادی اشیاء ایک خاص قوت سے ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں۔ اس قوت کو قوتِ تجاذب (گریویٹیشنل فورس) کہا جاتا ہے۔

تمام ستارے، سیارے اور دیگر سماوی اجسام قوتِ تجاذب سے ایک دوسرے کو کشش کرتے ہیں۔

تمام اجرامِ سماوی تیز رفتاری کے ساتھ مخصوص مداروں پر حرکت کر رہے ہیں۔ یہ حرکت انہیں ایک دوسرے سے دور رکھتی ہے اور انہیں ایک دوسرے میں گرنے سے روکتی ہے۔

تجاذبی قوت اجرامِ سماوی کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہے، اسے مرکز مائل قوت (سینٹری پیٹل فورس) کہا جا تا ہے۔

جبکہ اس کی مخالف قوت کو مرکز گریز قوت (سینٹری فیوگل فورس) کہا جاتا ہے۔

ان دونوں قوتوں کی مقدار برابر ہوتی ہے، جس کے باعث تمام اجسام اپنے اپنے راستوں پر رہتے ہوئے حرکت کرتے ہیں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ تجاذبی قوت اسے سورج کی طرف کھینچ رہی ہے۔ اگر زمین رک جائے تو سیدھی سورج میں جا کر گر جائے گی، مگر چونکہ وہ

تیز رفتاری سے حرکت کر رہی ہے، اس وجہ سے مرکز گریز قوت پیدا ہوتی ہے جو زمین کو سورج میں گرنے سے روکتی ہے۔ چونکہ جذب اور دفع کی یہ دونوں قوتیں مقدار میں برابر ہوتی ہیں، لہٰذا زمین اپنے مدار پر رہتے ہوئے گردش کرتی رہتی ہے۔ اگر تجاذبی قوت مرکز گریز قوت سے زیادہ ہو جائے تو زمین سورج میں جا گرے گی، مگر اگر اس کے برعکس ہو جائے تو زمین اپنے مدار کو چھوڑ کر سورج سے دور کسی سمت میں نکل جائے گی۔

کائنات کا اقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے
عرش پر متمکن ہونے کی تشریح کے لیے دیکھیں سورہ الاعراف 7:54 ۔
عرش اقتدار، فرمانروائی اور حکومت کا استعارہ ہے۔ کائنات کی فرمانروائی اور کنٹرول اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ کائنات اور کائنات کا ہر ہر مظہر اس کے تکوینی قانون اور حکم کے تابع ہے۔

کائنات کی ہر شے اللہ کے قانونِ فطرت کی پابند ہے
سَخَر کا معنی ہے کسی چیز کو جبراً کسی مخصوص غرض کی طرف لے جانا (مفردات)۔ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے قانون اور حکم کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانونِ فطرت ہے جو انہیں جکڑ کر رکھے ہوئے ہے۔ یہ اپنے معین مداروں پر چل رہے ہیں۔ دونوں سے انسان کی خدمت کا کام لیا جا رہا ہے۔ سورج روشنی اور توانائی کا منبع ہے۔ چاندنی سے جگمگاتا ہے۔ مگر یہ نظام ایک مقررہ وقت تک ہی ہوگا، ایک وقت آئے گا جب یہ کائنات اختتام کو پہنچ جائے گی۔

اللہ کائنات کے أمور کا انتظام کرنے والا ہے
کائنات کے تمام امور کی تدبیر وہی کر رہا ہے۔ تمام أمور کا نظام اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔
کائنات میں اللہ ہی کے قوانین کی کارفرمائی ہے۔ ہر حرکت، ہر تبدیلی اور ہر مظہر ان قونین کے تابع ہے جنہیں اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کائنات میں رکھا ہے۔ یہ کائنات مسلسل بدلتی ہوئی اور مسلسل آگے بڑھتی اور ارتقاء پاتی ہوئی کائنات ہے۔ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سطح سے لے کر بڑی سے بڑی سطح تک تمام امور کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کر رہا ہے۔ ادنیٰ ترین ذرے سے لے کر بڑی سے بڑی کہکشاں تک۔

زمین کا کشادہ کیا جانا
یہاں "مَدَّ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے پھیلانا، کشادہ کرنا، ہموار کرنا۔ وغیرہ۔ یعنی زمین کو ایسا بنایا کہ اس پر انسان اور دوسرے جاندار زندگی بسر کر سکیں اور اپنی تخلیق کے مقصد کو حاصل کر سکیں۔

زمین کو پھیلانے اور ہموار کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ زمین چپٹی ہے۔ جس طرح زمین پر بلند و بالا پہاڑوں کی موجودگی اس کے گول ہونے کے خلاف نہیں ہے، بالکل اسی طرح اس کی سطح کا ہموار ہونا بھی اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہے۔
یہاں پھیلانے سے مراد اس کی سطح کا ایسا بنایا جانا ہے کہ اس پر جاندار زندہ رہ سکیں، رہنے بسنے کے لئے سازگار ہو۔ نہ تو ساری زمین بلند و بالا پہاڑوں اور دروں پر مشتمل ہے اور نہ ہی چپٹے میدانوں پر، بلکہ اس میں پہاڑ بھی ہیں اور میدان بھی، جنگلات بھی ہیں اور صحرا بھی، خشکی بھی ہے اور سمندر بھی۔

پہاڑوں میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں

زمین کے ہموار کئے جانے اور پھیلائے جانے کا بیان کرنے کے فوراً بعد پہاڑوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ہموار کرنے کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ میں آ جاتا ہے۔

پہاڑوں کے وجود میں بہت سی حکمتیں اور مقاصد ہیں۔ یہاں پہاڑوں اور دریاوں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہاڑوں اور دریاوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمی ہوئی برف پگھل کر دریاوں کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اس طرح انسانوں اور دوسرے جانداروں کو میٹھا پانی حاصل ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ارض کا لفظ نہ صرف سیارہ زمین کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے بلکہ روئے زمین، لینڈ وغیرہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ متن سے یہ بات وضح ہو جاتی ہے۔

نر اور مادہ کا وجود

یہاں "زوجین اثنین" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یعنی "دو ارکان پر مشتمل جوڑے"۔ یعنی نر اور مادہ۔ اسی اعتبار سے یہاں پھلوں سے مراد درخت ہوں گے اور آیت کا مفہوم ہوگا کہ ہر قسم کے درختوں میں نر اور مادہ پیدا کئے گئے۔ جوڑے جوڑے ہونے کا مطلب قسم قسم کا ہونا بھی ہو سکتا ہے، جیسے میٹھا، کھٹا، شیریں، ترش، وغیرہ۔ جدید زمانے میں سائنسی تحقیق نے پھلوں کی قسموں میں بہت اضافہ کردیا ہے۔ مثلاً سنترہ اور مالٹا کی بہت ورائیٹیز مارکیٹ میں آ چکی ہیں۔

پہلے مفہوم کے مطابق یہ آیت عالمِ نباتات میں نر اور مادہ کے وجود کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں اگرچہ انفرادی طور پر بعض درختوں مثلاً کھجور میں نر اور مادہ کی موجودگی کا علم تھا، لیکن یہ بات ایک کلی حقیقت کے طور پر معلوم نہ تھی۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے سائنسی سطح پر اس حقیقت کی دریافت سے بہت پہلے اس بات کا ایک کلیہ کے طور پر انکشاف کیا۔

پودوں میں تولیدی اعضاء پھولوں میں پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر نر اور مادہ اعضاء ایک ہی پھول میں واقع ہوتے ہیں، مثلاً کپاس۔

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک درخت پر دو قسم کے پھول لگتے ہیں، ایک قسم کے پھولوں میں نر اعضاء ہوتے ہیں اور دوسری قسم کے پھولوں میں مادہ اعضاء۔ مثلاً کھیرے اور کدو کے خاندان (ککربیٹیسی فیملی) کے اکثر پودوں میں نر اور مادہ پھول الگ الگ ہوتے ہیں۔

بعض صورتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ نر اور مادہ درخت ہی الگ الگ ہوتے ہیں، مثلاً کھجور میں نر اور مادہ پودے الگ الگ ہوتے ہیں۔

نر اور مادہ تولیدی مادے کے ملاپ یا باروری (فرٹی لائزیشن) کے عمل سے پھل پیدا ہوتا ہے۔

زمین میں قطعات

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ: " قِطَعٌ" " قِطْعَۃٌ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے ٹکڑا۔ "مُّتَجٰوِرٰتٌ" "جِوَارٌ" (ہمسائیگی) سے باب تفاعل کا اسم فاعل ہے،معنی ہوگا پاس پاس، ساتھ ساتھ، قریب قریب، متصل وغیرہ، یعنی یہ سب قطعے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔

ایک مفہوم تو بڑا واضح ہے کہ زمین کی سطح تمام کی تمام ایک سی نہیں ہے بلکہ اس میں قسم قسم کے قطعات (ٹکڑے، خطے اور علاقے) ہیں جو ایک دوسرے کے قریب قریب یا ساتھ ساتھ موجود ہونے کے باوجود کسی نہ کسی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً کہیں چکنی مٹی ہے تو کہیں ریت ہے۔ کوئی زرخیز ہے تو کوئی بنجر اور شور زدہ ہے۔ کوئی پھلوں کے باغات کے لئے

مفید ہے تو کوئی اناج کے لئے وغیرہ۔ انسان اور دیگر جانداروں کی ضروریات بہت زیادہ ہیں اور ان میں بہت تنوع اور بوقلمونی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ مختلف قطعات مختلف ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔
جدید تحقیقات کی بنیاد پر ہم قطعاتِ ارضی کا ایک اور مفہوم بھی بیان کر سکتے ہیں۔ آیت کے الفاظ ظاہری طور پر اس کی تأیید کرتے نظر آتے ہیں۔ کرۂ زمین اوپر تلے
مختلف تہوں یا پرتوں (لیئرز) پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کی سب سے اوپر کی تہہ حجری کرہ یا لیتھوسفیئر کہلاتی ہے۔
لیتھوسفیئر درجن کے لگ بھگ بڑے بڑے قطعات پر مشتمل ہے جنہیں تختے، سلیٹیں یا پلیٹیں کہا جاتا ہے۔ ان پلیٹوں کی بنیاد پر زمین پر ہونے والے تغیرات کی تشریح کے لئے ایک نظریہ تشکیل دیا گیا ہے جسے (پلیٹ ٹیکٹونِکس یا پلیٹوں کی حرکت کا نظریہ) کہا جاتا ہے۔
زمین میں قطعات کا ہونا (یعنی زمین کے حصوں کا ایک دوسرے کے قریب ہونا)، دریاوں کا ہونا اور انگوروں کے باغات وغیرہ کا ہونا یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ان کے ذریعے انسانوں کے لئے رزق کا حصول اور زمین میں بسنے کے امکانات پیدا کئے گئے ہیں۔

زمین کی مختلف قسموں کی پیداوار کا ذکر ہے:
انگور، طرح طرح کی کھیتیاں (زرعی اجناس)، اور کھجور وغیرہ۔
صِنوان اور غیر صِنوان: صنوان صنو کی جمع ہے۔ اگر ایک ہی جڑ سے متعدد تنے پھوٹیں تو ایسے درختوں کو صنوان کہا جاتا ہے۔ چنانچہ، غیر صنوان وہ درخت ہیں جو الگ الگ جڑوں سے پیدا ہوں، یعنی ایک جڑ سے ایک درخت بنے۔

Sinwan: Date-palms growing in clusters from one root; Ghair sinwan: standing alone, one tree from one root.

سب درخت ایک جیسے نہیں ہوتے
"ہم غذائی پیداوار میں بعض درختوں کو بعض پر برتری دیتے ہیں" میں غذائی نوعیت اور کیفیت (کوالیٹی) کے فرق اور رنگا رنگی کی طرف اشارہ ہے۔

قرآنِ مجید عقل و فکر کو جو اہمیت دیتا ہے اور انسانوں میں ان کو کام میں لانے کا جو احساس پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ ان آیات سے پوری طرح واضح ہے۔
-***

آیت: 8
اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَ مَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَ مَا تَزۡدَادُ ؕ وَ کُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿۸﴾

-

کوئی مادہ اپنے رحم میں کیا اٹھائے ہوئے ہے اور (مائوں کے) رحم (حمل کے دورانیہ میں) کیا کم کرتے ہیں اور کیا زیادہ، اللہ سب جانتا ہے۔ اور یہ کہ اس کے نزدیک ہر شے کا ایک نظام ہے۔

--

God knows what any female bears [in her womb], and by how much the wombs may fall short [in gestation], and by how much they may increase

[the average period]: for with Him everything is [created] in accordance with its scope and purpose. (13:8)

الله کا علم علمِ محیطِ کل ہے۔
"تَغِيْضُ" "غَاضَ يَغِيْضُ" سے ہے۔ لازم اور متعدی دونوں معنوں میں آتا ہے، یعنی کم ہونا، کم کرنا۔
"تَزْدَادُ" باب افتعال "زَادَ يَزِيْدُ" سے ہے، معنی ہے زیادہ ہونا اور زیادہ کرنا۔
آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حمل قرار پانے سے لے کر بچہ پیدا ہونے تک کے تمام مراحل کا علم الله تعالیٰ کو ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ جانتا ہے کسی ماں کے رحم میں بچہ ہے یا بچی، نیک یا بد، جسمانی صحت کے لحاظ سے کیسا ہے، کیسا ہو گا، اور وہ اخلاقی و روحانی اوصاف کے اعتبار سے کیسا ہو گا۔

الله نے ہر شے کا ایک نظام اور قانون مقرر کیا ہوا ہے، جس کے مطابق واقعات ظہور پزیر ہوتے ہیں۔ یہ قوانینِ فطرت ہیں جو کائنات میں مضمر ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ الله کے تکوینی قوانین ہیں، جو شے کی بناوٹ، ساخت اور خِلقت کے اندر ودیعت ہیں۔

یاد رہے کہ جو علم ہم أسباب و آلات اور ذرائع سے حاصل کرتے ہیں وہ بھی اصل میں الله تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ یہ آیت اس کی نفی نہیں کرتی۔

آیات: 12، 13

ہُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنۡشِیُٔ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿ۚ۱۲﴾
وَ یُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِہٖ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مِنۡ خِیۡفَتِہٖ ۚ وَ یُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیۡبُ بِہَا مَنۡ یَّشَآءُ وَ ہُمۡ یُجَادِلُوۡنَ فِی اللّٰہِ ۚ وَ ہُوَ شَدِیۡدُ الۡمِحَالِ ﴿ؕ۱۳﴾

-

(الله) وہی ہے جوتمہیں (فضائے آسمانی میں) بجلی دکھاتا ہے جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی، اور وہی ہے جو بھاری بادلوں کو ہوا کے دوش پر اٹھاتا ہے۔
اور بجلی کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے، اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہی کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے اور انہیں جن پر چاہتا ہے گراتا ہے، اور (ان سب شہادتوں کے باوجود) وہ (منکرینِ حق) الله (کی ہستی، وحدانیت اور قدرت) کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ جبکہ (اس کی شان یہ ہے کہ) وہ زبردست قوت والا ہے۔

--

He it is who displays before you the lightning, to give rise to [both] fear and hope, and calls heavy clouds into being, (13:12)
and the thunder extols His limitless glory and praises Him, and [so do] the angels, in awe of Him; and He [it is who] lets loose the thunderbolts and strikes with them whom He wills. And yet, they stubbornly argue about God, notwithstanding [all evidence] that He alone has the power to contrive whatever His unfathomable wisdom wills. (13:13)

--

(اللہ) وہی ہے جس کے تکوینی حکم سے بارش کے موقع پرفضائے آسمانی میں بجلی پیدا ہوتی ہے جسے دیکھتے ہو، وہ تمہارے اندر خوف بھی پیدا کرتی ہے (کہ کہیں تم پر گر نہ جائے) اور امید بھی (کہ رحمت کی بارش ہو گی)، اور اسی اللہ کا قانونِ فطرت ہے جس کے تحت ہوائیں بھاری بادلوں کو (اوپر بلندی پر) اٹھاتی اور ایک مقام سے دوسرے کی طرف لے جاتی ہیں۔
اور (آسمانی) بجلی کی گرج بھی اسی کے قوانین کی مکمل پابندی کرتی ہے، وہ زبانِ حال سے اللہ کی حمد و تسبیح کرتی ہے۔ کائنات کے تمام أسباب و علل بھی اس کے قانون کے پابند ہیں۔
اور کڑکتی بجلیاں بھی اسی کے تکوینی حکم سے پیدا ہوتی اور گرتی ہیں۔ کوئی چیز اللہ کے قانونِ فطرت سے باہر نہیں۔
ان سب شہادتوں کے باوجود منکرینِ حق اللہ (کی ہستی، وحدانیت اور قدرت) کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ جبکہ (اس کی شان یہ ہے کہ) وہ زبردست قوت والا ہے۔
...
اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کے مطابق بادلوں میں بجلی کوندتی ہے۔ لوگ جان کی ہلاکت کے خوف سے اس سے ڈرتے ہیں لیکن انہیں اس بات کی خوشی بھی ہوتی ہے کہ بارش ہوگی تو ان کی زمینیں سیراب ہوں گی۔
یہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ فطرت ہے کہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں، مثلاً سمندروں سے خشکی کی طرف۔
یہ امر غور طلب ہے کہ قرآن ''السحاب الثقال'' (بھاری بادل) کے الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ دورِ جدید میں بھی یہ بات ایک سائنسی حقیقت کے طور پر معلوم ہے کہ بڑے اور گھنے بادلوں میں ہزاروں لاکھوں ٹن پانی آبی بخارات کی شکل میں ہوتا ہے۔
بادلوں میں بجلیوں کا کڑکنا اور کسی مقام پر گرنا ان تکوینی قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اللہ خالقِ کائنات نے اپنے ارادہ اور مشیت سے کائنات میں پیدا کئے ہیں، ان کو ہم قوانینِ فطرت کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ بات ایک عام کلیہ کے طور پر سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کے اسلوبِ بیان میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کام اللہ نے کیا ہے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام اللہ کے ودیعت کردہ قانونِ فطرت کے مطابق ہوا ہے۔
صواعق، صاعقہ کی جمع ہے۔ زمین پر گرنے والی بجلی کو عربی میں صاعقہ کہا جاتا ہے۔
رعد - الرَّعْدُ صوت السّحاب، بادل کی گرج۔
-
ان آیات کا تفسیری ترجمہ:
(اللہ) وہی ہے جس کے تکوینی حکم سے بارش کے موقع پر فضا میں بادلوں کے اندر بجلی پیدا ہوتی ہے جسے تم خوف اور امید دونوں سے دیکھتے ہو۔ وہی ہے جس کا تکوینی حکم بھاری بادلوں کو ہوا کے دوش پر اٹھاتا اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جاتا ہے۔
اور بجلی کی گرج اسی کے تکوینی قوانین کے مطابق پیدا ہوتی اور اپنا کام کرتی ہے جو زبانِ حال سے اللہ کی گوناگون صفاتِ جمال و کمال و جلال کا اظہارکرتی ہے، اورکائنات کی قوتیں بھی اس کے قوانین کی مکمل فرمانبرداری کرتے ہوئے زبانِ حال سے اس کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور وہی ہے جس کے تقوینی قوانین کے مطابق کڑکتی بجلیاں پیدا ہوتی اور گرتی ہیں، ان کا ظاہر ہونا اور کہیں گرنا سب اللہ ہی کے تقوینی قانون سے ہوتا ہے۔ مگر منکرینِ حق کا حال یہ ہے کہ وہ ان سب شہادتوں کے باوجود اللہ کی ہستی، وحدانیت اور قدرت کے بارے میں جھگڑا کرتے اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ جبکہ (اس کی شان یہ ہے کہ) وہ زبردست قوت والا ہے۔
(اپنی عظیم حکمت کے تقاضوں کے مطابق کائنات کے أمور کی تدبیر فرماتا ہے)۔

آیت:17

.....

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِہَا فَاحۡتَمَلَ السَّیۡلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَ مِمَّا یُوۡقِدُوۡنَ عَلَیۡہِ فِی النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡیَۃٍ
اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُہٗ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡحَقَّ وَ الۡبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡہَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی
الۡاَرۡضِ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ ﴿۱۷﴾

اُس نے بلندی/بادل سے (بارش وغیرہ کی شکل میں)پانی نازل کیا، پس وادیاں اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں، پھر سیلاب کی رو نے اُبھرتے جھاگ کو اُٹھا لیا اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں کے اندر سے بھی اُبھرتا ہے جن کو (لوگ) زیور یا اسی قسم کی کوئی اور چیز بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں۔ اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔
پس جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ اس طرح اللہ (لوگوں کی ہدایت کے لئے) مثالیں بیان کرتا ہے۔

--

[Whenever] He sends down water from the sky, and [once-dry] river-beds are running high according to their measure, the stream carries scum on its surface; and, likewise, from that [metal] which they smelt in the fire in order to make ornaments or utensils, [there rises] scum. In this way does God set forth the parable of truth and falsehood: for, as far as the scum is concerned, it passes away as [does all] dross; but that which is of benefit to man abides on earth. In this way does God set forth the parable. (13:17)

..

جب بارش کا پانی وادیوں اور ندی نالوں میں بہتا ہے تو جھاگ، یعنی گھاس پھونس، کوڑا کرکٹ وغیرہ ابھر کر پانی کی سطح پر آ جاتا ہے اور سطح پر تیرنے لگتا ہے۔
یہاں، بطورِ مثال، دھات کاری (میٹالرجی) کی ایک قسم کی طرف بھی انسانی ذہن کو متوجہ کیا گیا ہے۔ اسے حرارتی دھات کاری یا پائرومیٹالرجی کہا جاتا ہے۔
جب کسی دھات (میٹل) کی کچ دھات (اور) کو کچھ دوسرے اجزاء شامل کر کے بلند درجہ حرارت پر گرم کیا جاتا ہے تو دھات کے لیے مطلوب حصہ نیچے چلا جاتا ہے اور غیر مطلوب حصہ جھاگ کی شکل میں سطح پر آ جاتا ہے، اسے سلیگ کہتے ہیں۔ اس کو اوپر سے نتھار کر علاحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اس نکتے کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے کسی کتاب میں تانبے کی دھات کاری کا مطالعہ کیجئے۔
یہاں قرآن نے اُن اُصولوں میں سے ایک اہم اصول کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا۔ وہ اُصول کیا ہے؟
جو چیز(اللہ کی مخلوق کے لئے) نفع بخش ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور بے مصرف چیز رائیگاں چلی جاتی ہے۔
قوموں کے عروج و زوال کا بھی یہی معیار ہے۔ جب تک کوئی قوم افادیت، نفع رسانی اور فیض بخشی کا مظاہرہ کرتی ہے وہ عروج اور کمال کے مقام پر قائم رہتی ہے۔ لیکن جب وہ ان صفات سے

خود کو محروم کر دیتی ہے تو زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ایک قانونِ عام ہے، اس میں کسی قوم کا لحاظ نہیں، یہ بے لاگ ہے۔
یہ قانون پوری کائنات میں کارفرما ہے: مادی کائنات میں بھی، پودوں کی دنیا میں بھی، اور عالمِ حیوانات میں بھی۔ اور اس کے علاوہ انسان کے اخلاقی اور سماجی میدان میں بھی۔
اللہ تعالیٰ نے کائنات کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ مثبت ہے۔ نفع بخشی پر مبنی کام کائنات کی فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں، اس لئے ان کو بقا ہے۔ اگر کوئی چیز بے مصرف ہے یا نقصان دہ ہے فطرت اسے قبول نہیں کرتی۔ وہ جلد یا بدیر رائیگاں چلی جاتی ہے۔
اس آیتِ کریمہ سے حق اور باطل کی قرآنی تعریف بھی سامنے آتی ہے۔ جو چیز اللہ کی مخلوق کے لئے نفع بخش ہے وہ حق ہے اور جو نقصان دہ ہے وہ باطل ہے۔ اور یہ کہ حق کو دوام ہے اور باطل کو فنا۔
۔****

سورۃ ابراہیم (سورہ نمبر 14)

آیات: 34-32

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ ﴿۳۲﴾
وَ سَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ﴿ۚ۳۳﴾
وَ اٰتٰىکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ ﴿٪۳۴﴾

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور اس نے بلندی/بادل سے پانی اتارا اور اس سے مختلف قسم کے پھل تمہارے رزق کے لیے پیدا کیے۔
اور اس نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ وہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلے، اور اس نے دریاؤں کو بھی تمہارے لیے مسخر کر دیا، اور سورج اور چاند کو بھی تمہارے لیے مسخر کر دیا جو مسلسل رواں ہیں۔ اور رات اور دن کو بھی تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا کی جس کے تم طالب تھے، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو ان کو شمار نہ کر پاؤ گے۔ بے شک انسان بہت زیادتی کرنے والا، از حد ناشکرا ہے۔

[And remember that] it is God who has created the heavens and the earth, and who sends down water from the sky and thereby brings forth [all manner] of fruits for your sustenance; and who has made ships subservient to. you, so that they may sail through the sea at His behest; and has made the rivers subservient [to His laws, so that they be of use] to you, (14:32) and has made the sun and the moon, both of them constant upon their courses, subservient [to His laws, so that they be of use] to you; and has

made the night and the day subservient [to His laws, so that they be of use] to you. (14:33)
And [always] does He give you something out of what you may be asking of Him; and should you try to count God's blessings, you could never compute them. [And yet,] behold, man is indeed most persistent in wrongdoing, stubbornly ingrate. (14:34)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی گونا گوں نعمتوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے جو اس نے کائناتِ ارضی و سماوی میں انسان کے لیے مہیا کی ہیں۔ مثلاً

الف: آسمانوں اور زمین (یعنی کائنات) کی تخلیق۔
ب: بارش کے نظام کے ذریعے میٹھے پانی کی فراہمی۔
پ: نباتات کا اُگنا اور ان سے انسانوں کو رزق کی فراہمی۔
ت: کشتی کا پانی میں چلنا (آبی ذرائع حمل و نقل)
ٹ: سمندروں کی نعمت
ث: دریاؤں کی نعمت
ج: سورج کا انسان کی خدمت میں لگا ہونا۔
چ: چاند کا انسان کی خدمت میں لگا ہونا۔
ح: رات اور دن کا انسان کی خدمت میں لگا ہونا۔

چار مرتبہ سخرَ لَکم فرمایا گیا
ان آیات میں چار مرتبہ "سخر لکم" (تمہارے لیے مسخر کر دیا) کے الفاظ دوہرائے گئے ہیں۔ گویا انسان کو یہ شعور دیا جا رہا ہے کہ کائنات کی کتنی اشیاء ہیں جو اس کی بقا اور نشو و نما کی ضروریات کو پورا کرنے میں مصروف ہیں۔
انسان کے لیے تسخیر کے معنی
مسخر کرنے کے معنی ہیں کسی کو مجبور کر کے کسی کام پر لگانا، کسی کو کسی خاص مقصد کی طرف زبردستی لے جانا، قابو کرنا، اختیار میں دینا، وغیرہ۔
اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان (کائنات) کی اشیاء کو ایسا بنایا ہے کہ انسان کے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور یہ کہ انسان ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ انہیں اپنے کام میں لا سکتا ہے۔
کائنات میں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ قوانین اور ضابطے کارفرما ہیں، انہیں ہم قوانینِ فطرت یا سائنسی قوانین کا نام دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام ہیں۔
دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے، غور و فکر کرنے اور نتائج اخذ کرنے اور اپنے ارادے کو بروئے کار لانے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ نتیجتاً، انسان قوانینِ فطرت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور جیسے جیسے وہ انہیں سمجھتا جاتا ہے، اسی طرح وہ کائنات کی اشیاء اور مظاہر کو سمجھتا اور اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اسی چیز کو تسخیر کہا جاتا ہے۔
آج ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے جو طرح طرح کے کرشمے نظر آ رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء اور مظاہر کو اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہی استعمال کرنے کے نتیجے میں سامنے آ رہے ہیں۔

انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ بنے۔ قوتِ تفکر کے ذریعے درست نتائج تک پہنچنا اور شکرگزاری کا رویہ اختیار کرنا یہ روحانی تکامل کا زادِ راہ ہے۔

سورہ الحجر (سورہ نمبر 15)

آیات: 14-15

وَ لَوۡ فَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِیۡہِ یَعۡرُجُوۡنَ ﴿۱۴﴾
لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُکِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

اور اگر ہم ان کے لیے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ دن کی روشنی میں اس میں چڑھتے چلے جائیں ۔
پھر بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں مدہوش کر دی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔
(پھر بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے ، بلکہ ہم لوگ جادو کے اثر میں آئے ہوئے ہیں)۔

Yet even had We opened to them a gateway to heaven and they had ascended, on and on, up to it, (15:14)
they would surely have said, "It is only our eyes that are spellbound! Nay, we have been bewitched! (15:15)

....
ان آیات میں حیرت انگیز طور پر اس بات کی پیش گوئی موجود ہے کہ انسان کے لیے یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ ’’آسمان‘‘ یعنی ماورائے زمین کائنات یا خلا کے سفر پر نکلے۔ اور دور خلاؤں میں سے اللہ کی قدرت اور تخلیق کے مظاہر کا مشاہدہ کرے۔
آیت 15 میں ان کیفیات کی طرف بھی اشارہ دے دیا گیا ہے جن سے خلائی سفر کے دوران ایک انسان گزرتا ہے۔ ’’نگاہوں کے مدہوش یا مخمور ہونے‘‘ اور ’’جادو کیے جانے‘‘ کے الفاظ پر غور کیجیے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں ’’آسمانوں‘‘ میں چڑھنا ایک تصور و تخیل تھا مگر آج ایک مسلمہ حقیقت ہے۔
آیات کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ضدی ہیں اور کسی بھی صورت میں ایمان لانے پر تیار نہیں، اگر ان کے لئے عالمِ سماوی کی طرف جانے کا کوئی راستا کھول دیا جائے اور وہ دن کی روشنی میں اس کے ذریعے اوپر چڑھتے جائیں تو پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور اس طرح کے بہانے

تراشیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی یا ہماری آنکھیں مدہوش و مخمور کر دی گئی ہیں، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ وغیرہ۔
لیکن قرآن کے الفاظ اور پیرایائے بیان سے ضمنی طور پر یہ معانی کی ایک نئی پرت سامنے آتی ہے جس میں خلاء میں جانے ان تجربوں کی طرف اشارہ نظر آتا ہے جو خلائی سفر میں کسی کو پیش آ سکتے ہیں۔ ممکن ہے اس میں حیرت و استعجاب یا اس سے کسی ملتی جلتی کیفیت کی طرف اشارہ ہو۔
***۔

آیات: 16، 17

وَ لَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ زَیَّنّٰہَا لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۱۶﴾
وَ حَفِظۡنٰہَا مِنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿۱۷﴾
اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَہٗ شِہَابٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾

اور بلاشبہ ہم ہی نے آسمان میں روشن سماوی اجسام بنائے اور اُسے دیکھنے والوں کے لیے خوب آراستہ کیا۔ اور اسے ہرمردود شیطانی قوت (کی رسائی) سے محفوظ کیا، کہ اگر کوئی چوری سے (غیب کی خبریں) سننا چاہے گا تو ایک روشن شعلہ اُس کا تعاقب کرے گا۔

And, indeed, We have set up in the heavens bright heavenly bodies, and endowed them with beauty for all to behold, (15:16)
and We have made them secure against every satanic force accursed, (15:17) so that anyone who seeks to learn [the unknowable] by stealth is pursued by a flame clear to see.(15:18)

"بُروج''، ''بُرُج'' کی جمع ہے۔ وہ چیز جو ظاہر اور نمایاں ہو۔ کوئی عورت اپنی زینت کو ظاہر و آشکار کرے تو عرب کہتے ہیں تَبَرَّجَتِ الْمَرْأَۃُ(عورت نے اپنی زینت کا اظہار کیا)۔ اس لغوی معنی کی مناسبت سے اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہونے لگا جو دور سے نمایاں ہوتی ہیں، مثلاً قلعہ، محل، شاہراہ، وغیرہ۔
طبری نے مجاہد اور قتادہ کی سند پر بروج کا مفہوم ستارے بیان کیا ہے۔ یہ ستاروں کے روشن اور نمایاں ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اس اعتبار سے معنی ہوگا
"ہم نے آسمان میں روشن ستارے بنائے ہیں"۔

اس میں ستارہ کا لفظ ان معنوں میں نہیں جن میں یہ آج کی فنی اور سائنسی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ، اس میں زمین سے روشن نظر آنے والے سبھی سماوی اجرام شامل ہیں، ستارے، سیارے اور چاند، وغیرہ۔

...
دیکھنے والوں کے لیے ''روشن ستاروں کی زینت سے'' آسمان کو آراستہ کیا ہے۔ یہ آیت آسمانوں کے مشاہدے اور مطالعے کی دعوت دے رہی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ
"ہم نے دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کر دیا ہے،

اب کون ہے جو اُسے دیکھے، اس کا مشاہدہ و مطالعہ کرے، اور کائنات کی درست توجیہ کے نتیجے تک پہنچے‘‘۔

اس کے ساتھ ہی یہاں اسٹرولوجی کی مذمت کی گئی ہے۔ یاد رہے ہم نے لفظ اسٹرولوجی لکھا ہے نہ کہ اسٹرونومی۔ اسٹرولوجی ایک جھوٹا اور بے بنیاد علم ہے جبکہ اسٹرونومی ایک حقیقی سائنس ہے۔

آسمان ہر قسم کی شیطانی قوت کی رسائی اور دست درازی سے محفوظ ہے، کسی شیطانی قوت کے اختیار میں نہیں کہ وہ سماوی نظام میں دخل اندازی کر سکے۔

"And we have made it secure against every satanic force accursed."

شیطان کا معنی
شیطان کے لغوی معنی میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ ’’شطن‘‘ سے مشتق ہے جس کے معنی دور ہونے کے ہیں۔ اس اعتبار سے شیطان کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے والا، انحرافی راہوں پر چلنے والا، سرکش۔
دوسرے قول کے مطابق یہ ’’شَاطَ یَشِیطُ‘‘ سے آیا ہے جس کے معنی غصہ سے جل جانے کے ہیں۔ اس اعتبار سے شیطان کا معنی ہوگا وہ جو غصہ سے جلتا ہو، حسد، عناد اور نخوت کرنے والا۔
چنانچہ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں خواہ جن و انس سے ہو یا دیگر حیوانات سے۔ (ابو عبیدہ بحوالہ مفردات)۔ اس کا اطلاق ہر قسم کی شیطانی قوت پر ہوتا ہے۔

رجیم کا معنی: یہ ’’رَجَمَ‘‘ کے مادے سے ہے جس کے معنی ہیں پتھر مارنا، ظن و تخمین اور اٹکل کے تکے چلانا، وغیرہ۔ یہاں، رجیم یا تو مرجوم ’’وہ جسے پتھر مارے گئے‘‘ کے معنی میں ہے یا ’’راجم‘‘ ’’پتھر مارنے والا‘‘ کے معنی میں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوگا، دھتکارا ہوا، مردود، راندۂ درگاہ۔ جبکہ دوسرے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوگا، وسوسوں کے پتھر مارنے والا، یا اٹکل کے تکے چلانے والا۔
اسی سے ’’رجماً بالغیب‘‘ ہے، یعنی ظن و تخمین اور اٹکل سے کوئی بات کہنا۔

یہاں اسٹرولوجی (جسے بدقسمتی سے اردو میں ’’علمِ نجوم‘‘ کہا جاتا ہے) کے ذریعے غیب کے راز حاصل کرنے کی نفی کی گئی ہے۔
کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ غیب کے راز چرا سکے۔ اگر کوئی شیطانی طریقوں یا سفلی اور اوکلٹ علوم سے غیب کے راز حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے ایک روشن شعلے (’’صاف نظر آنے والے شعلے‘‘) کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یعنی وہ یہ نہ کر سکے گا۔ قرآنی برہان اس کے اس دعوے کو رد کر دے گا۔

شہاب کا معنی
لغت میں ’’شہاب‘‘ شعلہ، چنگاری اور انگارہ کو کہتے ہیں۔
مثال کے طور پر سورہ النمل (27:7) میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کوہِ طور پر آگ جلتی دیکھی تو اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا:
اَوْ ءَاتِیكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ

’’... یا میں لے آوں گا تمہارے پاس اس آگ سے کوئی شعلہ سلگا کر"

بہر حال، یہاں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شہاب عربی زبان کا ایک عام لفظ ہے جو شعلہ، چنگاری اور انگارہ کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔
اس کے علاوہ یہ اُس روشنی کو بھی کہتے ہیں جو کبھی فضا میں شام کے بعد کسی لمبی لکیر کی طرح نمودار ہوتی ہے اور پھر آناً فاناً غائب ہو جاتی ہے۔ اسے سائنسی اصطلاح میں میٹیور کہا جاتا ہے۔
ان آیات کی تشریح میں مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے، راقم کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں تمثیل کے اسلوب میں کہانت اور اسٹرولوجی کا رد کیا گیا ہے۔
اس تمثیل میں سماء (آسمان) عالمِ غیب کے مفہوم میں ہے۔ قرآن عالمِ غیب سے رسولِ اکرم ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ عالمِ غیب ہر قسم کی شیطانی قوت کی رسائی سے محفوظ ہے۔ کسی شیطانی قوت کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ عالمِ غیب میں جھانک کر وہاں سے کوئی خبر لا سکے۔ شیطانوں (نجومیوں اور کاہنوں وغیرہ) کے ایسے تمام دعوے باطل ہیں۔ ایسا ممکن ہی نہیں۔ کوئی اپنے زعمِ باطل میں چوری چھپے عالمِ بالا کی کوئی خبر چرانے کی کوشش بھی کرے گا تو علم و برہان کا روشن شعلہ اس کا پیچھا کرے گا، یعنی علم و برہان کی روشنی کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔ تمثیل کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں کے یہ دعویٰ نرا جھوٹ اور دجل و فریب ہے کہ وہ عالمِ غیب سے اپنے شیطانوں کے ذریعے خبریں لاتے ہیں۔ عالمِ غیب تک شیطانی قوتوں کی رسائی ہی ممکن نہیں۔ اور یہ شیطان لوگ اللہ کی وحی کی حیثیت سے قرآن کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں وہ محض ایک شیطانی فعل ہے۔ یہ مقام صرف قرآن کا ہے کہ وہ عالمِ غیب سے عالمِ شہادت میں اللہ کے رسولِ مکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو اُس وقت کہانت اور اسٹرولوجی کا بڑا چرچا تھا۔ جھوٹے غیب دان سادہ لوح لوگوں کو خوب لوٹتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ کوئی جن اُن کے ماتحت ہے جو اُنہیں غیب کی خبریں لا کر دیتا ہے، یا کہتے کہ وہ ستاروں کے مقامات کی بنیاد پر حساب کر کے غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ یہ لوگ قرآنی وحی کے بارے میں لوگوں میں ابہام اور الجھنیں پیدا کرتے تھے۔ ان آیات میں ان کے گمانِ باطل کی تردید کی گئی ہے۔
چنانچہ، ممکنہ طور پر شہاب یہاں علم، شعور، آگہی اور علم و آگہی کی بنیاد پر قائم کی گئی دلیل اور برہان ہے۔ قرآن کا عطا کردہ علم و شعور کہ جس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔

اسٹرولوجی اور بالخصوص قدیم اسٹرولوجی کی بنیاد سات سماوی اجسام یا اَجرام (اس کی واحد جِرم ہے) پر مانی جاتی ہے: جو یہ ہیں: سورج، چاند، زہرہ (وینس)، عطارد (مرکری)، مریخ (مارس)، مشتری (جیوپیٹر) اور زحل (سیچرن)۔ یہ وہ سماوی اجرام ہیں جو زمین سے خالی آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ بروج سے یہاں یہی سماوی اجرام مراد ہیں، ایک تو اس لئے کی انہی کی حرکات اور مقامات پر نجومی اور کاہن لوگ اپنے تخمینے لگاتے تھے اور دوسرے اس لئے کہ یہ زمین سے واضح نظر آتے تھے۔ مزید تشریح انشاءاللہ دوسری آیات کے ضمن میں آئے گی جیسے سورہ الملک۔
یہ بات یاد رہے کہ جدید علمِ فلکیات اور اسٹرونومی بہت ترقی کر چکی ہے۔ یہ سماوی اجرام کو مختلف زمروں میں تقسیم کرتی ہے، جیسے ستارے (اسٹارز)، سیارے (پلینٹس)، چاند وغیرہ۔ اس کے مطابق سورج ایک ستارہ ہے۔
****۔

آیات: 19-21

وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰہَا وَ اَلۡقَیۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ﴿۱۹﴾
وَ جَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡہَا مَعَایِشَ وَ مَنۡ لَّسۡتُمۡ لَہٗ بِرٰزِقِیۡنَ ﴿۲۰﴾
وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۱﴾

اور زمین کو ہم ہی نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈالے، اور اس میں ہر قسم کی چیزیں تناسب کے ساتھ اُگائیں، اور اس میں ہم نے تمہاری معیشت کے وسائل رکھے اور ان کی معیشت کے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں لیکن ہم اُسے ایک معین نظام کے ساتھ اُتارتے ہیں۔

..

And the earth -We have spread it out wide, and placed on it mountains firm, and caused [life] of every kind to grow on it in a balanced manner, (15:19) and provided thereon means of livelihood for you [O men] as well as for all [living beings] whose sustenance does not depend on you. (15:20)
For, no single thing exists that does not have its source with Us; and nought do We bestow from on high unless it be in accordance with a measure well-defined.(15:21)

....

زمین کو پھیلایا، ہموار کیا، رہنے کے قابل بنایا۔
زمین میں وہ ارضیاتی تبدیلیاں آئیں جن کے نتیجے میں سطحِ زمین نے وہ شکل اختیار کی جس پر زندگی وجود میں آ سکے اور قائم رہ سکے۔
مَوزُون یعنی وزن کیا ہوا۔ حکمت کے تقاضوں کے مطابق۔ اللہ کے کائنات میں ودیعت کردہ نظام فطرت (قوانینِ فطرت) کے مطابق درکار کمیت اور کیفیت میں۔
مطلب ہے کہ ہر چیز کو حکمت کے میزان پر تولا گیا ہے۔ یعنی ہر چیز کو اس حکمت پر پیدا کیا گیا کہ وہ دنیا میں کب، کہاں اور کتنی ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں، ہر چیز کو مناسبِ حال خاصیتوں سے نوازا گیا ہے۔
"انبات" اُگانا۔ یہ ممکن ہے کہ یہاں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہو جس میں زمین کی تمام مخلوقات، انسان، حیوانات، جمادات اور نباتات شامل ہوں۔ یعنی انہیں وجود میں لانا اور پھیلانا۔
"معاش" معیشت کی جمع، زندگی کے وسائل و ذرائع۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لیے انواع و اقسام کے وسائلِ زندگی پیدا کیے ہیں۔

یعنی تمام چیزیں "اللہ کی قدرت" کے خزانے میں ہیں، اس میں سے کسی چیز کو جتنی مقدار میں اللہ تعالیٰ ضروری اور قرین مصلحت جانتا ہے، وجود میں لاتا ہے۔
یہاں نزول کا لفظ ایجاد اور تخلیق کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
-****

آیت 22

--

وَ اَرۡسَلۡنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسۡقَیۡنٰکُمُوۡہُ ۚ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ لَہٗ بِخٰزِنِیۡنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم ہی ہواؤں کو بارآور بنا کر چلاتے ہیں۔ پھر ہم ہی بادل سے بارش نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم ہی تمہیں اس سے سیراب کرتے ہیں اور یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم اس کے ذخیرے جمع کر کے رکھتے۔

And We let loose the winds to fertilize [plants] and We send down water from the skies and let you drink thereof: and it is not you who dispose of its source. (15:22)

لواقح کے معنی حاملہ کرنے اور بار آور بنانے کے ہیں۔ اصل میں "لواقح" "لاقحہ" کی جمع ہے، اس کا معنی ہے "بارآور کرنے والی"۔ ہوائیں درختوں کو بھی بار آور کرتی ہیں اور بادلوں کو بھی۔
درختوں کو اس طرح کہ ان کے پھولوں کے نر تلیدی مادے (پولن) کو مادہ حصوں پر لا کر ڈال دیتی ہیں۔ اس عمل کو سائنس کی زبان میں پولینیشن یا زیرگی کہا جاتا ہے۔
اس کے نتیجے میں مادہ حصہ میں بارآوری یا فرٹیلائزیشن کا عمل ہوتا ہے۔ بارآورشدہ مادہ حصہ نشو و نما پا کر پھل بنا دیتا ہے۔ اس مفہوم میں بارآور کرنے کا لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

بادلوں کو ہوائیں اس طرح سے بارآور کرتی ہیں کہ یہ سمندروں وغیرہ کی سطح سے آبی بخارات اُٹھاتی ہیں اور انہیں جمع کر کے بادلوں کی شکل دینے میں کردار ادا کرتی ہیں۔ اس مفہوم میں بارآور کرنے کا لفظ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
یہاں یہ دونوں مفہوم مراد ہو سکتے ہیں، دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

ہوا کا ایک اہم کام آبی بخارات کو اُٹھانا، جمع کرنا اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانا ہے۔ سورج کی تپش جب سمندروں وغیرہ کی سطح سے پانی کو بخارات میں تبدیل کرتی ہے تو ہوا اپنی مسلسل حرکت کی وجہ سے انہیں اُٹھاتی اور مجموعی طور پر عموماً کسی ایک سمت میں چلاتی رہتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہوا میں آبی بخارات کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، حتی کہ وہ آبی بخارات سے مکمل طور پر بھر جاتی ہے، اس وقت وہ سائنس کی زبان میں پُرسیرشدہ (سپر سیچوریٹڈ) کہلاتی ہے۔

یہی وہ ہوا ہے جو بادلوں کی شکل اختیار کرتی ہے یا پہلے سے موجود بادلوں کا حصہ بنتی ہے، ممکن ہے کہ اس طرح کی ہواؤں کو بارآور ہوائیں کہا گیا ہو۔

بادل کیسے بنتے ہیں:
آبی بخارات سے پُرسیرشدہ ہوا جب اوپر اُٹھتی ہے تو اس میں پھیلاؤ کا عمل ہوتا ہے، جس سے یہ ٹھنڈی ہونے لگتی ہے، اس دوران آبی بخارات ہوا میں موجود گرد و غبار (ڈسٹ) کے باریک ذرات (ایروسول) پر جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس سے باریک قطرے وجود میں آتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جسے بادل کہا جاتا ہے۔

موافق حالات کے تحت باریک قطرے آپس میں مل کر بڑے قطرے بناتے ہیں، جو کہ مختلف عوامل پر انحصار کرتے ہوئے بارش، برف یا دوسری شکلوں میں زمین پر برستے ہیں۔
قرآنِ مجید نے "الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ" کے الفاظ استعمال کر کے ممکنہ طور پر ہواؤں کے اس کردار کو واضح کیا ہے جو وہ بادلوں کے بننے اور برسانے میں ادا کرتی ہیں۔

"And we send the fecundating winds, then cause the rain to descend from the sky."

ہم بھیجتے ہیں بارآور ہوائیں، پھر برساتے ہیں آسمان سے بارش۔

ہوائیں نباتات میں زیرگی اور بارآوری میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔
ایک پھول کے نر حصے سے پولن گرینز (زیرہ دانوں) کو اسی پھول یا کسی اور پھول کے مادہ حصے (بیضہ دان، اووری) تک پہنچاتی ہیں اور اسی طرح یک صنفی (یونی سیکسوئل) پودوں میں نر پودےکے پولن کو مادہ پودے کے تولیدی حصے تک پہنچاتی ہیں۔ یہ بہت بڑا کام ہے جو ہوائیں سر انجام دیتی ہیں۔

دنیا میں بے شمار نباتات (درخت، جڑی بوٹیاں اور دوسرے پودے) ہیں جن میں اس عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کے سارے انسان مل کر بھی اس کام کا اربوں حصہ بھی سر انجام نہیں دے سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی کاریگری ہے کہ ہر وقت گردش کرتی ہوئی ہوائیں خاموشی سے اس کام کو سر انجام دیتی رہتی ہیں اور ان نباتات کے پھلنے، پھولنے، پھیلنے اور نشو و نما کا باعث بنتی رہتی ہیں۔

پانی کے ذخیرے:
ممکن ہے اس میں بارش کی شکل میں برسنے سے پہلے پانی کے بادلوں کی شکل میں ذخیرہ کرنے کی طرف اشارہ ہو۔ معنی ہو گا کہ ان بادلوں پر تمہارا کوئی بس نہیں جو کہ زمین پر میٹھے پانی کا اصل منبع ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے جو بادلوں کی شکل میں پانی کا اتنا وسیع ذخیرہ اکٹھا کرتی ہے جو اللہ کی مشیت کے مطابق زمین پر برستا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں بارش کے برسنے کے بعد پانی کے ذخیرہ کر کے رکھنے کی طرف اشارہ ہو، یعنی تم میں یہ طاقت نہیں کہ بارش برسنے کے بعد زیادہ مقدار میں پانی جمع اور محفوظ رکھ سکو، اس لیے اللہ تعالیٰ بار بار بارش برساتا ہے تاکہ تمہیں مسلسل طور پر پانی مہیا ہوتا رہے۔ نیز پانی کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی صورت میں منجمد کر کے رکھتا ہے، جہاں سے دریائوں، چشموں وغیرہ کی صورت میں اہلِ زمین کو پانی ملتا رہتا ہے، علاوہ ازیں پانی کی وسیع مقدار سطح زمین کے نیچے زیرِزمین پانی (گرائونڈ واٹر) کی شکل میں محفوظ رہتی ہے جسے کنویں کھود کر نکالا اور کام میں لایا جاتا ہے۔

******

-
سورہ الحجر، سورہ نمبر 15

آیات: 26-29

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿ۚ۲۶﴾

وَ الۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾
وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۸﴾
فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾

اور بے شک ہم ہی نے انسان کو سیاہ سِن رسیدہ مٹی کے متغیرکیچڑ سے پیدا کیا۔ اور جنوں کو ہم نے اس سے پہلے بے دھویں کی سخت آگ سے پیدا کیا۔
اور جب آپ کے رب نے ملائکہ سے کہا: بیشک میں ایک انسان بنانے والا ہوں سیاہ سِن رسیدہ مٹی کے متغیرکیچڑ سے۔
پس، جب میں اسے ٹھیک ٹھیک بنا چکوں، اور اس میں اپنی روح سے پھونک چکوں تو تم اس کے سامنے جھک جانا۔۔۔۔۔

And, indeed, We have created man out of sounding clay, out of dark-slime transmuted, (15:26)
whereas the invisible beings We had created, [long] before that, out of the fire of scorching winds. (15:27)
And lo! Thy Sustainer said unto the angels: "Behold, I am about to create mortal man out of sounding clay, out of dark slime transmuted, (15:28)
and when I have formed him fully and breathed into him of My spirit, fall down before him in prostration. (15:29)

-
صلصال
جیسا کہ عربی لغات اور تفاسیر نے وضاحت کی ہے، صلصال کے مفہوم میں کئی آراء پائی جاتی ہیں۔ اس کا ایک معنی بدبو دار مٹی یا سڑی ہوئی مٹی، متغیر مٹی یا گارا یا کیچڑ کیا گیا ہے، اور یہ عربی کے محاورے صَلَّ اللحم سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے "گوشت خراب ہوگیا، گوشت نے بو چھوڑ دی، گوشت متغیر ہوگیا"، وغیرہ۔
سائنسی اعتبار سے یہاں یہ اس صورت میں صحیح ہے کہ اس کا معنی متغیر گارا/کیچڑ لیا جائے۔ اس کا مطلب ہوگا کہ کیمیائی طور پر تبدیل شدہ مٹی یا ایسی مٹی جو کیمیائی تبدیلیوں سے گزر رہی ہو۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق صلصال کے ایک معنی پتلی اور نرم مٹی (الطین المرقق) ہیں جس سے مٹی کے برتن بنائے جاتے ہیں۔(روح المعانی)۔
صلصال کا ایک معنی ہے وہ خشک مٹی جو مارنے پر آواز پیدا کرے یعنی کھنکھنانے والی یا بجنے والی مٹی۔ یہ وہ مٹی ہے جو آگ پر پکائی نہ گئی ہو۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک قول منسوب ہے کہ صلصال وہ عمدہ پاکیزہ کیچڑ ہے جس میں پانی سوکھ جانے کی وجہ سے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب اس کو "اس کی جگہ سے" ہلایا جاتا ہے تو کھڑکھڑ کی آواز دیتی ہے۔ (تفسیرِ مظہری)۔
چنانچہ، ایک مفہوم کے اعتبار سے صلصال کا لفظ کیچڑ کے مفہوم میں ہو سکتا ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دریائوں وغیرہ کے کنارے جب کیچڑ سوکھ جاتا ہے تو اس پر اگر چلا جائے تو وہ آواز کے ساتھ ٹوٹتا ہے۔ ممکنہ طور پر یہاں یہ اسی مفہوم میں ہے۔

حماء

سیاہ مٹی، وہ مٹی جو پانی میں پڑے پڑے سیاہ ہو گئی ہو۔ تغیرات سے گزرتے ہوئے مادے کی ارتقائی شکل۔ "کیچڑ" جو تغیرات سے گزرا۔

مسنون
مسنون کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ اس کا ایک معنی متغیر کیا جاتا ہے،
ہر وہ چیز جس پر سالہا سال گزرنے سے تغیر و تبدل آ گیا ہو۔ (نعمانی) یعنی سِن رسیدہ۔
اس کا دوسرا معنی ہے قالب میں ڈھلا ہوا، وغیرہ۔

مجموعی مفہوم:
اس آیتِ کریمہ سے ممکنہ طور پر انسان کی ارتقائی تخلیق کا مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔ زندگی کا آغاز بے جان مادے میں تغیر و تبدل کے پیچیدہ عمل سے ہوا۔

کیمیائی اور طبیعی تبدیلیوں سے گزرتا ہوا مادہ جس پر ایک طویل عرصہ گزرا، یہاں تک کہ اس میں زندگی اپنی ابتدائی شکل میں ظہور پذیر ہوئی۔ یہ عمل پانی کے ماحول میں ہوا۔
اس سلسلے میں علامہ محمد اسد کے تفسیری نوٹ کا مطالعہ مفید ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں:

There are many references in the Qur'an to man's having been "created out of clay (tin)" or "out of dust (turab)", both these terms signifying man's lowly biological origins as well as the fact that his body is composed of various organic and inorganic substances existing - in other combinations or in their elementary forms - on or in the earth. The term salsal, occurring in three verses of this surah as well as in 55:14, adds a further dimension to this concept. According to most of the philological authorities, it denotes "dried clay that emits a sound" (i.e., when it is struck); and since it is used in the Qur'an exclusively with reference to the creation of man, it seems to contain an allusion to the power of articulate speech which distinguishes man from all other animal species, as well as to the brittleness of his existence (cf. the expression "like pottery" in 55:14). As the construction of the sentence shows, this salsal is stated to have evolved (Razi) out of hama' - which, accordingto some authorities, is the plural of ham'ah, signifying "dark, fetid mud" or "dark slime" – while the participial adjective masnun which qualifies this noun denotes, as Razi points out, both "altered" (i.e., in its composition) and "brought into shape": hence my rendering of this expression as "transmuted", which to some extent combines both of the above meanings.
To my mind, we have here a description of the primeval biological environment out of which the "sounding clay" - the matrix, as it were - of man's physical body has evolved in accordance with God's plan of creation. (Note on 15:26)

…

جنات کی تخلیق
لغوی اعتبار سے ہر غیر مرئی شے یا قوت کو جن کہہ سکتے ہیں۔ لفظِ جن میں پوشیدہ ہونے، آنکھوں سے اوجل ہونے، اور نظر نہ آنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جن ایک خاص مخلوق بھی مانی جاتی ہے۔ یہ موضوع اس کتاب کے دائرے سے باہر ہے۔
یہاں آیت میں لفظ جان استعمال ہوا ہے۔ اگر ہم اس آیت کی یہ تشریح کریں کہ جان سے یہاں کوئی غیر مرئی مخلوق مراد ہے تو سادہ ترین الفاظ میں آیت کا مفہوم ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ جنوں کی تخلیق حرارتی توانائی سے کی گئی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ جن کس نوعیت کی مخلوق ہے یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ اس پر ہم بعد میں کسی مناسب مقام پر گفتگو کریں گے۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہو گا کہ جن کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
یہ بات بھی یاد رہے کہ ان آیات کی تشریح لُغوی اور مجازی دونوں طرح کی جا سکتی ہے۔ لغوی مفہوم یہ بتاتا ہے کہ انسان یا جن کا مادہ ءِ تخلیق کیا ہے، اور مجازی مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے بہت سے خصائص کے اعتبار سے انسان مٹّی سے مشابہت رکھتا ہے، اور اسی طرح جن میں آگ اور تپش کے خصائص پائے جاتے ہیں۔ وغیرہ۔

سورہ النحل (سورہ نمبر 16)

آیت: 3، 4
....
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳﴾
خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۴﴾

اس (اللہ) نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا کیا ہے۔ وہ (واحد و لاشریک) ہر شرک سے جو لوگ کرتے ہیں بہت بلند و بالا ہے۔ (وہ اس بات سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو، وہ واحد و لاشریک ہے)
اس نے انسان کو(تولیدی مادے کے محض) ایک قطرہ سے پیدا کیا، پھر، دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک صریح بحث واستدلال کرنے والی ہستی بن کر سامنے آیا۔

He has created the heavens and the earth in accordance with [an inner] truth; sublimely exalted is He above anything to which men may ascribe a share in His divinity. (16:3)
He creates man out of a [mere] drop of sperm: and lo! this same being shows himself endowed with the power to think and to argue. (16:4)

-
قرآنی محاورے میں السماوات و الأرض کے الفاظ کائنات کے ہم معنی ہیں۔ کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق بالحق ہے۔ بالحق (حق اور سچ کے ساتھ، سچائی کے ساتھ، سچائی پر مبنی) کا مطلب ہے مقصد و غایت کے مطابق۔
کائنات کا ایک مقصد ہے۔ اللہ اس بات سے برتر و بالا ہے کہ کوئی کام بلا مقصد کرے۔

اسی طرح، انسان کی تخلیق کا بھی ایک مقصد ہے۔ انسان کے لئے ایک باشعور مخلوق کی حیثیت سے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو جانے اور اسے حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

آیات: 9-5

......
وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۵﴾
وَ لَکُمۡ فِیۡہَا جَمَالٌ حِیۡنَ تُرِیۡحُوۡنَ وَ حِیۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ﴿۶﴾
وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا بٰلِغِیۡہِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۙ﴿۷﴾
وَّ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡہَا وَ زِیۡنَۃً ؕ وَ یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾
وَ عَلَی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ وَ مِنۡہَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹﴾

-
اور، چوپائے بھی اسی نے پیدا کیے ہیں، تمہارے لیے ان میں گرم لباس بھی ہے اور دیگر فائدے بھی، اور ان سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔
اور ان میں تمہارے لیے زیب و زینت بھی ہے جب تم انہیں شام کو چَرا کر (چرا گاہ سے) گھر واپس لاتے ہو، اور جب تم صبح انہیں چَرنے کے لئے (چراگاہ میں) چھوڑتے ہو۔
اور وہ تمہارے بوجھ ایسے خطوں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم شدید مشقت کے بغیر پہنچنے والے نہیں بن سکتے تھے۔ بے شک تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور بہت مہربان ہے۔
اور اسی نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے ہیں تاکہ تم ان سے سواری کا کام لے سکو اور وہ (تمہارے لیے) زیب و زینت (کا سامان) بھی ہیں۔ اور (یہی نہیں) وہ (اپنی قدرت سے) ایسی چیزیں پیدا فرمائے گا جن کو تم نہیں جانتے۔
اور سیدھا رستہ تو اللہ تک جا پہنچتا ہے۔ اور بعض رستے ٹیڑھے ہیں (وہ اس تک نہیں پہنچتے) اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے رستے کی ہدایت دے دیتا (مگر اس نے انتخاب کا حق تمہیں دیا، تاکہ تم اپنی آزاد مرضی سے سیدھے راستے کا انتخاب کرو)۔

And He creates cattle: you derive warmth from them, and [various other] uses; and from them you obtain food, (16:5)

and you find beauty in them when you drive them home in the evenings and when you take them out to pasture in the mornings -(16:6)
And they carry your loads to [many] a place which [otherwise] you would be unable to reach without great hardship to yourselves. Verily, your Sustainer is most compassionate, a dispenser of grace. (16:7)
And (it is He who creates] horses and mules and asses for you to ride, as well as for [their] beauty: and He will yet create things of which [today] you have no knowledge. (16:8)
And [because He is your Creator,] it rests with God alone to show you the right path: yet there is [many a one] who swerves from it. However, had He so willed, He would have guided you all aright. (16:9)

جانور مختلف طریقوں سے انسان کے کام آتے ہیں۔ ان کی اون بالوں اور چمڑے وغیرہ سے مختلف قسم کے ملبوسات اور اوڑھنے بچھونے کی چیزیں بنائی جاتی ہیں جو انسان کو سردی اور گرمی سے بچاتی ہیں۔
بعض جانوروں کا دودھ پیا جاتا ہے اور بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ ان کی چربی اور ہڈی کے کئی استعمالات ہیں۔ ان کے گوبر کو قدرتی کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں۔
یہ جانوروں کے نفسیاتی اور معاشی فوائد کی طرف اشارہ ہے۔ یہ "جمال" (زیب و زینت، حسن، شان، دلکشی) معاشی استحکام، خود انحصاری اور آزادی کا جمال ہے۔ "جمال" گھر اور معاشرہ کی خوشحالی کا علامتی اظہار ہے۔ جو لوگ دوسرے کے دست نگر ہوں، قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں، زندگی کی ایک ایک نعمت کو ترستے ہوں، صحت اور علاج معالجہ کے مسائل میں گھرے ہوئے ہوں، انہیں کیا خبر کہ "جمال" کیا چیز ہے۔
یہ نکتہ بھی توجہ طلب ہے کہ یہاں پہلے جانوروں کے چراگاہوں سے گھروں کو لوٹنے کا ذکر ہے اور بعد میں چراگاہوں کی طرف لے جانے کا۔ جب جانور چراگاہوں سے چر کر واپس آتے ہیں تو وہ شکم سیر ہوتے ہیں اور بہت سی مادہ جانوروں کے پستان دودھ سے بھرے ہوتے ہیں۔ یہ چیز ان کے مالکوں کے اطمینان اور خوشی کا باعث ہوتی ہے، پھر یہ ان کے مالکوں کے لیے مشقت اور محنت سے آرام اور راحت کی طرف واپسی کا مرحلہ ہے۔

بار برداری کی طرف اشارہ ہے۔
خاص طور پر گھوڑے، خچر اور گدھے کا ذکر ہے جن پر انسان سواری کرتا ہے
اور بار برداری کا کام بھی لیتا ہے۔
یہاں "زینت" کا لفظ توجہ طلب ہے۔ اوپر "جمال" کا لفظ استعمال ہوا تھا اور یہاں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو کہ نفسیاتی اطمینان کی حالت کی طرف اشارہ ہے۔
سواروں کے ذکر کے بعد یہ ٹکڑا بڑا معنی خیز ہے۔ اس میں مستقبل میں ایجاد ہونے والے تمام ذرائعِ نقل و حمل (ٹرانسپورٹیشن کے ذرائع) کی پیش گوئی موجود ہے۔ جدید ذرائعِ نقل و حمل (بری، بحری، ہوائی) نزولِ قرآن کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ مستقبل میں اور کیا کیا ذرائع ایجاد ہوں گے۔

اس سے یہ بھی پتا چلا کہ مثبت اور تعمیری انسانی سرگرمیاں اللہ کی منشا کی تکمیل کر رہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کو پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ انسانوں کے ذریعے سے پیدا کرتا ہے۔

آیات: 10، 11
.....
ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ مِّنۡہُ شَرَابٌ وَّ مِنۡہُ شَجَرٌ فِیۡہِ تُسِیۡمُوۡنَ ﴿۱۰﴾
یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

(اللہ) وہی ہے جس نے بادل سے (بارش وغیرہ کی شکل میں) پانی نازل جس سے تم پیتے ہو، اور اسی سے سبزہ بھی اُگتا ہے جس میں تم اپنے جانوروں کو بھی چراتے ہو۔
وہ اسی سے تمہارے لئے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے، بے شک اس میں (اللہ کی قدرت کی) بہت بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

It is He who sends down water from the skies; you drink thereof, and thereof [drink] the plants upon which you pasture your beasts, (16:10) [and] by virtue thereof He causes crops to grow for you, and olive trees, and date palms, and grapes, and all [other] kinds of fruit: in this, behold, there is a message indeed for people who think. (16:11)

پانی پر زندگی کا دارومدار ہے۔ پانی کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انسان، حیوانات اور نباتات سمیت تمام زندہ چیزیں اپنی بقا کے لئے پانی پر انحصار رکھتی ہیں۔
تازہ یا میٹھے پانی (فریش واٹر) کا بنیادی ذریعہ بارش ہے۔ یہ انسان کے پینے کے کام آتا ہے۔ اسی سے نباتات اُگتی ہیں۔
جن چیزوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے: اناج کے کھیت، زیتون، کھجور، انگور اور قسم قسم کے پھل۔
قوتِ فکر کو کام میں لانے کی ترغیب و تحریک ہے۔

آیات: 12-16
.....
وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿ۙ۱۲﴾
وَ مَا ذَرَاَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾
وَ ہُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡکُلُوۡا مِنۡہُ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡہُ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَہَا ۚ وَ تَرَی الۡفُلۡکَ مَوَاخِرَ فِیۡہِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۴﴾
وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَ اَنۡہٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿ۙ۱۵﴾
وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجۡمِ ہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾

اور، اُسی نے رات اور دن، اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور ستارے بھی اُسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔
اور جو چیزیں زمین میں تمہارے لئے مختلف قسموں کی پھیلائی ہیں، (انہیں بھی مسخر کیا ہے)۔ بے شک، اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو یاد دہانی حاصل کرنا چاہیں۔
اور، (اللہ) وہی ہے جس نے بحر کو مسخر کیا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، اور اس سے زیور نکالو جو تم پہنتے ہو، اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اس میں چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس میں سفر کرو اور تاکہ تم اللہ کے شکر گزاری کرو۔
اور یہ کہ اسی نے زمین میں مضبوط پہاڑ رکھے کہ وہ تمہیں لے کر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائے۔ اور (اسی طرح) اسی نے دریا جاری کیئے اور (ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کے لیے) راستے بنائے تاکہ تم منزلِ مقصود پر پہنچ سکو۔ اسی طرح، اس نے زمین میں علامتیں رکھیں (تاکہ ان کی مدد سے تم اپنے مقصود تک پہنچ سکو)، اور، اسی طرح تم ستاروں سے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہو۔(پس، لازم ہے کہ تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو پہچانو اور اس کا شکر ادا کرو)۔

And He has made the night and the day and the sun and the moon subservient [to His laws, so that they be of use] to you; and all the stars are subservient to His command: in this, behold, there are messages indeed for people who use their reason. (16:12)
And all the [beauty of] many hues-which He has created for you on earth: in this, behold, there is a message for people who (are willing to] take it to heart. (16:13)
And He it is who has made the sea subservient [to His laws], so that you might eat fresh meat from it, and take from it gems which you may wear. And on that [very sea] one sees ships ploughing through the waves, so that you might [be able to] go forth in quest of some of His bounty, and thus have cause to be grateful [to Him]. (16:14)
And he has placed firm mountains on earth, lest it sway with you, and rivers and paths, so that you might find your way, (16:15)
as well as [various other] means of orientation: for [it is] by the stars that men find their way. (16:16)

اللہ کی معرفت اور شکر گزاری
اللہ تعالیٰ نے رات اور دن، اور سورج، چاند اور ستاروں کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے۔ یعنی ایسا بنایا ہے کہ انسان ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح زمین کی چیزوں، حیوانات، نباتات اور معدنیات اور دوسری اشیاء کو بھی انسان کے لئے مسخر کیا ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اپنی عقل و فکر کو کام میں لائے اور ان نعمتوں سے فائدہ حاصل کرے۔ ان گوناگوں نعمتوں کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور آخرت کی یاد دہانی حاصل کرے۔

بحرسے کیا مراد ہے؟

بحر پانی کے بہت بڑے ذخیرے کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ سمندر اور دریا دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بحر کے تین اہم فائدوں کا ذکر کیا گیا ہے:

لف: انسان اس سے تازہ گوشت (غذا کا سامان) حاصل کرتا ہے۔
ب: زیور کا سامان نکالتا ہے، اور
ج: نقل و حمل کے لئے اسے استعمال کرتا ہے۔

بارش اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت
میٹھے پانی کا بنیادی ذریعہ بارش(بشمول برف وغیرہ) ہے۔ یہ انسان اور دوسرے حیوانات کے پینے کے کام آتا ہے۔ اسی سے نباتات بھی اُگتی ہیں۔
جن چیزوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے: اناج کے کھیت، زیتون، کھجور، انگور اور قسم قسم کے پھل۔

قوتِ فکر کو کام میں لانے کی ترغیب و تحریک ہے۔

رہنمائی کے گوناگون ذرائع ہیں۔

آیات 48، 49

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَ ہُمۡ دٰخِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾
وَ لِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ ہُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾

کیا انہوں نے اللہ کی تخلیق کرد چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی کہ کیسے ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) بدلتے رہتے ہیں، اللہ (کے قانون کے سامنے) سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے، اس حال میں کہ وہ عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔
اور یہ کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب اللہ ہی کے (نظام کے) آگے سجدہ ریز ہیں اور اسی طرح فرشتے بھی۔ اور وہ ذرا تکبر نہیں کرتے۔

Have, then, they [who deny the truth] never considered any of the things that God has created _ (how] their shadows turn right and left, prostrating themselves before God and utterly submissive [to His will]. (16:48)
For, before God prostrates itself all that is in the heavens and all that is on earth - every beast that moves, and the angels: [even] these do not bear themselves with false pride. (16:49)

اشیاء کے سائے سورج کی پوزیشن کے لحاظ سے ایک طرف سے دوسری طرف حرکت کرتے ہیں، مثال کے طور پر کسی درخت کا سایہ صبح کسی ایک طرف ہوتا ہے اور شام کے وقت دوسری طرف۔ یہ سب ایک لگے بندھے نظامِ فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ

کیسے ہر شے اللہ کے تکوینی حکم کی پیروی کر رہی ہے، پوری پابندی کے ساتھ زمین اور سورج کا یہ نظام ایک مضبوط و مربوط نظام ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی طاقت ہے جو اس سب کچھ کا انتظام کر رہی ہے۔

کائنات کی ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے کائنات میں ودیعت کردہ تکوینی قانون کی پابند ہے۔ ہر شے فطرت کے تفویض کردہ وظیفہ کو ادا کر رہی ہے۔
لہٰذا، انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی شعور کی دنیا میں بھی اللہ کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔

آیات: 65-67

....

وَ اللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾
وَ اِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ ﴿۶۶﴾
وَ مِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَکَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾

اور، اللہ ہی ہے جس نے بادل سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو جو مردہ پڑی ہوئی تھی زندہ کر دیا۔ بیشک اس میں عظیم نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو (حق کی آواز) سنتے ہیں۔
اور، بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور و فکر کا سامان ہے۔ ہم اس (چیز، غذا) سے جو ان کے پیٹوں میں ہوتی ہے، وہ چیز پیدا کرتے ہیں جو ہم تمہارے پینے کے لئے مہیا کرتے ہیں یعنی صاف ستھرا دودھ جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے، یہ اسی غذا سے بنتا ہے جس سے گوبر بھی بنتا ہے اور خون بھی، ایک ہی جسم کے اندر۔
اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی (ہم تمہیں سامانِ نشوونما دیتے ہیں)، تم ان سے میٹھا رس بھی اخذ کرتے ہو اور عمدہ غذا بھی۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

And, God sends down water from the skies, giving life thereby to the earth after it had been lifeless: in this, behold, there is a message indeed for people who [are willing to] listen. (16:65)
And, behold, in the cattle [too] there is indeed a lesson for you: We (produce and) give you to drink of that [food] which is within their bellies: milk pure and pleasant to those who drink it; from the same food from which are produced dung and blood; (yet, it is pure and pleasant to those who drink it). (16:66)
And [We grant you nourishment] from the fruit of date-palms and vines: from it you derive sweet juice as well as wholesome sustenance -in this, behold, there is a message indeed for people who use their reason. (16:67)

Another meaning of 16: 66:
"Verify, in cattle there is a lesson for you. We give you to drink of what is inside their bodies, coming from a conjunction between the contents of the intestine and the blood, a milk pure and pleasant for those who drink it," (M. Bucaille)

دودھ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔
اس کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت کا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ دودھ مادہ جانوروں کے پستانوں میں موجود دودھ کے غدودوں (میمری گلینڈز) کے ذریعے بنتا ہے۔
دودھ دینے والے جانوروں کو پستانیئے یا میملز کیا جاتا ہے۔
غذا جب معدے یا آنتوں سے گزرتی ہے تو اس کا قابلِ ہضم حصہ ہضم ہو کر خون کی نالیوں میں جذب ہو جاتا ہے، اور جو حصہ ہضم ہونے سے رہ جاتا ہے وہ گوبر کی شکل میں خارج ہو جاتا ہے۔
خون اپنے اندر جذب شدہ غذائی أجزاء (ہضم شدہ کاربوہائیڈریٹس، فیٹس، پروٹین، ویٹامنز، معدینات وغیرہ) کو جسم کے ایک ایک خَلِیہ (سیل) تک پہنچاتا ہے۔
یہ غذا جسم کی توانائی اور نشو و نما کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ دودھ کے غدود میں جب دودھ بنتا ہے تو یہ غذائی اجزاء اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک لمبے بایوکیمیکل پروسس کے ذریعے ہوتا ہے۔
یہ دودھ اسی غذا سے بنتا ہے جس سے خون اور گوبر بنتا ہے۔ لیکن، یہ سب ایک احسن نظام کے ذریعے ہوتا ہے کہ دودھ میں خون یا گوبر کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ یہ کیسی عظیم فیکٹری ہے۔ سبحان اللہ۔
یہ مختلف نظام، باہم مربوط ہو کر جسم کے اندر کام کرتے ہیں، اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ کوئی ہے جس کی مشیت اس سارے عمل کے پیچھے کارفرما ہے۔
غذا ہضمی نظام کی ہضمی نالی (منہ، معدہ، چھوٹی آنت وغیرہ) میں ہضم ہوتی ہے۔ اس کا غذائی حصہ جسم میں جذب ہو جاتا ہے، جبکہ ناقابلِ ہضم حصہ فضلے کی شکل میں جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ ہضم شدہ غذا کے غذائی اجزا خون میں جاتے ہیں، اور مختلف بایوکیمیکل أفعال میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ میمری گلینڈز میں یہ دودھ کی تشکیل میں شامل ہوکر دودھ کے مخصوص اجزا کی تشکیل کرتے ہیں۔ الغرض، غذا کا ہضم ہونا، اس کا جذب ہونا، ناہضم شدہ مواد کا جسم سے خارج ہونا، خون کا بننا، دودھ کا بننا، جسم میں ان سب (اور مزید دوسرے بہت سے) أفعال کا ہونا اور اس طرح ہونا کہ یہ ایک دوسرے کی معاونت کرتے ہیں، ایک نظام دوسرے میں خلل نہیں ڈالتا، بلکہ سب ایک مربوط نظام کے طور پر کام کرتے ہیں۔ ان سب میں باشعور انسان کے لئے غور و فکر کا وسیع سامان موجود ہے۔

(فروٹ جوس) پھلوں کا رس
پھلوں کا رس یا جوس بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔

سکر کے کئی معنی بیان ہوئے ہیں: شراب (خمر)، پھلوں کا میٹھا رس،نبیذ، شکر، وغیرہ۔ پہلے معنی کے لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ ’’تم اس سے شراب بھی بناتے ہو اور کھانے کی اچھی چیزیں بھی۔‘‘ اس میں اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ امکان دونوں موجود ہیں۔ چاہو تو اس سے شراب حاصل کرو اور چاہو تو اس سے کھانے کی عمدہ چیزیں بناؤ۔
دوسرا معنی یہ ہے کہ تم کھجور اور انگور سے میٹھا رس اور عمدہ رزق حاصل ترے ہو۔

From the fruits of date palms and grapes you take sweet juice and wholesome provisions. There truly is a sign in this for people who use their reason. (Abdel Haleem)

کچھ تراجم میں حَسَناً کی صفت کو سکر اور رزق دونوں کے ساتھ جوڑا گیا ہے:

16:67 And from the fruit of the date-palm and the vine, ye get out wholesome drink and food: behold, in this also is a sign for those who are wise. (AY Ali)

بعض تراجم میں سکرکو شکر یا شوگر کے مفہوم میں لیا گیا ہے:

The fruit of palm trees and vines which provide you with sugar and delicious food also provide a lesson and evidence (of the Truth) for the people of understanding. (Muhammad Sarwar)

یہاں قرآن مجید ایک بار پھر عقل کو تحریک دے رہا ہے۔
حیواناتی جسم میں غذا کے ہضم ہونے کا عمل،
ناقابلِ ہضم حصہ کا ایک نظام کے تحت بدن سے اخراج،
ہضم شدہ غذا کا خون میں جذب ہونا،
جذب شدہ غذا کا جزوِ بدن بننا
اس سے خون کا بننا،
اور دودھ کے غدودوں کے ذریعے اس کا دودھ میں تبدیل ہونا۔
یہ سارے اعمال اپنے اندر غور و فکر کا وسیع سامان رکھتے ہیں۔ اسی طرح پودوں میں پھلوں کا بننا اور ان میں میٹھاس اور غذائیت کا پیدا ہونا انسان کو دعوتِ فکر دے رہا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں بھی انسان کے پینے کی چیز پیدا کی ہے یعنی دودھ اور پودوں میں بھی میٹھا رس پیدا کیا ہے۔ آگے ایک اور مشروب کا ذکر ہو رہا ہے یعنی شہد۔
....

آیات: 68، 69

....

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾
ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو یہ وحی کی ہے کہ تُو پہاڑوں، اور درختوں اور اُن چھپڑوں میں جو لوگ اُٹھاتے ہیں اپنے چھتے بنا، پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس، پس اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔
یوں ان مکھیوں کے شکموں سے ایک مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ طرح طرح کے ہوتے ہیں،

اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔
بے شک اس میں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں، قدرتِ الٰہی کی بڑی نشانی ہے۔

And [consider how] thy Sustainer has inspired the bee: "Prepare for thyself dwellings in mountains and in trees, and in what [men] may build [for thee by way of hives], (16:68)
and then eat of all manner of fruit, and follow humbly the paths ordained for thee by thy Sustainer." [And lo!] there issues from within these [bees] a fluid of many hues, wherein there is health for man. In all this, behold, there is a message indeed for people who think. (16:69)

شہد کی مکھی کو وحی کرنے کا کیا معنی ہے:
وحی کا یہاں معنی ہے فطرت اور جبلت میں ڈالنا۔ یہ وہ فطری تعلیم ہے جو خالقِ کائنات نے ہر جاندار میں ودیعت کی ہے۔ اس کو فطری اور جبلّی ہدایت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی کے تحت شہد کی مکھی اپنی زندگی گزارتی ہے۔ چھتے بنانا، چھتے بنانے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنا، ہر قسم کے پھولوں تک پہنچنا اور ان کا رس چوسنا، ایک نظام کے تحت اس کو شہد میں تبدیل کرنا اور جمع رکھنا۔ یہ سب ہدایتِ ربانی کے تحت ہوتا ہے۔
رب کی راہیں کیا ہیں
رب کی راہوں سے مراد وہ اصول اور ضابطے ہیں جن پر عمل کر کے شہد کی مکھی شہد تیار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے ان راستوں کو آسان اور ہموار بنا دیا ہے۔ اس کے لیے ان کے مطابق عمل کرنا آسان ہے اور وہ جبلی ہدایت کے تحت ان پر مسلسل طور پر عمل کرتی رہتی ہے۔

شہد کی مکھی کے شکم میں شہد بنتا ہے۔ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، یعنی یہ مختلف اقسام کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شہد میں مختلف بیماریوں کے لیے شفاء رکھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ غذا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس میں اہلِ فکر کے لیے قدرتِ الٰہی کی بڑی نشانی ہے۔ یہاں پھر قرآن غور و فکر کی صلاحیتوں کو جگانا چاہ رہا ہے۔

شہد کی مکھی ایک ''سماجی'' حیوان ہے۔ شہد کی مکھیاں آپس میں مل کر ایک آبادی(کالونی) کی شکل میں رہتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی کالونی میں اوسطاً 20,000 سے 80,000 مکھیاں ہو سکتی ہیں، اس کا انحصار مختلف عوامل پر ہے جیسے موسم، مکھیوں کی صحت اور قدرتی ماحول۔
ایک چھتے میں تین قسم کی مکھیاں ہوتی ہیں:
ملکہ مکھی،
نر مکھیاں یا ڈرونز جو کئی سو ہوتے ہیں، اور
کارکن (ورکر) مکھیاں جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتی ہیں۔

ملکہ مکھی آبادی کی سربراہ ہوتی ہے، اس کی جسامت مقابلتاً بڑی ہوتی ہے۔ سارے انڈے یہ مکھی دیتی ہے۔ یہ تقریباً پانچ سال زندہ رہتی ہے، اس عرصے میں یہ تقریباً دس لاکھ انڈے دیتی ہے۔ یہ

انڈے دو قسم کے ہوتے ہیں، بارورشدہ(فرٹیلائیزڈ) اور غیربارورشدہ۔ بارورشدہ انڈوں سے کارکن مکھیاں پیدا ہوتی ہیں جو مادہ ہوتی ہیں۔ جبکہ غیربارورشدہ انڈوں سے نر مکھیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملکہ مکھی سارے چھتے کی ماں ہوتی ہے۔ نر مکھیوں کا کام صرف ملکہ مکھی کو بارور (فرٹیلائز) کرنا ہے، اس کے علاوہ یہ چھتے میں کوئی خدمت انجام نہیں دیتیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ موسمِ سرما میں جب خوراک کی کمی ہو جاتی ہے تو انھیں چھتے سے باہر نکال دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی موجودگی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

کارکن مکھیاں مادہ ہوتی ہیں۔ ان کی جسامت ملکہ مکھی کے مقابلے میں چھوٹی ہوتی ہے۔ یہ انڈے نہیں دے سکتیں۔ کارکن مکھیاں پھولوں سے رس اور پولن گرینز جمع کرتی ہیں۔

شہد کی مکھیوں کی تقسیمِ کار:
کارکن مکھیاں چھتے کے کام آپس میں بانٹ لیتی ہیں۔ بہت سی مکھیاں پھولوں سے رس (نیکٹر) اور زیرہ دانے (پولن گرینز) جمع کر کے لاتی ہیں۔ مکھیاں رس کو "نیکٹر" کے طور پر جمع کرتی ہیں، لیکن اس کے بعد اس میں کیمیائی تبدیلیاں ہوتی ہیں جن کی مدد سے یہ رس شہد میں تبدیل ہوتا ہے۔
یہ تبدیلی مکھیاں معدے میں اس رس کے ساتھ مخصوص اینزائمز کو شامل کرکے کرتی ہیں، اور پھر موم کی تہوں میں اس شہد کو محفوظ کرتی ہیں۔
رس کو یہ مکھیاں دوسری مکھیوں کے حوالے کرتی ہیں۔ رس لانے والی مکھی اپنا منہ کھولتی ہے تو وصول کرنے والی مکھی اس میں سے اپنی زبان کی مدد سے رس چوس لیتی ہے۔ ان کے معدے میں رس میں کیمیائی تبدیلیاں ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں شہد بنتا ہے۔ شہد سے مکھیاں اپنی غذا حاصل کرتی ہیں۔
کچھ کارکن مکھیاں چھتّہ (ہنی کوم) بناتی ہیں۔ جس میں موم کی دیواروں پر مشتمل چھوٹے چھوٹے شش ضلعی (چھ اطراف والے) خانے ہوتے ہیں۔
کچھ کارکن مکھیاں بچوں (لاروا) کی پرورش کرتی ہیں۔ کچھ خالی خانوں کو صاف کرتی ہیں تاکہ ملکہ ان میں انڈے دے سکے۔ کچھ چھتے کے دروازے پر نگرانی کا کام کرتی ہیں۔
تجربات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کارکن مکھیاں مختلف کام اپنی عمر کے حساب سے سر انجام دیتی ہیں۔
کارکن مکھیوں کی عمر موسم کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔ گرمیوں میں جب ان کا کام زیادہ ہوتا ہے تو وہ صرف 4 سے 6 ہفتوں تک زندہ رہتی ہیں، جب کہ سردیوں میں ان کی عمر 4 سے 6 مہینے تک بھی ہو سکتی ہے۔
اس عرصے میں عمر کے مطابق اس کی ذمہ داری بدلتی رہتی ہے۔ سب سے پہلے وہ چھتے کے خانوں کی صفائی کا کام کرتی ہے۔ وہ یہ فرضہ کوئی تین دن تک سر انجام دیتی رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ نرس مکھی کا کردار ادا کرتی ہے اور لاروا کو شہد اور زیرہ دانے کھلاتی ہے۔ شروع میں وہ بڑی عمر کے لاروا کو کھلاتی ہے اور چھٹے تا بارویں دن کے دوران وہ چھوٹی عمر کے لاروا کو کھلاتی ہے اور ساتھ ہی ملکہ مکھی کو شاہی جیلی (رائل جیلی) کھلاتی ہے شاہی جیلی کارکن مکھیوں کے سر میں موجود مخصوص غدود میں بنتا ہے۔ اس خوراک کی وجہ سے ملکہ مکھی صحت مند رہتی ہے اوراس میں زندگی بھر انڈے دینے کی صلاحیت رہتی ہے۔ یہ جیلی دوسری مکھیاں بھی کھاتی ہیں۔

بارہویں دن سے کارکن مکھی موم کے خانے بنانے کا کام کرتی ہے۔ سولہویں دن سے یہ چھتے میں آنے والے زیر دانوں اور رس کو وصول کرنا شروع کرتی ہے۔ بیسویں دن سے یہ گارڈ کے طور پر

کام کرنا شروع کرتی ہے، جبکہ تیسرے ہفتے سے اپنی زندگی کے آخر تک یہ رس اور زیر دانے جمع کرنے کا کام کرنا شروع کرتی ہے۔
تاہم یہ شیڈول بہت زیادہ سخت نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ضرورت کے مطابق رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔
اس سارے نظام میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔ پس، انسان کے لئے لازم ہے کہ شکر گزاری کا طرزِ اختیار کرے۔

سورہ النحل سورہ 16

آیت: 78

وَ اللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا ۙ وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ۙ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾

اور، اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں پیدا فرمایا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، لیکن، اس نے تمہیں سننے، دیکھنے اور سوچنےکی صلاحیتوں سے نوازا،اس کی منشا یہ ہے کہ تم (اس کی نعمتوں کو پہچانواور) شکرگزاری کا طرزِ عمل اختیار کرو۔

And God has brought you forth from your mothers' wombs knowing nothing-but He has endowed you with hearing, and sight, and minds, so that you might have cause to be grateful. (16:78)

عقل و حواس کی نعمتیں
اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس اور ذہن کی نعمتوں سے نوازا ہے جن کے ذریعے وہ علم حاصل کرتا ہے۔ حواس میں سے یہاں دو حسوں کا ذکر کیا گیا ہے: سننے کی حس (جس کے لئے سمع کا لفظ آیا ہے) اور دیکھنے کی حس (جس کے لئے ابصار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے)۔ یہ بات ظاہر ہے کہ پانچوں حواس میں سب سے اہم یہی ہیں۔
تیسری چیز جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ اَفئدہ ہے جو کہ ''فوءاد'' کی جمع ہے۔ اس سے مراد انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے جسے ہم ذہن یا مائنڈ کہہ سکتے ہیں۔
انسانی حواس اور عقل کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ مجید نے سماعت، بصارت، اور سوچنے کی صلاحیت کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ سماعت کو پہلے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان رحمِ مادر میں ہی سننے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے، جبکہ دیکھنے کی صلاحیت کچھ وقت بعد نمودار ہوتی ہے۔ اور، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کے پروان چڑھنے مزید وقت لگتا ہے۔ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کے نظام کی خوبصورتی اور انسان کے تدریجی ارتقاء کی طرف اشارہ کرتی ہے۔
اَفئدہ کا ذکر اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ محض حواس کا ہونا کافی نہیں بلکہ ان کا استعمال اور صحیح سمت میں رہنمائی کے لیے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت (ذہن) بھی ضروری ہے۔

حواس کا ذکر کرتے ہوئے پہلے ''سمع'' کان کا لفظ آیا ہے اور پھر ''ابصار'' (آنکھوں) کا۔ ہم جانتے ہیں کہ بچے کی سماعت رحمِ مادر ہی میں کام شروع کر دیتی ہے۔ پیدائش کے بعد بھی اس میں پہلے سننے کا عمل ہی ہوتا ہے، جبکہ دیکھنے کے عمل کے آغاز کے لیے اُسے کچھ وقت لگتا ہے۔
کیونکہ کان تو کھلے ہوتے ہیں، ان پر کوئی پردہ نہیں ہوتا، مگر آنکھیں شروع میں بند ہوتی ہیں اور انہیں کھلنے میں کچھ وقت لگتا ہی ہے۔ رحم مادر میں تاریکی ہوتی ہے، پیدائش کے بعد فوری طور پر بچے کی آنکھیں روشنی کی شعاعیں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں، انہیں کچھ وقت لگتا ہے۔

نعمتوں کی قدردانی اور شکر گزاری
اللہ تعالیٰ جو کہ ہمارا خالق ہے ہم سے اس کی منشاء یہ کہ ہم اس کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر کریں اور اس کے شکر گزار بندے بنیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں اور صلاحیتوں کا درست استعمال کریں اور یوں اپنے ہر ہر عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس سے ہمارے اندر مثبت نفسیات اور رجحان پروان چڑھتا ہے، اور روحانی تکامل (پرفیکشن) حاصل ہوتا ہے۔
....

آیت 79 سورہ 16

....
اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾
.....
کیا اُن لوگوں نے (جو حق کا انکار کر رہے ہیں) فضائے آسمانی میں (اللہ کے تکوینی) قانون کے پابند پرندوں کی طرف (بہ نظرِ غائر) نہیں دیکھا؟ کوئی چیز انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے سوائے اللہ (کےتکوینی قانون) کے۔ بے شک اس میں (اللہ کی ہستی اور قدرت کی) نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانا چاہیں۔

Have, then, they [who deny the truth] never considered the birds, enabled [by God, through His law of nature] to fly in mid-air, with none but God holding them aloft? In this, behold, there are messages indeed for people who wish to believe. (16:79)

پرندوں کا ہوا میں اڑنا
پرندوں کی مخصوص شکل ہوتی ہے جو اڑنے کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے،
ان کے پھیلے ہوئے اور پردار بازو (ونگز) ہوتے ہیں جنہیں وہ پھیلا بھی سکتے ہیں اور سمیٹ بھی۔
ان کا جسم نسبتاً ہلکا ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی ہڈیوں میں خلا ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ انڈے دینے والے حیوانات ہیں اور ان کے بچوں کی پرورش ان کے جسموں سے باہر ہوتی ہے۔ اگر جسموں کے اندر ہوتی تو مادہ پرندوں کا وزن بڑھ جاتا، انہیں اُڑنے میں دشواری ہوتی۔
علاوہ ازیں فضائے آسمانی (یعنی کرہِ ہوائی) میں ہوا موجود ہوتی ہے جو پرندوں کے اڑنے کے لئے واسطہ فراہم کرتی ہے۔
یہ سب عوامل مل کر یہ ممکن بناتے ہیں کہ پرندے کشش ثقل کے باوجود ہوا میں اُڑ سکیں۔
انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ پرندوں کی پرواز کی سائنس کو سیکھے اور اسے عملی طور پر بروئے کار لائے۔ چنانچہ انسان نے ہوائی جہاز بنائے جن کے ذریعے وہ دور دراز کے سفر نہایت

تیزی سے طے کر لیتا ہے۔

قدرت کی یہ نشانیاں اپنے اندر باشعور انسان کے لئے سوچنے سمجھنے کا وسیع سامان رکھتی ہیں۔ وہ انسن جو حق کو کی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، جس کا ذہن کھلا ہے، جو حقائق کو بے لاگ طور پر دیکھ سکتا ہے۔ سو، انسان کو توجہ کیا جا رہا ہے کہ پرندوں کا ہوا میں اُڑنا اللہ کی قدرت کی کھلی نشانیاں رکھتا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانا چاہیں۔ اور، وہ جو پہلے ہی ایمان کے نور سے منور ہیں، یہ نشانیاں ان کی ایمانی کیفیات کو اور بلندی دیتی ہیں۔

یہ آیت بھی ان آیات میں سے ایک ہے جو انسان کو کائنات اور کائنات کے مظاہر پر غور و فکر کی تحریک دیتی ہے۔ مشاہدہ، مطالعہ، تفکر و تدبر، علم، ایجاد، دریافت اور تخلیق اور پھر ایمان کی زندگی کہ انسان اپنے مقصدِ تخلیق تک پہنچ سکے۔ یہ قرآن کی دعوت ہے۔

....

سورہ النحل (سورہ 16)
آیات: 80، 81

....
وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُیُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَہَا یَوۡمَ ظَعۡنِکُمۡ وَ یَوۡمَ اِقَامَتِکُمۡ ۙ وَ مِنۡ اَصۡوَافِہَا وَ اَوۡبَارِہَا وَ اَشۡعَارِہَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۸۰﴾
وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَکۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمُ الۡحَرَّ وَ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمۡ بَاۡسَکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾
....
اور اللہ ہی نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا ہے اور تمہارے لیے چوپایوں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنی روانگی اور قیام کے موقع پر (اٹھانے میں) ہلکا پھلکا پاتے ہو، ان کے اون، ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے بھی تمہارے لیے گھریلو سامان اور ایک وقت تک برتنے کی چیزیں بنائیں۔
اور، اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سائے بنائے، اور تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس بنائے جو تمہاری جنگ میں تمہیں محفوظ رکھتے ہیں۔ اس طرح، اس نے تم پر اپنی نعمت کا اِتمام کیا، اس کی تم سے منشاء یہ ہے کہ تم (اس کے حکم کے سامنے) سرِ تسلیم خم کرو۔

And God has given you [the ability to build] your houses as places of rest, and has endowed you with [the skill to make] dwellings out of the skins of animals - easy for you to handle when you travel and when you camp - and [to make] furnishings and goods for temporary use of their [rough] wool and their soft, furry wool and their hair. (16:80)
And, among the many objects of His creation, God has appointed for you [various] means of protection: thus, He has given you in the mountains places of shelter, and has endowed you with [the ability to make] garments to protect you from heat [and cold], as well as such garments as might

protect you from your [mutual] violence. In this way does He bestow the full measure of His blessings on you, so that you might surrender yourselves unto Him.(16:81)

انسان کی تخلیقی صلاحیتیں اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اور کائنات کو ایسا بنایا ہے کہ وہ انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کے سامنے مطیع اور مسخر ہے اور ان کے ساتھ پوری سازگاری رکھتی ہے۔ لہٰذا انسان اپنی ان صلاحیتوں کو کام میں لا کر طرح طرح کی چیزیں بناتا ہے۔ اس سے انسان کا تخلیقی کردار سامنے آتا ہے۔ وہ ایجاد اور دریافت کی نئی منزلوں تک پہنچتا ہے۔ کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے مگر چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطار کردہ صلاحیتوں کا بروئے کار لاکر ہوتا ہے اس لئے اللہ اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں ہر مثبت سرگرمی اللہ ہی کا فعل قرار پاتی ہے اگرچہ وہ انسان کے ہاتھوں انجام پاتی ہے۔ دوسرے لفظوں ہیں کائنات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کارفرمائی کے انگنت طریقے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ انسان کے ہاتھوں عمل میں آتا ہے۔
چنانچہ، انسان راحت و آرام اور تحفظ کے لیے پتھر اور مٹّی سے مکانات بناتا ہے۔
چوپایوں کی کھالوں اور بالوں سے خیمے بناتا ہے۔ بھیڑ، بکری اور اونٹ وغیرہ کی اون اور بالوں سے گھریلو سامان اور برتنے کی چیزیں بناتا ہےوغیرہ۔

صوف: بھیڑ کی اون، اوبار: اونٹ کے بال، اشعار: بکری کے بال

اللہ تعالیٰ نے ٹھوس اور غیر شفاف چیزیں بنائی ہیں جو سایہ اور تحفظ کے حصول کے لیے استعمال کی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ، انسان اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی تخلیقی صلاحیتوں کو کام میں لا کر پہاڑوں میں بھی پناہ گاہیں بناتا ہے۔

لباس بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ عام لباس انسان کو گرمی، سردی اور دوسرے موسمی اور ماحولیاتی اثرات سے بچاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان نے ایسے لباس بھی بنائے ہیں جو اُسے جنگ میں تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ ان میں زرہیں، بلٹ پروف لباس، اور حفاظت کے دوسرے تمام ذرائع شامل ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل (سورہ نمبر 17)

آیت 12

وَ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ اٰیَتَیۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَ جَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ مُبۡصِرَۃً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا ﴿۱۲﴾

اور ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا۔ پس رات کی (شکل میں موجود) نشانی کو مدھم بنایا اور دن کی (شکل میں موجود) نشانی کو روشن بنایا، تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو، اور تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان سکو۔ اور، ہر چیز کی ہم نے پوری تفصیل سے وضاحت کر دی ہے۔

And We have established the night and the day as two symbols; and thereupon We have effaced the symbol of night and set up [in its place] the light giving symbol of day, so that you might seek to obtain your Sustainer's bounty and be aware of the passing years and of the reckoning [that is bound to come]. For clearly, most clearly, have We spelt out everything. (17:12)

...

رات اور دن کا ہونا اور ان کا باری باری تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا جانا، اللہ تعالیٰ کے وجود و ہستی اور قدرت کی نشانی اور دلیل ہے۔ جب انسان رات اور دن کے اس نظام پر غور و فکر کرتا ہے تو جتنا گہرائی میں جا کر وہ سوچتا ہے، اتنا ہی زیادہ بہتر طریقے سے وہ اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ کوئی ہے جو اس کائنات کا خالق ہے۔

رات اور دن کا نظام کائنات کے مظاہر میں سے ہے۔ کائنات میں بے شمار مظاہر ہیں، اور ہر مظہر اللہ کی قدرت اور ہستی کی دلیل ہے۔

رات اندھیری بنائی اور دن روشن بنایا۔ یعنی رات ایسی بنائی کہ اس میں انسان آرام کر سکتا ہے اور اپنی کھوئی ہوئی توانائی کو بحال کرکے ترو تازہ ہو سکتا ہے، اور دن ایسا بنایا کہ اس میں انسان غذا اور فائدے کی دیگر اشیاء کے حصول کی جدوجہد کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اندھیرے کو سکون سے اور روشنی کو حرکت و عمل سے خصوصی نسبت دی اور ایک نظام کے تحت تسلسل کے ساتھ ان کا آنا جانا مقرر کیا۔

یہاں رات اور دن کے دو اہم فائدوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے تاکہ وہ ان پر غور کرے اور اس میں شکرگزاری کا احساس پیدا ہو۔

۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کی طلب و جستجو اور جدوجہد، یعنی خود کو مفید سرگرمیوں میں لگانا۔

۔ رات اور دن کے آنے جانے سے برسوں کی گنتی اور اوقات کا حساب معلوم کرنا۔

ان دونوں چیزوں کا آپس میں گہرا تعلق بھی ہے۔ اگر انسان وقت کی تبدیلی کو محسوس نہ کر سکتا اور اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ اور آلہ نہ ہوتا جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے تو زمین پر انسان کا بطور ایک متمدن و مہذب انسان زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔ یہ بات اتنی اہم اور انسانی تہذیب کا اتنا لازمی حصہ ہے کہ دورِ جدید میں قریب قریب ہر بالغ آدمی کی کلائی پر گھڑی بندھی ہوتی ہے اور ہر دفتر اور ہر گھر میں دیواری گھڑی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ملکوں میں معیاری اوقات کا ایک نظام مقرر ہے۔ اب دنیا نے ایک عالمی معیاری وقت بھی مقرر کر لیا ہے جسے گرینچ ٹائم کہتے ہیں۔

رات اور دن بدلتے ہیں، اس سے انسان دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا شمار کرتا ہے۔ پھر یہ کہ پوری رات ایک جیسی ہوتی ہے اور نہ پورا دن ایک جیسا ہوتا ہے۔ ان میں اوقات کی تبدیلی محسوس کی جا سکتی ہے اور بالخصوص دن جس میں انسان کام کرتا ہے، اس تبدیلی کا مشاہدہ واضح طور پر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انسان نے مثال کے طور پر دن کے اوقات جیسے سحر، فجر، چاشت، دوپہر، ظہر، عصر، مغرب اور عشائیہ وغیرہ میں امتیاز کیا ہے۔ بہر حال دن اور رات میں اوقات کے محسوس طور پر بدلنے سے انسان وقت کا حساب کر سکتا ہے اور یوں اپنی زندگی ایک قاعدے کے مطابق گزار سکتا ہے۔

....

آیت 36

....

وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾

اور (اے انسان !) اس چیز کی پیروی نہ کر جس کا تجھے علم نہیں، بیشک کان، آنکھ اور دل، ان سب کے متعلق (تجھ سے) پوچھا جائے گا۔

And (O man) do not follow that of which you have no knowledge. Indeed, the hearing, the sight, and the heart — about all of these you will be questioned. (17:36)

.....

اپنے عمل یعنی قول و فعل کی بنیاد گمان پر نہیں بلکہ یقین پر رکھو، جس کے لئے علم کی ضرورت ہو گی، جو حواس و عقل کے ذریعے حاصل ہو گا، لہٰذا، ضروری ہے کہ انہیں استعمال کرو، اور زیرِ بحث معاملہ پر کوئی موءقف اختیار کرنے سے پہلے اس کے متعلق ضروری علم حاصل کرو اور یوں علم پر اپنے عمل کی بنیاد رکھو، نہ کہ گمان، ظن وتخمین اور سنی سنائی بات پر۔ یاد رکھو، تمہیں اپنے تمام أفعال کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہونا ہے۔ مشاہدہ اور غور و فکر کی صلاحیتوں کا استعمال کہاں، کب اور کتنا کیا ہے، اور کب کیا بات کہنی ہے۔

اس میں خاص طور پر جھوٹی گواہی اور جھوٹے الزامات کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق زندگی کے تقریباً ہر معاملے سے ہے۔ ایک انصاف پر مبنی معاشرہ اس کے بغیر ممکن نہیں۔

آیت کی ابتدا اس بات کی ممانعت سے ہوتی ہے کہ بغیر تصدیق شدہ علم کے کسی بات کی پیروی کی جائے یا کسی بات کا دعویٰ کیا جائے۔ یہ آیت جھوٹی گواہی، بے جا الزامات، اور بے بنیاد قیاس آرائیوں کے خطرات سے خبردار کرتی ہے۔ ایسی باتوں کو پھیلانے سے نہ صرف انصاف کا نظام متاثر ہوتا ہے بلکہ معاشرتی تعلقات اور باہمی اعتماد کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

یہ آیت زندگی کو خلوص، خود احتسابی، اور انصاف کے عزم کے ساتھ گزارنے کی یاد دہانی کراتی ہے۔ انسان اپنے تمام اعمال کے لئےاللہ کے حضور جوابدہ ہے۔

آیت 44

..

تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡہِنَّ ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾

-

ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کی سمجھ نہیں رکھتے - بے شک وہ (اللہ) بڑا ہی حلم والا اور بخشنے والا ہے۔

The seven heavens extol His limitless glory, and the earth, and all that they contain; and there is not a single thing but extols His limitless glory and praise: but you [O men] fail to grasp the manner of their glorifying Him! Verily, He is forbearing, much-forgiving. (17:44)

--

ساتوں آسمان اور زمین کا معنی

عربی لفظ سبع لغوی اعتبار سے سات کو کہتے ہیں لیکن اس کے علاوہ یہ کثرت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی یہ ایک عددِ تکثیری ہے (وہ عدد جو کثرت کے معنوں بھی استعمال ہوتا ہو، سات، ستر اور بعض دوسرے عدد اس زمرے میں آتے ہیں۔) اسی طرح سماء کے بھی کئی معنے ہیں، اس میں بلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے (چاہے وہ حقیقی ہو یا معنوی)۔ اس کی تفصیل راقم نے کئی مقامات اور مقالوں میں کی ہے۔ مثال کے طور پر زمین کے اوپر کی فضا (جس میں مثال کے طور پر پرندے اڑتے ہیں)، بادل، اجرامِ سماوی، وسیع کائناتی خلا (کاسمک اسپیس)، اور روحانی عالمِ بالا، وغیرہ۔

قرآنی الفاظ ساتوں آسمان اور زمین کا معنی کیا ہے، ممکنہ طور پر اس کا معنی ہے تمام کائنات (یونیورس)۔

کائنات میں جدید اندازوں کے مطابق تقریباً دو ہزار ارب کہکشائیں ہیں، اور ہر کہکشاں میں اربوں ستارے، سیارے اور دوسرے سماوی اجرام ہیں۔ ہماری کہکشاں (مِلکی وے) میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً دو سو ارب ستارے ہیں۔ ہمارا سورج ایک درمیانے سائز کا ستارہ ہے۔

ممکن ہے کہ "ساتوں آسمان اور زمین" سے طبیعی کائنات مراد ہو، جبکہ "جو ان میں ہیں" سے تمام ذی حیات مخلوق مراد ہو سکتی ہے۔

کائنات کی تسبیح

کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے لیکن انسان کے لئے یہ ممکن نہیں (یا ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا) کہ وہ اس حمد اور تسبیح کو سمجھ سکے۔

کائنات کی تمام اشیاء قوانینِ فطرت کی فرمانبردار ہیں، وہ ان قوانین کی پابند ہیں جو ان کے لئے اللہ نے رکھے ہیں۔ ہر شے کی تسبیح اس شے کے حسبِ حال ہے۔ یعنی ہر شے پوری پابندی کے ساتھ اپنے اس فطری کردار کو ادا کر رہی ہے جو اس کے لئے خالقِ کائنات نے رکھا ہے۔ تمام اشیا اپنے فرائض و وظائف کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔

تسبیح: اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ تحمید: حمد کرنا، اس بات کا اعلان کہ اللہ تعالیٰ ہر صفتِ کمال سے متصف ہے۔

حمد و تسبیح کے دو طریقے ہیں۔ زبانِ قال اور زبانِ حال، زبانِ قال یہ ہے کہ لفظوں، جملوں اور عبارت کے ذریعے سے بول کر یا لکھ کر حمد و تسبیح بیان کی جائے۔ زبانِ حال یہ ہے کہ اپنی حالت اور کیفیت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اور قانون کی اتباع کی جائے۔
زبانِ حال سے حمد و تسبیح تو واضح طور پر پوری کائنات اور اس کی ہر چیز کا وظیفہ ہے، جس پر وہ مسلسل طور پر ایک لمحے کے توقف کے بغیر بلا انقطاع کار بند ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہے، اس کی مرضی اور منشاء کی تکمیل میں مسلسل طور پر لگی ہوئی ہے۔
اس کے ساتھ ہی باشعور مخلوق سے یہ مطلوب ہے کہ وہ زبانِ قال (لفظ، عبارت، آواز) کے ذریعے اور شعوری طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کریں۔ اس کے علاوہ، انسان سے عملی تسبیح بھی مطلوب ہے یعنی اللہ کے احکامات کی پیروی کرنا، اور اپنی زندگی اس کی منشاء کے مطابق گزارنا۔
اگر ہم حمد و تسبیح کو وسیع تر معنوں میں لیں توکائنات کی ہر چیز، ہر ذرہ (ہر ایٹم، ہر الیکٹران اور باریک سے باریک ہر ذرہ) اپنے حسبِ حال طور پر اپنے أفعال کی سرانجام دہی کے ذریعے اپنے خالق کی حمد و تسبیح کر رہا ہے۔
مجازی زبان میں اس بات کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر "ذرہ" (یعنی باریک سے باریک چیز) میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانتا ہے، اُس سے "ہم کلام" ہوتا ہے، اُس کے سامنے عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے،اور اُس کے آگے سجدہ کرتا ہے، وغیرہ۔
....

آیت: 66

رَبُّكُمُ الَّذِىۡ يُزۡجِىۡ لَـكُمُ الۡـفُلۡكَ فِى الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ﴿۶۶﴾

تمہارا رب وہی ہے جو تمہارے لئے (اپنے قانونِ قدرت کے ذریعے) سمندر میں کشتیوں کا چلنا ممکن بناتا ہے، جس کے نتیجے میں تم (بحری سفر کے ذریعے بھی) اُس کے فضل کی طلب و جستو کر سکتے ہو۔ بے شک وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے۔

Your Sustainer is He who causes ships to move onward for you through the sea, so that you might go about in quest of some of His bounty: verily, a dispenser of grace is He unto you. (17:66)

بحری سفر کی صلاحیت بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔
بحر کا لفظ سمندر اور دریا دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ فُلک میں کشتیاں اور دوسرے بحری ذرائعِ حمل و نقل سب شامل ہیں۔

اللہ ہی ہے جس نے یہ نظام قائم کیا ہے کہ کشتیاں اور جہاز پانی کی سطح پر تیر سکتے ہیں۔
یہ اسی کا قائم کردہ نظام ہے کہ انسان کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ سمندر اور دریا وغیرہ کو نقل و حمل کے اہم ذرائع کے طور پر استعمال کرتا ہے۔
پانی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ واسطہ کے طور پر کام کر سکتا ہے۔ وہ ایک مائع اور سیال ہے، اس میں بہنے کی صلاحیت ہے۔ بہت سی چیزوں سے بھاری ہے۔ پھر یہ کہ انسان چیزوں کو ایسی شکلوں

میں ڈھال سکتا ہے جن کی کثافت پانی کے مقابلے میں کم ہوتی ہے اور وہ پانی پر تیر سکتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان پر بھاری بوجھ لادا جا سکتا ہے۔
مزید برآں، کشتی اور جہاز کو حرکت دینے والی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے زمانے میں یہ کام یا تو ہوا سے لیا جاتا تھا یا بادبانی کشتیوں یا ملاح یہ کام چپوؤں کی مدد سے کرتے تھے۔ جدید دور میں یہ کام بھاپ اور بجلی کے ذریعے چلنے والے انجنوں سے لیا جاتا ہے۔
وقت کی پہچان کے لئے ستاروں (بشمول سورج، دن کے وقت) سے مدد لی جا سکتی ہے۔ جدید دور میں یہ کام قطب نما اور دوسرے آلات سے لیا جاتا ہے۔
یہ سارے عوامل اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں جو سب مل کر یہ ممکن کرتے ہیں کہ انسان سمندروں اور دریاوں کو حمل و نقل اور آمد و رفت کے ذرائع کے طور پر استعمال کرے۔ جدید دور میں اس میدان میں ترقی کی صورتحال یہاں تک جا پہنچی ہے کہ نہایت عظیم الجثہ جہاز اور بحری بیڑے اور آبدوزیں سمندروں میں چلتی ہیں۔ بعض جہاز اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان پر پورے پورے شہر آباد ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر ہوائی جہازوں کے اُڑنے اور اُترنے کا انتظام بھی ہوتا ہے۔
آیت کے اگلے حصے میں بحری سفر کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ اس کے ذریعے انسان دور دراز کے سفر کرتا ہے۔ بلکہ اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ خود سمندروں میں اللہ کا فضل تلاش کیا جائے۔ اس میں غذا اور دیگر فائدہ مند اشیاء کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالہ ءِ جَرَسِ کارواں رہے
(الطاف حسین حالی)
پھر یوں ہوا کہ چھن گئی ہم سے رہِ حیات
دنیا کہا پہنچ گئی ہم بھٹکے رہ گئے

آیت: 70
....
وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ﴿۷۰﴾
....
اور، بے شک ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت بخشی ہے، اور انہیں خشکی اور تری میں سفر کی صلاحیت دی، اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا، اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر نمایاں فضیلت دی۔

Now, indeed, We have conferred dignity on the children of Adam, and borne them over land and sea, and provided for them sustenance out of the good things of life, and favoured them far above most of Our creation.(17:70)

اس آیتِ کریمہ میں انسان کے بلند مقام کا ذکر ہے جو اسے فطری طور پر اللہ کے عطا کیا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور ارادہ اور اختیار کی قوت عطا کی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو اسے اللہ کی مخلوق میں اہم مقام بخشتی ہے۔
سورہ التین میں انسان کے اس امتیازی مقام کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:
اللہ کا ارشاد ہے:
ہم نے انسان کو احسن تقویم میں تخلیق کیا ہے۔

خشکی اور تری میں سفر کی صلاحیت
اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیقی صلاحیت دی اور خشکی اور تری کو اُس کی اس صلاحیت کے سامنے مسخر کیا۔ لہٰذا، انسان نے خشکی اور تری میں سفر کے لیے ذرائع حمل و نقل ایجاد کئے، جن میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔ بحر و بر دونوں انسان کے لئے مسخر ہیں، اُس کے خدمت گزار ہیں، اس کی خداداد تخلیقی صلاحیتوں کے سامنے مطیع ہیں۔ انسان کے پاس عقل، ارادہ اور اختیار کی قوت ہے۔ زمین پر جو دیگر جاندار ہیں ان کا تسلط محدود ہے جبکہ انسان کا غلبہ تمام مخلوق پر ہے۔ اس کی حکومت پورے کرہ زمین پر ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان اللہ کی معرفت کے نہایت بلند مقام پر پہنچ سکتا ہے۔

اللہ کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں، وہ بے حد و بے شمار ہیں۔
سورہ کہف (سورہ نمبر 18)

آیت: 109

....
قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾
....
(اے رسولِ اکرم) کہہ دیں، اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے گا اگرچہ ہم اس کے ساتھ اُسی کی مانند اور سمندر ملا دیں(تب بھی میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے)۔

SAY: "If all the sea were ink for my Sustainer's words, the sea would indeed be exhausted ere my Sustainer's words are exhausted! And [thus it would be] if we were to add to it sea upon sea." (18:109)

کَلِمات کَلِمہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے ’’وہ لفظ جو کسی معنی پر دلالت کرتا ہو‘‘، یعنی جس کے ذریعے سے کوئی بات کہی جائے۔ اس بنیاد پر بعض اوقات کلمہ کا لفظ زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے ’’وہ چیز جو کسی حقیقت کو بیان کر سکے‘‘۔ کیونکہ کائنات کی گوناگوں مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود اور اس کے علم و قدرت کی گواہی دیتی ہے، لہٰذا ہر شے کو اس معنی میں کلمہ سے تعبیر کیا جائے گا۔

زیرِ نظر آیت میں کلمات کا لفظ موجوداتِ کائنات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ جن میں سے ہر ایک خالقِ کائنات کی لامحدود صفات کا مظہر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ ہزاروں سمندروں کی روشنائی (اِنک) بھی اس کے موجودات کے ناموں اور صفات کے لکھنے کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ اللہ کے لشکروں کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر بے شمار سمندروں کی روشنائی استعمال کی جائے تب بھی ممکن نہیں کہ جو کچھ اللہ کے علم میں ہے وہ رقم کیا جا سکے۔

اسی طرح کا مضمون سورہ31 آیت 27 میں بھی آیا ہے۔ اس کی تشریح یہاں پیش کی جاتی ہے:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۶﴾
وَ لَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّ الۡبَحۡرُ یَمُدُّهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۲۷﴾۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے، بیشک اللہ ہی وہ ذات ہے جو سب سے بے نیاز اور از خود لائقِ حمد ہے۔
اور زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ قلم بن جائیں اور سمندر، مزید سات سمندروں کے ساتھ، روشنائی بن جائے، تب بھی اللہ کی باتیں قلم بند نہیں ہو سکتیں۔ بے شک اللہ غالب اور حکیم ہے۔

Unto God belongs all that is in the heavens and on earth. Verily, God alone is self-sufficient, the One to whom all praise is due. (31:26)
And if all the trees on earth were pens, and the sea [were ink] , with seven [more] seas yet added to it, the words of God would not be exhausted: for, verily, God is almighty, wise. (31:27)

اللہ تعالیٰ لامحدود علم کا مالک ہے۔ اس کے علم کا احاطہ ناممکنات میں سے ہے۔ ایک درخت سے بلا مبالغہ بڑی تعداد میں قلم بنائے جا سکتے ہیں۔ دنیا کے سارے درختوں سے ممکنہ طور پر جو قلم بنائے جا سکتے ہیں، ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ پھر یہ کہ ایک قلم کوئی لفظ یا صفحہ یا کتاب لکھ کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی استعداد نہایت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ لکھنے میں جو چیز خرچ ہوتی ہے وہ روشنائی ہے نہ کہ قلم۔ قلم کو تراشنے کی ضرورت یقیناً پڑتی ہے لیکن ایک تراشے ہوئے قلم کی لکھنے کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔ اگر ان تمام قلموں سے ممکنہ حد تک تیز ترین لکھنے کا کام شروع ہو جائے اور اس مقصد کے لیے دنیا کے تمام سمندر روشنائی بن جائیں اور ان کے ساتھ بے شمار اور سمندر بھی شامل کر لیے جائیں، تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھنا ممکن نہیں۔
اس طرف بھی توجہ رہے کہ یہاں سبعہ (سات) کا لفظ کثرت کے معنوں پر دلالت کرتا ہے یعنی اگر بے شمار سمندر بھی روشنائی بن جائیں، تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات سپردِ قلم نہیں کیے جا سکتے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامتناہی ہے۔ سات تو کیا سات ارب سمندر بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

……………

سورہ طٰہٰ (سورہ نمبر 20)

آیت: 50

....

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی ﴿۵۰﴾

....

(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: ’’ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی (مخصوص) خِلقت عطا فرمائی پھر اُس کی رہنمائی کی (اس کے تقاضوں کے مطابق)‘‘۔

He replied: "Our Sustainer is He who gives unto every thing [that exists] its true nature and form, and thereupon guides it [towards its fulfilment]. (20:50)

خِلقت، ساخت، بناوٹ، ترکیب و نظیم، وغیرہ۔

ہر چیز کی مخصوص فطرت اور رہنمائی

اس آیت میں تخلیق کے ایک بنیادی ضابطے، اصول اور فارمولے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

کسی وجود کے لئے دو بنیادی چیزوں کی ضرورت ہے: خلقت (فطرت، ساخت، بناوٹ، شکل و صورت)، اور ہدایت۔

ہر چیز کا ایک مقصدِ تخلیق ہے۔ یعنی اللہ نے ہر چیز کو ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ اب ضروری ہے کہ ہر چیز کی خِلقت ایسی ہو جو اُس کے مقصدِ تخلیق کے ساتھ مکمل ہم آہنگی رکھتی ہو۔ اور، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر چیز کی اُس کی راہِ حیات پر رہنمائی کی جائے۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ نے ہر چیز کی یہ دونوں ضرورتیں پوری کی ہیں۔ ہر چیز کو اُس کے مقصدِ تخلیق کے مطابق خلقت دی گئی ہے اور ہر چیز کی رہنمائی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

رہنمائی تین قسم کی ہوتی ہے: فطری رہنمائی جو ہر چیز کی فطرت اور خِلقت میں ودیعت ہے، شعوری رہنمائی جس کو باشعور مخلوق اپنے عقل و شعور سے اخذ کرتی ہے، اور وحی کے ذریعے عطا کردہ رہنمائی جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے پہنچائی گئی ہے۔

غالباً، یہاں بطورِ خاص اشارہ فطری رہنمائی کی طرف ہے۔ یہی وہ ہمہ گیر رہنمائی ہے جو ہر چیز کو حاصل ہے اور جو حیوانات کو بھی جینے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔

خِلقت اور رہنمائی کی ضرورت اور ان کے باہمی ربط کو ایک مثال سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر مچھلی کو ایسی ساخت اور بناوٹ دی گئی ہے جو اُسے پانی میں تیرنے کے قابل بناتی ہے، اور ساتھ ہی اُسے یہ بھی جبلی اور فطری طور پر ’’سکھایا‘‘ گیا ہے کہ اس نے اپنے تیرنے کے اعضا کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔

شہد کی مکھی کے حوالے سے یہ نکتہ سورہ النحل میں سمجھایا گیا ہے۔ پرندوں کی مثال بھی قرآنِ حکیم میں کئے بار بیان کی گئی ہے۔

خِلقت اور ہدایت کے باہمی تعلق کا نکتہ بہت گہرا ہے۔ جتنا ہم سوچتے جاتے ہیں اس کی اہمیت اور حکمتیں وضح تر ہوتی جاتی ہیں۔

……

آیات: 53- 54

...
الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَہۡدًا وَّ سَلَکَ لَکُمۡ فِیۡہَا سُبُلًا وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾
کُلُوۡا وَ ارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ﴿۵۴﴾
مِنۡہَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡہَا نُعِیۡدُکُمۡ وَ مِنۡہَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی ﴿۵۵﴾

(اللہ) وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے (سفر کرنے کے) لئے راستے بنائے اور بادل سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے (زمین میں) انواع و اقسام کے نباتات پیدا کئے ۔

تم خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کوبھی چراؤ، بیشک اس میں اہلِ دانش کے لئے نشانیاں ہیں

اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

He it is who has made the earth a cradle for you, and has traced out for you ways [of livelihood] thereon, and [who] sends down waters from the sky: and by this means We bring forth various kinds of plants. (20:53)
Eat, [then, of this produce of the soil,] and pasture your cattle [thereon]. In all this, behold, there are messages indeed for those who are endowed with reason, (20:54)
out of this [earth] have We created you, and into it shall We return you, and out of it shall We bring you forth once again.(20:55)

مہد کا معنی

اصل میں ’’مہد‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بنیادی طور پر یہ اُس جگہ کو کہتے ہیں جس میں بچہ کو سلایا جاتا ہے یعنی گہوارا، پنگھوڑا، اسی سے اس کا معنی ہوتا ہے: آرام و آسائش کی جگہ۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کو انسانی ضرورتوں اور انسانی فطرت اور طب کے عین مطابق بنایا، جہاں انسان سکون کے ساتھ زندگی کے مقصد کے حصول کی جدوجہد کر سکتا ہے۔

اہلِ عقل و فکر

شَتّٰی شَیْت کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے مختلف اور متفرق، خصوصیات میں ایک دوسرے سے مختلف۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اقسام کے نباتات پیدا فرمائے ہیں، بہت سے وہ ہیں جن سے براہِ راست انسان اپنی غذا اور دوسرے فائدے حاصل کرتا ہے اور بہت سے وہ ہیں جنہیں جانور چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اُولِی النُّہٰی یعنی اہلِ عقل و دانش۔ قرآن مجید وہ کتاب ہے جو عقل و دانش کو بیدار کرتی، جھنجھوڑتی اور اُسے کام میں لانے کی تحریک و ترغیب دیتی ہے۔ یہ قرآن کے امتیازی اوصاف میں سے ہے۔
بڑے افسوس کی بات ہو گی کہ وہ جو قرآن کی دعوت کا وارث و امین ہے اگر وہی سوچنا سمجھنا

اور عقل و دانش کو کام میں لانا چھوڑ دے۔ قرآن بار بار اس غلط تصور کا رد کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مذہب اور عقل کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔
ان آیات میں چار اہم نعمتوں کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے:
الف: زمین کا گہوارہ جس میں انسان سکون کے ساتھ اپنے مقصدِ حیات کی جدو جہد کر سکتا ہے۔
ب: تازہ پانی جس کا منبع بارش ہے۔ زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔
پ: راستے جو انسان کو اس کی زندگی کی منزل تک پہنچاتے ہیں۔ اس میں زندگی کے تمام وسائل و ذرائع شامل ہیں۔
ت: طرح طرح کی نباتات جو انسان کی غذا کا بھی بنیادی ذریعہ ہیں اور انہیں جانور بھی چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

آخر میں انسان کو کائنات کے مظاہر میں غور و فکر کرنے کی تحریک دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے خالق کی معرفت بھی حاصل کرے اور اس میں اپنے خالق کے لئے شکرگزاری کا احساس بھی پیدا ہو تاکہ انسان اپنے مقصدِ حیات کو حاصل کر سکے۔

سورہ الانبیاء (سورہ نمبر 21)

آیت: 4

....

قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (4)

....

(رسولِ اکرمﷺ نے) فرمایا: میرا رب آسمان اور زمین میں کہی جانے والی ہر بات کو جانتا ہے، اور وہی ہے جوسب سننے والا اور سب جاننے والا ہے۔

He (the Prophet) said: "My Sustainer knows whatever is spoken in heaven and on earth; and He alone is all-hearing, all-knowing." (21:4)

یہاں آسمان اور زمین کے حوالے سے ایک خاص لفظ ''قول'' استعمال ہوا ہے جس سے ضمنی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زمین کی طرح ''آسمان'' (سماوی اجسام)، مثلاً سیاروں میں بھی ایسی مخلوق ہو سکتی ہے جو آپس میں کلام کرتی ہو۔

چنانچہ اس میں ماورائے زمین زندگی کی موجودگی کی پیش گوئی ہو سکتی ہے۔

بہرحال، آیت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو بیان کرنا ہے۔ اُس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

.....

آیات: 16 تا 18

....

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ. لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِن كُنَّا فَاعِلِينَ.

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَالَكُمْ وَيَيْهِمْ مَا تَفْتَرُونَ۔

وَ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَنۡ عِنۡدَہٗ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَ لَا یَسۡتَحۡسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾

یُسَبِّحُوۡنَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ لَا یَفۡتُرُوۡنَ ﴿۲۰﴾

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، دل لگی کرتے ہوئے پیدا نہیں فرمایا۔ اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشہ بنائیں تو ہم اسے خود بخود بنا لیتے (ہمیں کون روک سکتا تھا)، مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں، پس وہ اس کا سر کچل دیتا ہے، اور وہ یکایک نابود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لئے ان (نازیبا) باتوں کے سبب سے جو تم (اللہ کے لئے) بیان کرتے ہو، بڑی خرابی ہے۔

اور، آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اسی کا ہے، اور جو اس کے قریب ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبّر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

وہ رات دن (اس کی) تسبیح کرتے ہیں اور معمولی سا وقفہ بھی نہیں کرتے۔

And (know, O people, that) We have not created the heavens and the earth and all that lies between them in idle play/ amusement (without meaning and purpose). (21:16) Had it been Our will to make (the universe) a mere pastime, We could have done so of Our own accord (none could have prevented Us). But We were not such as would do so. (21:17)
Rather, [by the very act of creation] We hurl the truth against falsehood, and it crushes the latter: and lo! it withers away. But woe unto you (O followers of falsehood!) for all (the vile sayings) that you fabricate (about God) – (21:18)
for, unto Him belong all [beings] that are in the heavens and on earth; and those that are with Him are never too proud to worship Him and never grow weary [thereof], (21:19)
they extol His limitless glory by night and by day, never flagging [therein]. (21:20)

-...
یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن میں قرآن کا بنیادی دعویٰ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ایک بامقصد تخلیق ہے۔ کائنات اور اس کے ہر مظہر کے پیچھے ایک بلند حکمت اور مصلحت کارفرما ہے۔
یہ جو انسانی دنیا میں حق و باطل (خیر اور شر، نیکی اور بدی) کی ایک کشمکش جاری ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ خالق نے اپنا جی بہلانے کے لئے ایک کھیل، تماشا، ڈرامہ یا ناٹک رچایا ہوا ہے، جب تک وہ چاہے گا اس سے لطف اندوز ہوگا اور جب اُکتا جائے گا تو اسے ختم کر کے کوئی نیا کھیل ایجاد کر لے گا۔
قرآن کہتا ہے کہ کائنات کھیل تماشے کے طور پر نہیں بلکہ ایک ارفع حکمت اور مقصدیت کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ کوئی چیز محض دل لگی کرتے ہوئے تفریح کے طور پر پیدا کرے۔
.....

سورہ الأنبياء 21:30
آیت: 30
.....
اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾

کیا (حق کا) انکار کرنے والوں نے غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کر دیا۔ اور(یہ کہ) ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ تو کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے؟

Are, then, they who are bent on denying the truth not aware that the heavens and the earth were [once] one single entity, which We then parted asunder? – and [that] We made out of water every living thing? Will they not, then, [begin to] believe. (21:30)

یہاں دو خاص لفظ ''رتق'' اور ''فتق'' استعمال ہوئے ہیں۔ ''رتق'' کا معنی ہے باہم پیوست ہونا، ایک دوسرے کے ساتھ ملا ہوا ہونا یعنی ضم و التحام، اور ''فتق'' کا معنی ہے دو ملی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر دینا یعنی فصل بین المتصلین۔

آیت کا ایک ممکنہ مفہوم یہ ہے کہ ابتدائی طور پر آسمان (سماوی اجرام) اور زمین آپس میں پیوست تھے، ملے ہوئے تھے، ایک ہی چیز تھے، اللہ تعالیٰ کے تخلیقی عمل نے انہیں الگ الگ کر دیا۔

حضرت ابنِ عباس، الضحاک، عطا اور قتادہ جیسے بلند پایہ مفسرین سے اس آیتِ کریمہ کا یہی مفہوم منقول ہے۔

اس مفہوم کی اگر ہم سائنسی تعبیر کرنا چاہیں تو دو طرح سے کر سکتے ہیں۔

ایک کائنات کے حوالے سے اور دوسرے نظامِ شمسی کے حوالے سے۔

کائنات کے حوالے سے

تمام کائنات جو کہکشاؤں، ستاروں، سیاروں اور دوسرے اجرامِ سماوی کی شکل میں پھیلی ہوئی ہے وہ آج سے لگ بھگ 14 ارب سال قبل ایک وحدت کی شکل میں موجود تھی۔ وہ ابتدائی شکل جس تک ہمارے طبیعیاتی قوانین کی رسائی ہو سکی ہے بلند توانائی کی حامل گاما شعاعوں پر مشتمل تھی جن سے مادے کی تشکیل ہوئی۔ اور جس سے آگے چل کر اربوں سالوں میں وہ کائنات وجود میں آئی جس سے آج ہم واقف ہیں اور جسے زمین کی نسبت سے ''آسمان اور زمین'' کا نام دیتے ہیں۔

یہ بات توجہ طلب ہے کہ آیت میں آسمانوں کا لفظ جمع استعمال ہوا ہے، یعنی سماوات، اور زمین کا لفظ واحد، یعنی ارض۔

نظامِ شمسی کے حوالے سے

ہمارے نظامِ شمسی کی تشکیل آج سے تقریباً 5 ارب سال قبل ایک واحد وجود سے ہوئی، جسے شمسی سحابیہ (سولر نبیولا) کہا جاتا ہے۔ یہ سحابیہ گیس اور گرد (ڈسٹ)
کے عظیم بادل کی شکل میں موجود تھا۔ اس میں ایک ارتقائی تخلیقی عمل ہوا جس کے نتیجے میں اس کا مرکزی حصہ سورج کی شکل میں اور بیرونی حاشیہ سیاروں
کی شکل میں وجود پذیر ہوا۔ ان میں ایک ہماری زمین بھی ہے۔ گویا زمین ایک آزاد سیارہ کی شکل میں وجود میں آنے سے پہلے ایک آسمانی وجود، یعنی شمسی سحابیہ کا حصہ تھی، جس سے ایک تدریجی تخلیقی عمل کے ذریعے یہ الگ ہو گئی۔

آخری نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی زمین اور دوسرے سماوی اجرام ایک وقت تھا کہ باہم ملے ہوئے تھے، تخلیقی عمل سے علاحدہ موجودات کی شکل میں سامنے آئے۔ دوسرے لفظوں میں کائنات کا آغاز ایک وحدت سے ہوا۔

پانی سے تخلیق

اس آیت کی رو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام جانداروں، یعنی نباتات، حیوانات اور انسان کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پانی سے جانداروں کی تخلیق سے کیا مراد ہے؟
اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ پانی جانداروں کے جسم کا لازمی حصہ ہے، مثال کے طور پر انسان کے جسم میں تقریباً ستر فیصد پانی ہوتا ہے۔ پانی کی مخصوص فیصد کو جسم میں برقرار رکھنے کے لیے جانداروں کو مسلسل طور پر پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا جانداروں کی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔
دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جانداروں کی خِلقت کا آغاز پانی کے واسطے یعنی میڈیئم اور ماحول میں ہوا ہے۔
سمندروں کے کناروں پر پانی میں موجود مادے میں نہایت طویل کیمیائی عمل کے نتیجے میں اولین جانداروں کی تخلیق ہوئی۔
ان اولین جانداروں کے طویل ارتقا کے نتیجے میں بالآخر آج کے تمام جاندار وجود میں آئے۔
اس تصور کو زندگی کا آبی آغاز کہا جاتا ہے۔

آیات: 33-31

وَ جَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِہِمۡ ۪ وَ جَعَلۡنَا فِیۡہَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۱﴾
وَ جَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ وَّ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِہَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳۲﴾
وَ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۳۳﴾

....

اور(یہ کہ) ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے کہ وہ ان کے ساتھ لرزتی نہ رہے، اور اس میں کشادہ راہیں بنائیں تاکہ وہ (ان کے ذریعے) اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔
اور ہم نے فضائے آسمانی کو ایک محفوظ چھت بنایا۔ لیکن یہ لوگ پھر بھی اس (میں موجود ہماری قدرت) کی نشانیوں سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔
اور، وہ (اللہ) وہی ہے جس نے رات اور دن، اور سورج اور چاند بنائے ہیں۔ سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔

And [are they not aware that] We have set up firm mountains on earth, lest it sway with them, and [that] We have appointed thereon broad paths, so that they might find their way, (21:31)
and [that] We have set up the sky as a canopy well-secured? And yet, they stubbornly turn away from [all] the signs of this [creation], (21:32)
and [fail to see that] it is He who has created the night and the day and the sun and the moon - all of them floating through space. (21:33)

پہاڑوں کی افادیت

پہاڑوں کی افادیت پر نوٹ پہلے گزر چکا ہے، دیکھیں سورہ النحل 16:15۔

کشادہ راہیں
دوسری بات جو یہاں کہی جا رہی ہے وہ کشادہ راہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زمین میں صرف بلند پہاڑ ہی نہیں، ان کے درمیان درے اور کشادہ راہیں بھی ہیں جن کے ذریعے انسان ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہو سکتا ہے۔ اگر پہاڑوں کے درمیان یہ راستے نہ ہوتے تو انسانوں کا بہ آسانی ایک خطے سے دوسرے خطے میں سفر ممکن نہ ہوتا اور یوں مختلف خطوں کے لوگ ایک دوسرے سے بڑی حد تک کٹے رہتے۔

آسمان ایک محفوظ چھت
آسمان ایک محفوظ چھت کے طور پر ہمارے سروں پر قائم ہے۔ امکان غالب یہ ہے کہ یہاں ''سماء'' (آسمان) کا لفظ زمین کے کرہءِ ہوائی کے معنوں میں ہے۔ یہ کرہ ہوائی ہی ہے جو ہمارے سروں پر چھت کی طرح تنا ہوا ہے اور ہماری اور دوسرے جانداروں کی بیرونی خطرات سے حفاظت کرتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں سورہ البقرہ 2:22۔

اجرامِ سماوی کی حرکت
سورج اور چاند اور دوسرے اجرامِ سماوی خلا کی وسعتوں میں اپنے اپنے مدار میں تیزی سے حرکت کر رہے ہیں۔ اس حرکت کے لئے تیرنے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔
لیل و نہار (رات اور دن) کی گردش زمین کی محوری گردش کو ظاہر کرتی ہے۔ زمین ایک سیارہ ہے، سورج ایک ستارہ ہے جبکہ چاند ایک ذیلی سیارہ یا نواحیہ ہے۔
مطلب یہ ہے کہ کائنات کے تمام ستارے، سیارے اوردوسرے اجرام گردش میں ہیں۔

فلک سے کیا مراد ہے: فلک ستاروں، سیاروں اور دوسرے اجرامِ سماوی کے حرکت کے راستوں یا مداروں کو کہتے ہیں۔

یسبحون ''سبح'' کے مادے سے ہے، اس کا معنی ہے کسی واسطے (پانی، فضا، خلا) میں حرکت کرنا، تیرنا، اور تیز حرکت کرنا۔ یہاں یہ لفظ اجرامِ سماوی کی تیز حرکت کے لیے استعمال ہوا ہے۔

نزولِ قرآن کے زمانے میں بطلیموس (ٹولیمی) کا تصورِ کائنات چھایا ہوا تھا، جس کے مطابق ستارے، سیارے اور دوسرے اجرامِ سماوی ''آسمانوں'' میں جڑے ہوئے تھے۔ یہ آسمان حرکت کرتے ہوئے مانے جاتے تھے جن کے ساتھ ان میں جڑے ہوئے اجرام بھی حرکت کرتے تھے، اجرام کی اپنی کوئی حرکت نہیں تھی۔ یہ تصور بہت دیر تک قائم رہا ہے، حتیٰ کہ اس کے اثرات شاعری تک پر پڑے۔
مثال کے طور پر غالب کا شعر ہے

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لیکن قرآن مجید نے بطلیموس کے تصور کے برعکس قرار دیا کہ اجرامِ سماوی اپنے اپنے مداروں میں تیزی سے حرکت کر رہے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جس کو دورِ جدید کے سائنسی مشاہدات نے ثابت

کیا ہے۔ قرآن کا اپنے زمانے کے غلط نظریے کو نہ لینا اور ایک ایسی بات کا اعلان کرنا جس کی تصدیق آئندہ کیے جانے والے سائنسی انکشافات ہی سے ہونی تھی، قرآن کا ایک سائنسی معجزہ ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ علیم و خبیر کا کلام ہے۔

....

آیت: 104

يَوۡمَ نَطۡوِى السَّمَآءَ كَطَـىِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ‌ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ‌ؕ وَعۡدًا عَلَيۡنَا‌ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾

اس روز ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے طومار لپیٹے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نےپہلی مرتبہ تخلیق کیا تھا، اُسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ وعدہ ہے ہم پر، ہم ایسا ضرور کرنے والے ہیں۔

On that Day We shall roll up the skies as written scrolls are rolled up; [and] as We brought into being the first creation, so We shall bring it forth anew a promise which We have willed upon Ourselves: for, behold, We are able to do [all things]. (21:104)

قدیم زمانے میں تحریریں جیسے خطوط، مراسلے، چٹھیاں ایسے کاغذوں پر لکھی جاتی تھیں جن کو لکھ کر لپیٹ لیا جاتا تھا۔ انہیں ''سِجل'' یا طومارکہا جاتا تھا، انہیں انگریزی میں اسکرولز کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں کائنات، اس کے انجام اور اس کے اعادے کو ایک نہایت خوبصورت تشبیہ کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ اس وقت طومار کھل رہے ہیں، کائنات وسعت پذیر ہے اور اس کے نقوش و خطوط پڑھے جا رہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب یہ طومار مکمل طور پر کھل چکے ہوں گے، کائنات اپنے حدِ امکان تک وسعت پا چکی ہو گی، اس کے بعد ان طوماروں کو لپیٹ دیا جائے گا، کائنات اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ کائنات کے خاتمے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک نئی دنیا تخلیق کرے گا، جس کا کوئی تصور ہم اپنی موجودہ زندگی اور سمجھ کی سطح پر نہیں کر سکتے۔

"The world, the universe as we know it will be folded up like a scroll of parchment, for it will have done its work." (A. Yousaf Ali)

"This is an allusion to the cataclysmic change on the last day of all natural phenomena, and thus of the universe known to man." (Asad)

سورہ الحج (سورہ نمبر 22)

آیت: 5

....

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ
غَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَـكُمۡ‌ؕ وَ نُقِرُّ فِى الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ‌ ۚ وَ مِنۡكُمۡ
مَّنۡ يُّتَوَفّٰى وَ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَيۡـئًـا‌ ؕ وَتَرَى الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا
عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ ۢ بَهِيۡجٍ ﴿۵﴾

اے لوگو! اگر تم دوبارہ جی اُٹھنے کے بارے میں شک میں ہو تو (دیکھو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھراس سے علقہ بنا کر، پھراس سے مضغہ بنا کر، جو مکمل بھی ہوتا ہے اور نا مکمل بھی۔ یہ اس لیے کہ ہم تم پر (اپنی قدرت کا کمال) واضح کر دیں۔ اور ہم جنہیں چاہتے ہیں ایک معین مدت کے لیے رحموں میں قرار بخشتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں ایک بچہ کی شکل میں پیدا کرتے ہیں۔ پھر ایک وقت دیتے ہیں کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، اور تم میں سے بعض پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں، اور بعض بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچتے ہیں یہاں تک کہ وہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہیں جانتے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین بالکل خشک پڑی ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ (نباتات سے) لہلہانے لگتی ہے اور خوب نشوونما پاتی ہے اور اس طرح رنگ رنگ کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے۔ (اور تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر و بے جان پڑی ہے، پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ (پودوں کے اگنے کے باعث) متحرک ہو جاتی ہے اور (اوپر اٹھتی اور) پھولتی ہے، اور یوں طرح طرح کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے۔)

O humankind! If you are in doubt as to the [truth of] resurrection, [remember that,] verily, We have created [every one of] you out of dust, then out of a drop of sperm, then out of a germ-cell, then out of an embryonic lump complete [in itself] and yet incomplete so that We might make [your origin] clear unto you. And whatever We will [to be born] We cause to rest in the [mothers'] wombs for a term set [by Us], and then We bring you forth as infants and [allow you to live] so that [some of] you might attain to maturity: for among you are such as are caused to die [in childhood], just as many a one of you is reduced in old age to a most abject state, ceasing to know anything of what he once knew so well. And [if, O man, thou art still in doubt as to resurrection, consider this:] thou canst see the earth dry and lifeless - and [suddenly,] when We send down waters upon it, it stirs and swells and puts forth every kind of lovely plant. (22:5)

دو تخلیقیں

یہاں انسان کی دو تخلیقوں کا ذکر ہے:

ا۔ مٹی سے تخلیق۔

ب۔ رحمِ مادر میں جنینیاتی یا ایمبریولوجیکل نشو و نما کے ذریعے تخلیق۔

مٹی سے تخلیق کا معنی: یہاں لفظ ’’تراب‘‘ استعمال ہوا ہے جس کا معنی مٹی ہے۔ سائنسی زبان میں مٹی سے مراد وہ چیز ہے جسے جدید دور میں مادہ (میٹر) کہا جاتا ہے۔
قدیم زمانے میں مادے کے چار عناصر مانے جاتے تھے: مٹی، پانی، ہوا اور آگ۔ مگر بعد کی علمی پیش رفتوں اور آگے چل کر یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد کیمیائی تجزیہ (کیمیکل اینالئیسز) کے طریقوں میں جو ترقی ہوئی اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مٹی ایک عنصر نہیں بلکہ بہت سے عناصر کا مجموعہ ہے جو عام طور پر کیمیائی مرکبات (کیمیکل کمپائونڈز) کی شکل میں مٹی میں موجود ہوتے ہیں۔
اسی طرح پانی دو عناصر آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے اور یہ عناصر مٹی میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ ہوا کئی گیسوں کا آمیزہ ہے جس میں تقریباً 78 فیصد نائٹروجن گیس ہوتی ہے جبکہ تقریباً 20 فیصد آکسیجن گیس، ایک فیصد آرگن گیس، 0.03 فیصد کاربن ڈائی آکسائیڈ اور بقیہ تھوڑی سی مقدار میں دوسری گیسیں ہوتی ہیں۔ ہوا کی جن گیسوں کا ابھی ذکر ہوا ہے ان میں کاربن ڈائی آکسائیڈ ایک مرکب ہے جو کاربن اور آکسیجن سے مل کر بنا ہوتا ہے، جبکہ باقی گیسیں عناصر ہیں۔ آگ کی مرکزی چیز حرارتی توانائی یا ہیٹ انرجی ہے جبکہ آگ کے شعلوں میں حرارتی توانائی کی لہروں کے ساتھ کاربن ڈائی آکسائیڈ، آبی بخارات اور دھوئیں کے ذرات وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام عناصر بھی مٹی میں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا عناصر کے جدید فہم کی بنیاد پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی مٹی سے تخلیق کا سائنسی زبان میں معنی ہے بے جان مادے سے تخلیق۔

اب، آیت کے مفہوم میں دو احتمالات ہیں:
ایک یہ کہ ابتدائی طور پر انسان کی تخلیق مادے سے ہوئی ہے، یعنی بے جان مادے سے جاندار انسان کی تخلیق جسے اے بایوجینیسس بھی کہتے ہیں۔
دوسرا یہ کہ ہر انسان جسمانی طور پر مادے سے بنا ہوا ہے اور تغذیہ کے ذریعے بے جان مادی اجزاء جن پر کہ غذا مشتمل ہوتی ہے، انسانی بدن کا حصہ بنتے ہیں تو زندہ مادے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔
اگر دوسرا احتمال درست ہے تو اُس کا طریقہ تو واضح ہے، لیکن اگر آیت کی تشریح کا پہلا احتمال درست ہے تو سوال یہ ہے کہ اُس کا طریقہ کیا تھا؟ یعنی بے جان مادے سے اولیں انسان کیسے وجود میں آیا؟ دوسرے لفظوں میں، بے جان مادے سے انسان کے "بننے کا طریقہ" یا پروسس کیا تھا؟
اس کے بارے میں دو تصورات ہیں:
ایک کو تخلیقِ خاص کا نظریہ یعنی سپیشل کری ایشن تھیوری کہا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے کو ارتقائی نظریہ یا ایوولیوشن تھیوری کہتے ہیں َ
تخلیقِ خاص کا نظریہ یہ کہتا ہے کہ بے جان مادے اور انسانِ اول کے درمیان کوئی اور جاندار شامل نہیں تھا۔
اس نظریے کی عمومی شکل یہ ہے کہ انسانِ اول کی تخلیق اس طرح ہوئی کہ مٹی کا ایک پتلا بنایا گیا اور اس میں روح ڈالی گئی، یوں براہِ راست ایک مکمل انسان وجود میں آ گیا۔
نظریہ ارتقاء یہ کہتا ہے کہ آج سے کروڑوں سال پہلے سمندروں کے کنارے مخصوص حالات کے تحت کیچڑ میں نہایت سادہ جاندار وجود میں آئے جن میں جسمانی سطح پر تبدیلیاں ہوتی رہیں جس سے رفتہ رفتہ لاکھوں کروڑوں سالوں میں دنیا کے تمام جاندار پیدا ہوئے اور سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر انسان نمو دار ہوا۔
گویا بے جان مادے اور انسان کے درمیان جسمانی سطح کی تغیرات کی کروڑوں سالوں پر پھیلی ہوئی ایک لمبی زنجیر موجود ہے۔
رحمِ مادر میں جنینی نشوونما یا ایمبریونک ڈیویلپمنٹ:

ماں کے رحم میں بچہ مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ اس پر تفصیل سے گفتگو سورہ المؤمنون میں کی جائے گی۔
مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ
مخلقہ: وہ شے جس کی تخلیق کا نقشہ اور شکل و صورت نمایاں ہو جائے، وجود میں آ جائے۔ لہٰذا مخلقہ اور غیر مخلقہ کے الفاظ کا معنی یہ ہے کہ جب جنین مضغہ کی حالت سے گزر رہا ہوتا ہے تو اس میں بعض اعضاء نمایاں ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور بعض ابھی نمایاں ہونا شروع نہیں ہوتے۔ دوسرے لفظوں میں بعض اعضاء کا ابتدائی نقشہ ابھی ظاہر نہیں ہوتا، یعنی جنین قدرے مکمل اور قدرے غیر مکمل ہوتا ہے۔
لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ: تاکہ ہم تم پر واضح کر دیں (اپنی قدرت کا کمال) کے الفاظ بہت غور طلب ہیں۔ ان کے ذریعے انسان کی عقل و فکر کو بہت تحریک دی جارہی ہے، مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی خِلقت کے مختلف مراحل پر غور کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ربوبیت کا کمال اُس پر واضح ہو سکے۔

آیت کے اگلے حصے کی تشریح:

وَ تَرَى الْاَرْضَ ہَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْہَا الْمَآءَ اہْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَہِيْجٍ ﴿۵﴾

لغوی تجزیہ
هَامِدَةً ھ م د کے مادے سے ہے، معنی ہیں ساکن، بے جان، بنجر، بوسیدہ، وغیرہ۔
اهْتَزَّتْ ھ ز ز کے مادے سے ہے، معنی ہیں، حرکت کرنا، لہرانا، جھومنا، لرزنا، لہلہانا، وغیرہ۔
ایک تشریح کے مطابق اصل میں "نبات کا ہلنا مراد ہے"، مضاف محذوف ہے، اور مجازی طور پر نباتات کے ہلنے کو زمین کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔
رَبَتْ ر ب و کے مادے سے ہے، معنی ہیں بڑھنا، پھولنا، بلند ہونا، وغیرہ۔
بَهِيجٍ ب ھ ج کے مادے سے ہے، معنی ہیں خوش منظر، خوش رنگ، دیدہ زیب، خوشنما، وغیرہ۔

آیت کے اس حصے کی تشریح کئی طرح کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر امام الشوکانی لکھتے ہیں:

اهتزّت: تحركت. والاهتزاز: شدّة الحركة، يقال: هززت الشيء فاهتزّ، أي حركته فتحرك، والمعنى: تحركت بالنبات؛ لأن النبات لا يخرج منها حتى يزيل بعضها من بعض إزالة حقيقة، فسماه اهتزازاً مجازاً. وقال المبرد: المعنى: اهتزّ نباتها فحذف المضاف. واهتزازه شدة حركته، والاهتزاز في النبات أظهر منه في الأرض. ومعنى ربت: ارتفعت، وقيل: انتفخت. والمعنى واحد، وأصله: الزيادة، يقال: ربا الشيء يربو ربواً: إذا زاد، ومنه الربا والربوة. (فتح القدیر، امام الشوکانی)
ترجمہ:
اِهْتَزَّت یعنی: زمین ہلنے لگی۔ اور "اِهْتِزَاز" کا مطلب ہے شدید حرکت۔ عربی میں کہا جاتا ہے: "هززتُ الشيءَ فاهتزَّ" یعنی: میں نے کسی چیز کو حرکت دی تو وہ حرکت میں آ گئی۔
مراد یہ ہے کہ زمین پودوں کے نکلنے کی وجہ سے حرکت کرنے لگی، کیونکہ پودا جب زمین سے نکلتا ہے تو وہ زمین کے بعض اجزاء کو واقعی طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کیفیت کو مجازاً "اہتزاز" (یعنی زمین کا ہلنا) کہا گیا۔ امام مُبَرَّد نے کہا: اصل مفہوم یہ ہے کہ زمین

کے پودے ہلے، لیکن "نبات" یعنی پودے کا ذکر حذف کر دیا گیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اصل اہتزاز تو پودے کی حرکت ہے، جو زمین کی نسبت زیادہ نمایاں اور ظاہر ہے۔
رَبَتْ کا مفہوم ہے: زمین کا بلند ہونا، اور بعض نے کہا: زمین کا پھول جانا۔ دونوں مفہوم ایک ہی حقیقت کو بیان کرتے ہیں، اور اس کا اصل مادّہ "زِیادَت" (اضافہ) ہے۔
کہا جاتا ہے: "رَبا الشيءُ يَربُو رُبُوّاً" یعنی: کسی چیز کا بڑھنا یا بڑھ جانا۔ اسی مادّہ سے "رِبا" (سود) اور "رَبْوَة" (اونچی جگہ) جیسے الفاظ بھی ماخوذ ہیں۔

پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، خشک زمین میں کوئی چیز نہیں اُگتی۔ پودوں کو اُگنے اور نشوونما پانے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسان اگر خشک مٹی میں بیج بو دے تو وہ ضائع چلے جائیں گے۔
دریاؤں، نہروں، چشموں اور کنووں کے پانی کا بالآخر دارومدار بارش پر ہی ہوتا ہے، لیکن بارانی زمینوں کو تو پانی براہِ راست بارش سے ہی ملتا ہے۔ جب بارش نہیں ہوتی تو یہ زمینیں خشک پڑی ہوتی ہیں۔ کسان انتظار کرتا ہے کہ کب بارش ہو اور وہ بوائی کرے۔
اس کے علاوہ جو جڑی بوٹیاں، جھاڑیاں، درخت اور گھاس وغیرہ جن کو پانی براہِ راست بارش سے ملتا ہے، ان کے بیج زمین میں بکھرے ہوتے ہیں، جب تک انہیں پانی نہیں ملتا، وہ خوابیدہ (ڈارمنٹ) پڑے رہتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو ان بیجوں کو پانی ملتا ہے جسے یہ جذب کر لیتے ہیں اور ان میں چھپا ہوا ننھا جنین (ایمبریو) نشوونما پانا شروع کر دیتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین گھاس، جڑی بوٹیوں اور دوسرے پودوں سے لہلہانے لگتی ہے۔

جیسا کہ سطورِ بالا سے ظاہر ہے، حرکت کرنے/لہرانے/لہلہانے اور پھولنے/ بلند ہونے/بڑھنے دونوں کا تعلق مٹی سے بھی ہو سکتا ہے اور پودوں سے بھی۔ دونوں طرح تشریح کی گئی ہے۔

اہتزاز: حرکت، جنبش۔ زمین کی مٹی میں پودوں کے اگنے کے باعث حرکت ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ زمین سے اگنے والے نباتات لہلہاتے ہیں۔ یہ مجازی کلام ہو گا، زمین لہلہاتی ہے یعنی اس کے نباتات لہلہاتے ہیں۔ ربت: پھولتی ہے، بڑھتی ہے، اس میں زیادتی اور اضافہ ہوتا ہے، وہ اوپر اٹھتی ہے، وغیرہ۔ پانی کے جذب ہونے اور پودوں کے نشوونما پانے سے مٹی پھولتی اور اوپر اٹھتی ہے۔ یہ بھی معنے کیئے گئے ہیں کہ وہ نباتات کے اگنے کے ذریعے خوب نمو پاتی، نشوونما پاتی اور ابھرتی ہے۔ زمین جو بے جان پڑی ہوتی ہے پانی ملتے ہی اس میں زندگی کی نئی لہر دوڑنے لگتی ہے، مٹی میں موجود بیج اور جڑیں وغیرہ پانی جذب کر کے اگنا شروع کرتی ہیں اس سے زمین میں حرکت و جنبش ہوتی ہے، پودے نشوونما پاتے اور جسامت میں بڑھتے جاتے ہیں، یوں وہ زمین جو بے جان پڑی ہوئی تھی طرح طرح کی خوش منظر نباتات اگا لاتی ہے۔

....

آیات: 18

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ وَ النُّجُوۡمُ وَ الۡجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ کَثِیۡرٌ حَقَّ عَلَیۡهِ الۡعَذَابُ ؕ وَ مَنۡ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّکۡرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۱۸﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے لئے (وہ ساری مخلوق) سجدہ ریز ہے جوآسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج (بھی) اور چاند (بھی) اور ستارے (بھی) اور پہاڑ (بھی) اور درخت (بھی) اور جانور (بھی) اور بہت سے انسان (بھی)، اور بہت سے (انسان) ایسے بھی ہیں جن پر (ان کے کفر و شرک کے باعث) عذاب ثابت ہو چکا ہے، اور اللہ جسے ذلیل کر دے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ بیشک اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے

Are you not aware that before God prostrate themselves all [things and beings] that are in the heavens and all that are on earth the sun, and the moon, and the stars, and the mountains, and the trees, and the beasts? And many human beings [submit to God consciously], whereas many [others, having defied Him,] will inevitably have to suffer [in the life to come]; and he whom God shall scorn [on Resurrection Day] will have none who could bestow honour on him: for, verily, God does what He wills. (22:18)

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ وَ الۡفُلۡکَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ؕ وَ یُمۡسِکُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَی الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۶۵﴾
وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاکُمۡ ۫ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَکَفُوۡرٌ ﴿۶۶﴾

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہوا ہے، اور کشتی کو بھی کہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلتی ہے۔ اور اس نے آسمان کو روکا ہوا ہے کہ مبادا وہ زمین پر گر پڑے، مگر یہ کہ اُس کے حکم سے۔ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بہت مہربانی فرمانے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔
اور(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں زندگی عطا کیا پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر وہ تمہیں (دوبارہ) زندگی دے گا۔ لیکن، انسان بڑا ناشکر گزار ہے

Are you not aware that it is God who has made subservient to you all that is on earth, and the ships that sail through the sea at His behest - and [that it is He who] holds the celestial bodies [in their orbits], so that they may not fall upon the earth otherwise than by His leave? Verily, God is most compassionate towards men, a dispenser of grace – (22:65)
seeing that it is He who gave you life, and then will cause you to die, and then will bring you back to life: [but,] verily, bereft of all gratitude is man. (22:66)

زمین کی ہر چیز اللہ کے ودیعت کردہ قوانین کے مطابق انسان کی مطیع اور فرمانبردار بنا دی گئی ہے۔ ہر چیز انسان کی خدمت گزار ہے۔ انسان اس سے اپنے فائدے کا کام لے سکتا ہے۔ مادی اشیاء اور مظاہر (ہوا، دریا اور معدنیات وغیرہ) نباتات اور حیوانات میں انسان کے لئے طرح طرح کے فائدے رکھے گئے ہیں، انسان جنہیں حاصل کر سکتا ہے۔

کشتی (اس میں تمام بحری اور آبی ذرائع آمدورفت شامل ہیں) پانی میں اللہ کے امر سے چلتی ہے یعنی اللہ کے ودیعت کردہ قانون کے مطابق۔ انسان کی توجہ سمندروں کی طرف مبذول کروائی جا رہی ہے۔ ایک تو آمدورفت کے لئے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے غذائی اور دوسرے فوائد کے حصول کے لئے۔

ممکنہ طور پر یہاں آسمان سے مراد آسمانی اجسام (سماوی اجرام) ہیں۔ ایک طرف مرکز مائل اور مرکز گریز قوتوں کے توازن نے تمام اجرامِ سماوی کو اپنے اپنے مداروں پر مصروفِ حرکت رکھا ہوا ہے، اور دوسری طرف، زمین کے گرد موجود کرہ ہوائی کا دبیز غلاف آسمانی پتھروں (میٹیورائیٹس، شہابیوں) سے زمین کی حفاظت کرتا ہے۔ اجرامِ سماوی اور شہابوں کی ہر حرکت اللہ کے قانون کے تحت ہے۔

سورہ المؤمنون (سورہ نمبر 23)

آیات: 12-14

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾
ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ﴿۱۳﴾
ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا * ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ ؕ
فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ﴿۱۴﴾

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے تخلیق کیا۔
پھر ہم نے اُسے ایک نُطفہ کی شکل میں ایک محفوظ مقام میں ٹھہرا دیا،
پھر اس نطفہ کو علقہ کی شکل دی، پھر علقہ سے مضغہ بنایا اور مضغہ میں ہڈیاں تشکیل دیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے نشوونما دیتے ہوئے اُسے ایک مختلف مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

Now, indeed, We create man out of the essence of clay, (23:12)
and then We cause him to remain as a drop of sperm in [the wombs] firm keeping, (23:13)
and then We create out of the drop of sperm a germ-cell, and then We create out of the germ-cell an embryonic lump, and then We create within the embryonic lump bones, and then We clothe the bones with flesh - and then We bring [all] this into being as a new creation: hallowed, therefore, is God, the best of artisans. (23:14)

سلالہ کا معنی

یہاں ایک خاص لفظ ’’سُلالہ‘‘ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی خلاصہ نکالا جا سکتا ہے۔ کئی اشیاء کے آمیزے میں سے جب اپنی مرضی کی اشیاء کو کسی اصول کے مطابق الگ کیا جاتا ہے تو انہیں سلالہ کہا جاتا ہے۔ یہاں قرآن مجید کہتا ہے کہ انسان کو مٹی کے سلالہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مٹی کے سلالہ کا کیا معنی ہے؟ جدید کیمیا ہمیں بتاتی ہے کہ ممکنہ طور پر اس کا معنی ہے مادے کے منتخب عناصر
یعنی انسان کی تخلیق مٹی (مادے) کے تمام عناصر سے نہیں بلکہ منتخب عناصر سے ہوئی ہے۔ یہ عناصر انسانی جسم میں مخصوص تناسب میں ہوتے ہیں۔

طین کا معنی
دوسرا لفظ یہاں ’’طین‘‘ استعمال ہوا ہے جو گیلی مٹی، گارے یا کیچڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اب ایک معنی یہ ہوگا کہ انسان کی ابتدائی تخلیق گیلی مٹی یا گارے یا کیچڑ کے منتخب اجزاء سے ہوئی ہے۔ اور دوسرا معنی یہ ہوگا کہ انسان کی جسمانی ساخت مٹی یا مادے کے منتخب عناصر سے ہوتی ہے۔

نطفہ، علقہ اور مضغہ کا معنی
نطفہ
وہ تھوڑا سا پانی جو ڈول کو خالی کرنے پر اُس میں باقی رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ صاف نتھرے ہوئے پانی کو بھی نطفہ کہتے ہیں (لسان العرب، مفرادات)۔ اس کا اطلاق مرد کے تولیدی مادے پر بھی ہوتا ہے اور عورت کے تولیدی مادے پر بھی۔ اس کے علاوہ، مرد اور عورت کے نطفوں کے ملاپ سے بننے والے مادے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔
"اُسے نطفہ بنا کر محفوظ مقام پر رکھا‘‘ کے الفاظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس سے مراد وہ تولیدی مادہ ہے جو شکمِ مادر میں مرد اور عورت کے تولیدی مادوں کے ملاپ سے بنتا ہے۔ ممکن ہے اس میں جنین (ایمبریو) کی بالکل ابتدائی حالت کی طرف اشارہ ہو جس کا آغاز زائیگوٹ سے ہوتا ہے۔

علقہ
عَلَقہ العلق کے مادے (ع ل ق) سے ہے اس کے بنیادی معنی، وابستہ ہونا، پھنسنا اور لٹکنا وغیرہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "عَلِقَ الصَّيْدُ فِيْ حُبَالَۃ" (شکار جال میں پھنس گیا) (مفردات)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ العلق کے بنیادی معنی کسی بلند چیز کے ساتھ کسی چیز کو باندھنا یا وابستہ کر دینا ہے۔
علق جونک کو بھی کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ لوتھڑے کی شکل میں جمے ہوئے خون کو بھی علق کہتے ہیں (مفردات)۔ وہ چیز جو معلق ہو (المنجد)۔

جن آیات میں علقہ یا علق لفظ آیا ہے اُن پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے مراد جنین کی وہ ابتدائی حالت ہے جب وہ خود کو رحمِ مادر کے ساتھ چسپاں کر کے معلق ہو جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ معلق وجود (ہینگنگ ماس) اور چسپاں چیز (چمٹی ہوئی چیز)، اور جونک کی طرح کی ساخت بھی کیا گیا ہے۔

علم جنینیات (ایمبریولوجی) کی رو سے عَلَقہ کا لفظ ممکنہ طور پر جنین (ایمبریو) کے بننے سے پہلے کی حالت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب جنین خود کو رحم کے ساتھ چسپاں یا ایمپلانٹ کرتا ہے اور ایمبریونک (جنینی) دور کے ابتدائی دنوں کی حالت کی تصویر کشی کرتا ہے۔

انسان کا جنین ابتدائی مراحل میں ظاہری طور پر دوسرے حیوانات کی طرح ہوتا ہے، لیکن بعد کے مراحل میں اس کی امتیازی شکل واضح ہوتی جاتی ہے۔ اس وضاحت کے بعد، علقہ کے یہ معنی سمجھ میں آتے ہیں: معلق وجود، چسپاں وجود، ایمپلانٹڈ وجود، اور وہ وجود یا شے جو کسی دوسری شے کے ساتھ تعلق قائم کر لے، وغیرہ۔

مضغہ

مضغہ علقہ کے بعد کی حالت ہے، یہ وہ حالت ہے جب جنین اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے ابھی گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں ہوتا ہے اور اس میں ابھی ہڈیاں سخت نہیں ہوتیں۔
جنینیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک ماہ کے لگ بھگ کا جنین اپنی ظاہری شکل و صورت میں چبائی ہوئی چھوٹی سی بوٹی کی طرح نظر آتا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی نمودار ہونا شروع ہوتی ہے تو بالکل آغاز میں اس کے مہرے دانتوں کے نشانوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ یاد رہے کہ ایک ماہ کے جنین کی لمبائی تقریباً 5 ملی میٹر ہوتی ہے۔

مضغہ میں ہڈیوں کا نظام تشکیل پاتا ہے جن پر عضلات (مسلز) بنتے ہیں۔
جنین کی نشونما کا وہ زمانہ جسے اصطلاح میں جنینی دورکہتے ہیں اور جو تیسرے ہفتے سے آٹھویں ہفتے تک پھیلا ہوتا ہے، وہ زمانہ ہے جب جنین میں مختلف اعضاء نمو دار ہونا شروع ہوتے ہیں۔ نظامِ استخوان (ہڈیوں کے نظام) کی تشکیل کا آغاز ہوتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ وجود میں آتا ہے اور اس پر گوشت (یعنی عضلاتی نظام) نشوونما پاتا ہے۔
مطلب یہ نہیں کہ پہلے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتا ہے، اور پھر بعد میں اس پر گوشت چڑھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب جنین میں ہڈیوں کے بننے کا آغاز ہوتا ہے تو ساتھ ہی ان پر عضلات کے بننے کا آغاز بھی ہو جاتا ہے یعنی ہڈیاں برہنہ نہیں بنتیں بلکہ ان پر ساتھ ہی ساتھ گوشت بھی چڑھتا جاتا ہے جو اُن پر لباس کی طرح ہوتا ہے۔
عضلات کا لباس ہڈیوں یعنی استخوانی ڈھانچہ کی حفاظت کرتا ہے۔ جس طرح کہ لباس انسانی جسم کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر گوشت پوست کا یہ لباس نہ ہوتا تو دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوتا کہ جسم پر لگنے والی ہر چوٹ براہِ راست ہڈیوں کو نقصان پہنچاتی اور انہیں توڑ کر رکھ دیتی۔
انسانی شکل کا واضح ہونا
جنین نشوونما پا کر ایک ایسی حالت کو پہنچتا ہے جب اُس میں انسانی خواص نمایاں ہو جاتے ہیں اور مشاہدہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک انسانی جنین ہے۔ شروع میں انسانی جنین اپنی ظاہری شکل و صورت میں دوسرے حیوانات خصوصاً دودھ پلانے والے جانوروں (میملز) کے جنین کی طرح ہی ہوتا ہے، لیکن نشوونما کے آٹھویں ہفتے کے اختتام پر اُس میں انسانی خصوصیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اور اب جنین کا جو دور شروع ہوتا ہے اسے اصطلاح میں نوخیز بچے کا دور (فیٹل پیریڈ) کہا جاتا ہے۔
رحمِ مادر ایک محفوظ مقام
رحمِ مادر ایک محفوظ مقام ہے جہاں بچہ پوری حفاظت کے ساتھ نشوونما پاتا ہے۔ ماں کی ریڑھ کی ہڈی کا مضبوط ستون، پینڈے کی مانند کمر کی مضبوط ہڈیاں اور پیٹ کی مختلف پرتیں رحم کو ایک محفوظ مقام بناتی ہیں۔ اس کے علاوہ رحم کی دیواریں بھی اُسے ایک محفوظ مقام بناتی ہیں۔ بچہ جب نشوونما پاتا ہے تو اس کے گرد ایک غلاف بن جاتا ہے جس میں ایک سیال (ایمنیوٹک فلوئڈ) بھرا ہوتا ہے۔ یہ بچے کی جھٹکوں وغیرہ سے حفاظت کرتا ہے

رحمِ مادر میں بچے کی نشوونما کا منظر

جدید جنینیات شکمِ مادر میں بچے کی نشوونما کے زمانے کو تین ادوار میں تقسیم کرتی ہے۔
پیش جنینی دور، جنینی دور، اور نوخیز بچے کا دور۔
شکم مادر میں اسپرم (زیادہ صحیح لفظوں میں اسپرمیٹو زُون) اور بیضہ (اووم) کا ملاپ رحم کی نالی (یوٹیرین ٹیوب) میں بیضہ دان (اووری) کے قریب ہوتا ہے۔ ملاپ کے اس عمل کو باروری (فرٹیلائیزیشن) کہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں جو چیز بنتی ہے اُسے بارور شدہ بیضہ یا زائیگوٹ کا نام دیا جاتا ہے۔
زائیگوٹ ایک نہایت باریک وجود ہے، یہ اگلے 30 گھنٹوں میں تقسیم ہو کر دو خلیات بناتا ہے جنہیں بلاسٹومیئرز کہتے ہیں۔
تقسیم کا سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ تیسرے دن یہ 16 یا کچھ زیادہ خلیات کا ایک گچھا بن جاتا ہے جو اپنی شکل میں شہتوت کے پھل کی طرح ہوتا ہے، اس کو مورولا کہتے ہیں۔
اس مرحلے میں، مورولا رحم کی نالی سے رحم کی دیوار کی طرف آتا ہے۔ یہ عمل تقریباً چھٹے دن مکمل ہوتا ہے۔
اس دوران میں مورولا رحم کی نالی میں چلتا ہوا رحم میں داخل ہوچکا ہوتا ہے۔ مورولا میں خلیات کی تقسیم کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس دوران میں رحم کے اندر کا سیال (فلوئڈ) مورولا میں داخل ہوتا ہے جس سے مورولا کا اندرونی حصہ بھر جاتا ہے۔ سیال بھری ہوئی یہ جگہ حجم میں بڑھتی جاتی ہے۔ اب مورولا ایک نئی شکل اختیار کر لیتا ہے بلاسٹوسسٹ کہا جاتا ہے۔
بلاسٹوسسٹ پانچویں اور ساتویں دن کے درمیان خود کو رحم کی اندرونی دیوار کے ساتھ چسپاں کرنا شروع کرتا ہے۔ اس عمل کو ایمپلانٹیشن کہتے ہیں۔ یہ عمل دوسرے ہفتے کے اختتام پر مکمل ہوجاتا ہے۔ یہاں پیش جنینی دور اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور جنینی دور کا آغاز ہوتا ہے۔
جنیی دور تیسرے ہفتے کے آغاز سے آٹھویں ہفتے کے اختتام تک پھیلا ہوا ہے۔ اور آٹھویں ہفتے کے اختتام پر جنین کی لمبائی تقریباً 40 ملی میٹر تک ہوتی ہے۔ اس میں مختلف اعضاء نمودار ہوتے ہیں اور عصبی نظام جسمانی سرگرمیوں میں رابطے کے کام کا آغاز کرتا ہے۔ جنین انسانی امتیازات حاصل کر لیتا ہے اور انسان کے جنین کے طور پر پہچانا جا سکتا ہے۔
اس کے بعد جنین کی نشو و نما کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جو نویں ہفتے سے شروع ہو کر پیدائش پر ختم ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض اعضاء کا مُتَشکل ہونے یعنی واضح شکل و صورت اختیار کرنے کا عمل ابھی ہو رہا ہوتا ہے، مگر اس دور میں جو کام زیادہ تر ہوتا ہے وہ بالیدگی (گروتھ) ہے۔ یعنی جنیی دور میں جو اعضاء نمو دار ہوئے تھے، اس دور میں وہ ترقی کرتے ہیں۔
بارہویں ہفتے کے دوران، جبکہ جنین دو چالیسویں گزار چکا ہے، عصبی نظام (نروس سسٹم) اتنا ترقی کر جاتا ہے کہ اگر بچے کے پاؤں پر خراش کی جائے تو وہ اس کو کھینچ لے گا۔
سولویں ہفتے کے دوران بچے کے دل کی دھڑکن ماں کے پیٹ پر اسٹیتھو اسکوپ کے ذریعے سنا جا سکتا ہے ستارویں اور بیسویں ہفتے کے دوران ماں اپنے شکم میں بچے کی مخصوص حرکت جسے کوئِکننگ کہتے ہیں محسوس کر سکتی ہے۔
اڑتیسویں ہفتے کے اختتام پر بچہ پیدائش کے لئے تیار ہوتا ہے اور شکمِ مادر میں اس کی مدت مکمل ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر کیتھ ایل مُور کی رائے:
ڈاکٹر کیتھ ایل مُور
(Keith L. Moore, PhD, F.L.A.C)
یونیورسٹی آف ٹورانٹو (کنیڈا) سے وابستہ نامور سائنسدان اور جنینیات کے ماہرکے ماہر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

انھوں نے شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ (سعودی عرب) کے اسلامی تعلیمات کے پروفیسر شیخ عبدالماجد زندانی کی مدد سے اپنی ایک کتاب میں انسانی جنین کی نشوونما کے بارے میں قرآن پاک میں استعمال ہونے والے الفاظ کی تشریح کی ہے۔
لفظ نطفہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

The drop or "nutfa" has been interpreted as the sperm and spermatozoon, but a more meaningful interpretation would be the zygote which divides to form a blastocyst which is implanted in the uterus ("a place of rest").

علقہ کے بارے میں کہتے ہیں:

The word "alaqa" refers to a leech or bloodsucker. This is an appropriate description of the human embryo from the days 7-24 when it clings to the endometrium of the uterus, in the same way that a leech clings to the skin. Just as the leech derives blood from the decidua or pregnant endometrium. It is remarkable how much the embryo of 23-24 days resembles a leach.

مضغہ" کے بارے میں کہتے ہیں

The Arabic word "Mudghan" means "chewed substance or chewed lump". Toward the end of the chewed appearance results from the somites which resemble teeth marks. The somites represent the beginnings or primordia of the vertebrae.
(The Developing Human, by Moore)

موریس بُوکیلے
(Maurice Bucaille)
فرانس کے سرجن اور "بائبل، قرآن اور سائنس" کے مشہور مصنف کے نزدیک "علقہ" کی صحیح تشریح "چسپاں ہونے والی چیز"
(The thing which clings)
ہے۔

جبکہ "مضغہ" کا معنی وہ بھی چبایا ہوا گوشت کا ٹکڑا
"chewed lump of flesh"
یا
چبایا ہوا گوشت
chewed flesh
کرتے ہیں۔

"We fashioned the thing which clings into a chewed lump of flesh and we fashioned the chewed flesh into bones and we clothed the bones which intact flesh." (23:14)

وہ کہتے ہیں

The embryo is initially a small mass. At a certain stage in its development, it looks to the naked eye like chewed flesh. The bone structure develops inside this mass in what is called the mesenchyma. The bones that are formed are covered in muscles; the word lahm applies to them.

(The Bible, the Quran, and Science)

.....

آیت 17

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ٭ۖ وَ مَا کُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۷﴾

اور، بیشک ہمیں نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے ہیں اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔

And, indeed, We have created above you seven [celestial] orbits: and never are We unmindful of [any aspect of Our] creation. (23:17)

طرائق (طَرَائِق) کا معنی ہے راستے۔ ممکنہ طور پر اس سے مراد اجرامِ سماوی (ستارے، سیارے وغیرہ) کے مدار اور حرکت کے راستے ہیں۔ اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ "سات" عددِ تکثیری ہو اور اس سے مراد بہت سے مدار اور راستے ہوں۔ اس اعتبار سے "سبع طرائق" (سات راستے) کے لفظوں میں اجرامِ سماوی کے تنوع اور کثرت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہ ہر چیز کی مصلحتوں کو جانتا ہے اور ان کی ضرورت کے مطابق ان کی تکمیل کرتا ہے۔

آیات:

وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡکَنّٰہُ فِی الۡاَرۡضِ ٭ۖ وَ اِنَّا عَلٰی ذَہَابٍۭ بِہٖ لَقٰدِرُوۡنَ ﴿ۚ۱۸﴾

فَاَنۡشَاۡنَا لَکُمۡ بِہٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ ۘ لَکُمۡ فِیۡہَا فَوَاکِہُ کَثِیۡرَۃٌ وَّ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿ۙ۱۹﴾

وَ شَجَرَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَیۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّہۡنِ وَ صِبۡغٍ لِّلۡاٰکِلِیۡنَ ﴿۲۰﴾

وَ اِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہَا وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ کَثِیۡرَۃٌ وَّ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿ۙ۲۱﴾

وَ عَلَیۡہَا وَ عَلَی الۡفُلۡکِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿٪۲۲﴾

اور ہم نے آسمان (بلندی، بادل) سے ایک حساب کے مطابق پانی برسایا، اور اسے زمین میں ٹھہرا دیا۔ اور یقیناً ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ پھر اسی سے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات اگائے ہیں، ان باغوں میں تمہارے لئے بہت سے پھل ہیں جن سے تم لطف اندوز ہوتے ہو۔ اور وہ درخت بھی اگایا جو طورِ سینا میں پیدا ہوتا ہے، وہ تیل بھی لئے ہوئے اُگتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن بھی۔

اور، تمہارے لئے جانوروں میں بھی غور و فکر کا مقام ہے، ہم تمہیں اس (غذا) میں سے خوش ذائقہ دودھ پلاتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں دوسرے بھی بہت سے فائدے ہیں، اور ان سے تم اپنی غذا بھی حاصل کرتے ہو، اور ان پر اور
کشتوں پر تم سواری بھی کرتے ہو۔

And We send down water from the skies in accordance with a measure [set by Us], and then We cause it to lodge in the earth: but, behold, We are most certainly able to withdraw this [blessing]. (23:18)
And by means of this [water] We bring forth for you gardens of date-palms and vines, wherein you have fruit abundant and whereof you eat, (23:19) as well as a tree that issues from [the lands adjoining] Mount Sinai, yielding oil and relish for all to eat. (23:20)
And, behold, in the cattle [too] there is indeed a lesson for you: We give you to drink of that [milk] which is within their bellies; and you derive many [other] uses from them: for, you eat of their flesh, (23:21) and by them - as by the ships [over the sea] - you are borne [overland]. (23:22)

بارش کا نظام
کسی خطے میں بارش ایک نظام اور حساب اور اندازہ کے مطابق نازل ہوتی ہے۔ "مِنَ السَّمَاءِ" (آسمان سے) کا مطلب ہے اوپر سے، بلندی سے، بادل سے، فضا سے وغیرہ۔
بادل سے بارش یا برف وغیرہ کی شکل میں تازہ پانی نازل ہوتا ہے۔
پانی زمین میں کئی طرح سے جمع ہوتا ہے
برف کی شکل میں بلند پہاڑوں کی چوٹوں پر: سارا سال اس کا پانی دریاؤں اور چشموں کی شکل میں رواں رہتا ہے۔

زیرِ زمین پانی (گرائونڈ واٹر) کی شکل میں جسے کنویں کھود کرنکالا اور کام میں لایا جا سکتا ہے۔

بارش کا پانی ندی نالوں کی شکل میں بہہ کر نشیبوں میں جمع ہوتا ہے۔-

جس اللہ نے پانی کی فراہمی کا یہ نظام قائم کیا ہے وہ اس بات پر بھی پوری
قدرت رکھتا ہے کہ اس پانی کو نابود کر دے، لے جائے۔ یہ بہہ کر سمندروں میں آ سکتا ہے، زمین کی گہرائی میں اتر کر انسان کی پہنچ سے نکل سکتا ہے، بخارات بن کر اُڑ سکتا ہے، اور یہ کہ کسی ملاوٹ کی وجہ سے پینے کے لئے ناموزوں ہو سکتا ہے۔

زمین میں پانی کا جمع ہونا۔
زمین کی اوپر کی تہہ نفوذ پذیر ہوتی ہے، جس سے پانی گزر سکتا ہے لیکن اس کے نیچے چٹانوں کی غیر نفوذ پذیر تہہ ہوتی ہے جس سے پانی نہیں گزر سکتا۔ اگر زمین کی اوپر کی تہہ بھی غیر نفوذ پذیر ہوتی تو پانی سطح کے اوپر ہی کھڑا رہتا جس سے وہ تعفن زدہ ہو کر پینے کے قابل نہ رہتا اور زندگی ناممکن ہو جاتی اور اگر نیچے کی تہہ بھی نفوذ پذیر ہوتی تو پانی اتنی زیادہ گہرائی میں چلا

جاتا کہ
انسان اُسے حاصل ہی نہ کر سکتا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ آج کسی کنویں سے جو پانی نکالا جاتا ہے وہ ہو سکتا
ہے کہ وہ ہزاروں برس قبل برسنے والی کسی بارش کا ہو جو خراب ہوئے بغیر آج تک زیرِ زمین
پانی کی شکل میں محفوظ ہے۔
پانی سے طرح طرح کے نباتات اُگتے ہیں۔ علاوہ ازیں، کھجور، انگور اور بہت سے دوسرے پھل۔ ان
میں انسان کی غذا کا سامان بھی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے
فائدے بھی ہیں۔

طورِ سینا کے معنی
طورِ سینا سے سحرائے سینا کا مشہور پہاڑ "کوہِ طور" مراد ہے۔
عرب کے لوگ اس سے بخوبی واقف تھے۔ جس درخت کی طرف اشارہ ہے وہ
زیتون کا درخت ہے۔ طورِ سینا کا علاقہ زیتون کے درختوں کے لئے مشہور تھا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ طورِ سینا بطورِ صفت استعمال ہوا ہو اور اس سے مراد
درختوں سے بھرے ہوئے خوبصورت پہاڑ ہوں۔ اس صورت میں "طور" بمعنی پہاڑ اور "سینا" بمعنی
خوبصورت، با برکت، سرسبز و شاداب ہوگا (تفسیرِ نمونہ)
صبغ کا معنی
صبغ کا معنی رنگ ہے، یہاں اس سے مراد سالن ہے جس کے ساتھ روٹی کھائی جاتی ہے۔ زیتون کا
تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

یہاں بے شمار قسم کے پھلوں میں سے صرف تین کا نام لے کر ذکر کیا گیا
ہے یعنی کھجور، انگور اور زیتون۔ ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں۔ عرب کے
لوگ ان سے بخوبی آگاہ تھے۔ آج بھی ان کی ایک نمایاں حیثیت ہے۔

جانوروں میں انسان کے لئے عبرت اور غور و فکر کا مقام ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے قرآن
نے ایک مثال دی ہے کہ تم ان میں سے بعض سے دودھ حاصل کرتے ہو۔ اور بعض کا گوشت بھی
کھاتے ہو۔
دودھ دودھ کے غدود (میمری گلینڈز) میں بنتا ہے۔ اس کا بننا بذاتِ خود خالق کی قدرت کا کرشمہ
ہے۔ یہ ایک مکمل غذا ہے، اس میں کاربوہائڈریٹس، پروٹین، اور روغنیات (فیٹس) تینوں قسم کے
بنیادیے غذائی أجزاء ہوتے ہیں۔
دودھ اور گوشت کے علاوہ جانوروں کے اور بھی بہت سے فائدے ہوتے ہیں
ان کے بالوں اور اونوں سے پہننے اور برتنے کی اور بھی کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔
ان کی کھالوں سے بھی اسی طرح کی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔
حتیٰ کہ ان کا گوبر بھی کھاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
یہ سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں۔
ان کی ہڈیوں اور بعض اعضاء سے دوائیں بھی تیار کی جاتی ہیں۔

انسان زمین میں چلتا پھرتا اور سفر کرتا ہے۔ خشکی پر وہ جانوروں کو سواری اور بار برداری کے لئے استعمال کر سکتا ہے، جدید دور میں دوسرے بہت سے ذرائع بھی پیدا ہو گئے ہیں۔
جبکہ سمندروں اور دریاؤں میں نقل و حمل کا کام کشتیوں اور جہازوں سے لیا جاتا ہے۔

آیات:78-80
وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾
وَ ہُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾
وَ ہُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ لَہُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾

اور وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے ہیں مگر تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔
اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے، پھر تم اُسی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔
اور وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت سے ہمکنار کرتا ہے، اور اُسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا آنا جانا، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

[O humankind! Pay heed to God’s messages,] for it is He who has endowed you with hearing, and sight, and minds: [yet] how seldom are you grateful. (23:78)
And He it is who has caused you to multiply on earth; and unto Him you shall be gathered. (23:79)
And He it is who grants life and deals death; and to Him is due the alternation of night and day. Will you not, then, use your reason. (23:80)

مشاہدہ اور غور و فکر کی طاقت
اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس اور عقل کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرے اور ان سے کام لے کر اپنے رب کی معرفت اور پہچان حاصل کرے اور اپنے اندر اپنے رب کے لیے شکرگزاری کا جذبہ پروان چڑھائے۔ یہاں حواسِ خمسہ میں سے دو کا ذکر ہوا ہے یعنی کان اور آنکھیں، اگر غور کیا جائے تو انسان کی فکری رہنمائی کے اعتبار سے یہ حواس بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ افئدہ (افؤاد کی جمع) یہاں سوچنے سمجھنے کی قوت یعنی عقل و ذہن کے معنوں میں ہے۔

آج انسان زمین کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ جس اللہ نے ان کو زمین میں پھیلایا اور بکھیرا ہے وہ ان کو جمع بھی کرے گا۔ آخرکار یہ سب اُس کی بارگاہ میں اکٹھے کیے جائیں گے۔

رات اور دن کا وجود اور ان کا ایک دوسرے کے پیچھے تسلسل کے ساتھ آنا جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانی اور اس کی عظیم نعمت ہے۔

ملاحظہ کریں کہ قرآن مجید کتنی کثرت سے عقل و فکر اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو اجاگر کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان تمام تر تعصبات سے آزاد ہو کر خالص عقل سے کام نہیں لیتا، وہ سچائی کو دریافت نہیں کر سکتا۔

سورہ النور (سورہ نمبر 24)

آیات: 41، 42

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَ تَسْبِیْحَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾
وَ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ﴿۴۲﴾

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ بلا شبہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو (کوئی بھی) آسمانوں اور زمین میں ہے، اور پرندے بھی پروں کو پھیلائے ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام موجودات اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کا علم رکھتے ہیں۔ اور اللہ ان کے أفعال سے پوری طرح باخبر ہے۔
اور یہ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سب کا ٹھکانا ہے۔

Are you not aware that it is God whose limitless glory all [creatures] that are in the heavens and on earth extol, even the birds as they spread out their wings? Each [of them] knows indeed how to pray unto Him and to glorify Him; and God has full knowledge of all that they do, for, God's is the dominion over the heavens and the earth, and with God is all journeys' end.(24:41)

صلوٰہ کا مفہوم
وظیفہ ءِ حیات کی ادائیگی۔ ہر شے اللہ کے قانونِ فطرت کی پابند ہے۔ یہ اس کی فطرت اور بناوٹ اور اس کے خمیر میں شامل ہے۔
صلوٰہ کا لفظ دعا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے چاہے زبانِ قال سے ہو یا زبانِ حال سے۔ یعنی، ہر موجود اپنے وجود و عمل کے ذریعے زبانِ قال یا زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ سے اس کا فیض طلب کر رہا ہے، اور یوں اپنے أحوال و کیفیات سے اعلان کر رہا ہے کہ اس کا خالق ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔
مخلوقات کی عبادت دو طرح سے ہوتی ہے:
اختیاری عبادت اور تکوینی عبادت

باشعور مخلوق کی عبادت اپنے شعور کے دائرے میں اختیاری طور پر ہوتی ہے، جب کہ بے شعور مخلوق اپنے فعل و عمل اور کیفیت و حالت سے عبادت بجا لا رہی ہوتی ہے۔

آیت: 43
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْہَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُہٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ یَکَادُ سَنَا بَرْقِہٖ یَذْہَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ بلا شبہ اللہ ہی ہے جو بادلوں کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر اُن کو آپس میں ملا دیتا ہے، پھر اُن کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے بارش نکلتی ہے۔ اور وہی ہے جو آسمان سے اس کے اندر کے پہاڑوں (کی طرح کے بادلوں) سے اولے برساتا ہے، اور انہیں جن پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے اور جن سے چاہتا ہے انہیں دور لے جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بجلی کی کوند نگاہوں کو اچانک لے جائے گی۔

Are you not aware that it is God who causes the clouds to move onward, then joins them together, then piles them up in masses, until you can see rain come forth from their midst? And He it is who sends down from the skies, by degrees, mountainous masses [of clouds] charged with hail, striking therewith whomever He wills and averting it from whomever He wills, [the while] the flash of His lightning well-nigh deprives [men of their] sight. (24:43)

یزجی کا معنی

یُز جی کا معنی ہے آہستہ آہستہ اور نرمی کے ساتھ بکھری ہوئی چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر حرکت دینا۔ بادل کے مختلف ٹکڑے جو کہ ابتدائی طور پر آبی بخارات سے بنتے ہیں، سمندر کے مختلف حصوں سے اُٹھتے ہیں جن کو ہوائیں حرکت دیتی ہیں۔ اس آیت کریمہ میں کئی چیزوں کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے: بادلوں کی حرکت، بادل میں موجود اس کے مختلف ٹکڑوں اور ذرات کا آپس میں جڑنا، ان کا تہہ بہ تہہ ہونا، پھر ان کے اندر سے بارش کا برسنا، فضا میں بادلوں کا پہاڑوں کی طرح بلند و بالا ہونا، ان عمومی طور پر پھیلنے والے بادلوں سے برف اور اولے کا برسنا، بادلوں میں بجلی کا کوندنا۔ یہ حقائق قرآن مجید نے جدید سائنسی دریافتوں سے چودہ سو سال پہلے بیان کیے ہیں جب نہ موسمی سیارے تھے، نہ بادلوں کا مشاہدہ کرنے کے دوسرے جدید آلات، نہ دوربینیں تھیں اور نہ ہوائی جہاز۔ آج سائنسی سطح پر بادلوں کے بننے، آپس میں باہمی عمل کرنے اور ان سے بارش کے برسنے کے لیے تبخیر (ایویپوریشن) اور تکثیف (کنڈینسیشن) وغیرہ کی جو اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں، قرآن مجید نے اس آیت کے اندر انتہائی جامعیت کے ساتھ انہیں بیان کر دیا ہے۔

پہاڑوں جیسے بادلوں اور ان سے برف اور اولے کے برسنے اور بجلی کے کوندنے کے الفاظ کی معنویت کو پوری طرح سمجھنے کے لیے مثال کے طور پربادلوں کی مختلف اقسام کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ (مثال کے طور پر کومولونمبس، تھنڈراسٹارم، وغیرہ۔)

آیت 44

..

یُقَلِّبُ اللہُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾

..

اللہ ہی ہے جو رات اور دن کو گردش دیتا ہے، بے شک اس حقیقت میں اہلِ نظر کے لیے بڑا سامانِ عبرت ہے۔

..

It is God who causes night and day to alternate: in this [too], behold, there is surely a lesson for all who have eyes to see. (24:44)

یُقَلِّبُ: الٹ پھیر اور بدلنے کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت رات اور دن کو بدلتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ رات اور دن کی گردش اور الٹ پھیر میں اُن لوگوں کے لیے درسِ عبرت (غور و فکر کا سامان) ہے جو آنکھیں رکھتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ قرآن مجید کس طرح دوہرا دوہرا دوہرا کر انسان کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ کائناتی مظاہر پر غور و فکر کرے، اور اس طرح وہ دنیوی فائدے بھی

حاصل کرے اور اپنے خالق کی معرفت کی منازل بھی طے کرے جو اس کی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ رات اور دن کے الٹ پھیر کے الفاظ کا مجازی مفہوم بھی ہے: اچھے برے دن، عروج و زوال، غم و خوشی وغیرہ۔

...

آیت 45

...

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

...

اور اللہ ہی نے سب جاندار پانی سے پیدا فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل رینگتے ہیں، بعض دو ٹانگوں سے چلتے ہیں اور بعض چار ٹانگوں سے چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

.....

And it is God who has created all animals out of water; and [He has willed that] among them are such as crawl on their bellies, and such as walk on two legs, and such as walk on four. God creates what He will: for, verily, God has the power to will anything. (24:45)

......

دابہ کا معنی

وہ مخلوق جس میں حرکت کی صلاحیت ہو۔ یہاں جاندار یا حیوان کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ آیت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے خلق کیا ہے۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ پانی جانداروں کے جسم کا جزوِ اعظم ہے۔ مثلاً انسان کے جسم میں تقریباً ستر فیصد پانی ہوتا ہے۔ اسی طرح، تمام جانداروں کی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ زندگی کے آغاز کا جدید سائنسی نظریہ یہی ہے، جس کے مطابق آج سے تقریباً ساڑھے تین ارب سال قبل سمندروں کے کنارے پانی کے اندر پہلے جاندار وجود میں آئے۔ اس تصور کو پانی میں زندگی کے آغاز کا تصور کہا جاتا ہے۔

یہاں تین قسم کے حیوانات کا صراحت سے ذکر کیا گیا ہے

پیٹ کے بل رینگنے والے (ریپٹائیلز)، مثلاً سانپ، مگرمچھ وغیرہ۔

دو ٹانگوں کے ساتھ چلنے والے، مثلاً انسان اور پرندے وغیرہ۔

چار ٹانگوں کے ساتھ چلنے والے، مثلاً چوپائے۔

تخلیق عمل ایک جاری عمل ہے

اللہ تعالیٰ کے تخلیقی امکانات لا محدود ہیں، اس کا تخلیقی عمل کسی خاص مرحلے پر آ کر رک نہیں گیا۔ بلکہ یہ ایک مسلسل عمل (جاری پروسس) ہے۔

حیوانات کی دنیا میں رنگ برگیت حساب و شمار یے باہر ہے۔ یہ تین اقسام تک محدود نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ زندگی کے بے شمار مظاہر ہیں، ان میں وہ حیوانات بھی ہیں جو پانی میں رہتے ہیں اور وہ بھی جو خشکی پر رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، حشرات (انسیکٹس) کی ہزار ہا اقسام ہیں۔

دابہ کے اگر وسیع تر معنی لیے جائیں تو اس میں پودے بھی شامل ہوں گے کیونکہ یہ بھی جاندار ہیں اور ان میں نشو و نما (ڈویلپمنٹ) اور بالیدگی (گروتھ) پائی جاتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی حرکت ہے۔

....

سورہ الفرقان (سورہ نمبر 25)

آیت: 2

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾

(اللہ) وہی ہے جس کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ اور اس نے کوئی بیٹا اختیار نہیں کیا، اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے۔ اور یہ کہ اسی نے ہر شے کو پیدا کیا اور اس کے لئے ایک نظام رکھا۔

He to whom the dominion over the heavens and the earth belongs, and who begets no offspring, and has no partner in His dominion: for it is He who creates every thing and determines its nature in accordance with [His own] design. (25:2)

اللہ یگانہ و یکتا ہے۔ وہی کائنات کا مالک و مختار ہے۔ کائنات کی ہر شے ایک نظام کے مطابق ہے۔

آیات: 45، 46

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿ۙ۴۵﴾
ثُمَّ قَبَضۡنٰہُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ﴿۴۶﴾

کیا تم نے اپنے رب کی اس قدرت کی طرف نگاہ نہیں کی کہ وہ کیسے سائے کو پھیلاتا ہے، اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا بنا دیتا۔
پھر یہ کہ ہم نے سورج کو اس پر دلالت کرنے والا بنایا۔
پھر یہ کہ ہم اسے (اس کی درازی کے بعد) آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں (یعنی مٹا دیتے ہیں)۔
(ان سب مظاہر میں اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں)

تشریحی ترجمہ

کیا (اے مخاطب) تم نے اپنے رب کی اس قدرت (اور نظام) پر غور نہیں کیا کہ وہ کیسے سایہ کو(پیدا کرتا اور) پھیلاتا ہے۔ اگر اس کی منشاء ہوتی تو وہ ایسا کر سکتا تھا کہ اسے مستقل بنا دیتا (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اور وہ ایک متحرک نظام کے تابع ہے؛ وہ پیدا ہوتا، اپنی انتہا کو پہنچتا، گھٹتا اور ختم ہوتا ہے)۔ پھر یہ کہ ہم نے اس پر سورج کو دلالت کرنے والا بنایا (جس سے اس کی کیفیات کا تعین ہوتا ہے)۔ پھر یہ کہ ہم اسے (اس کی انتہائی حالت پرپہنچ جانے کے بعد) آہستہ آہستہ سمیٹتے ہوئےاس کے اختتام کی طرف لے جاتے ہیں۔ (اس طرح رات اور دن کی گردش کا یہ نظام جاری رہتا ہے۔ ان سب مظاہر میں اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں)۔

.....

Are you not aware of thy Sustainer [through His works]? – how He causes the shadow to lengthen when, had He so willed, He could indeed have made it stand still: but then, We have made the sun its guide, (25:45) and then, [after having caused it to lengthen,] We draw it in towards Ourselves with a gradual drawing-in.(25:46)

....

مَدَّ کا معنی ہے پھیلایا، کھینچا، لمبا کیا وغیرہ۔ قَبَضۡنٰہُ ہم نے اسے واپس لیا، قبضے میں لیا، سمیٹا؛ یہاں مٹا دینے اور ختم کرنے کے مفہوم میں ہے۔ ہم اسے اپنی طرف سمیٹتے ہیں یعنی مٹا دیتے ہیں۔ اللہ اپنے قانونِ تکوینی کے ذریعے سایہ کو پیدا کرتا، پھیلاتا اور پھر اسے سمیٹتا اور ختم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سائے اور روشنی کا نظام قائم کیا ہے۔ زمین پر زندگی کے وجود، بقا اور نشو و نما کے لیے دونوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اگر صرف روشنی ہوتی، سایہ نہ ہوتا تو زمین کی ہر چیز جل کر بھسم ہو جاتی، اور اگر صرف سایہ ہوتا، روشنی نہ ہوتی تو ہر چیز منجمد ہو کر رہ جاتی۔

اس آیت میں بطورِ عموم ہر سایہ مراد ہو سکتا ہے، لیکن بطورِ خاص رات کا سایہ مراد ہو سکتا ہے۔ رات اصل میں زمین کے نصف کرہ کا سایہ ہے جو زمین کے سورج کے سامنے ہونے کی وجہ سے بنتا ہے۔ یہ سایہ عمودی مخروطی شکل کا ہوتا ہے جو زمین کے نصف کرہ اور اس کے اوپر کی فضا کو ڈھانپے رہتا ہے اور ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے۔ سورج نہ ہوتا تو یہ سایہ بھی نہ ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو سورج طلوع نہ ہو (یعنی زمین حرکت کرنا بند کر دے) تو یہ سایہ مستقل طور پر زمین پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ سورج کو طلوع کرتا ہے جس سے رات کا سایہ ختم ہو جاتا ہے۔ سورج کے طلوع سے رات کا خاتمہ (قبض الظل بطلوع الشمس)۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اندھیرا آہستہ آہستہ روشنی میں تبدیل ہوتا ہے اور روشنی آہستہ آہستہ اپنی انتہائی شدت کو پہنچتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے کہ یہ تبدیلی تدریجی طور پر وقوع پذیر ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

روشنی اور سایہ دونوں کی موجودگی دیکھنے کے عمل کے لیے بھی ضروری ہے۔ اگر روشنی کسی جسم میں سے ساری کی ساری گزر جائے تو ہمیں نظر نہیں آئے گی۔ یعنی اگر کوئی چیز کامل طور پر ایسی شفاف ہو کہ اس کا سایہ نہ بنتا ہو تو وہ ہمیں نظر نہیں آئے گی۔

سائے کی حرکت وقت کی پیمائش اور اندازے کا ایک قدرتی پیمانہ ہے۔ سائے کی سمت اور اس کی لمبائی سے وقت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں جب کہ موجودہ طرز کی گھڑیاں موجود نہ تھیں، اس چیز کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔

جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ طویل تر ہوتا ہے۔ سورج جتنا بلند ہوتا جاتا ہے، سایہ اتنا چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔ دوپہر کو سایہ چیز کے قدموں میں ہوتا ہے۔ پھر جتنا سورج ڈوبنے کی طرف جاتا

ہے، سایہ مخالف سمت میں آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ غروبِ آفتاب کے ساتھ ہر طرف رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔
(ألَم تَرَ إلى صُنْعِ ربكَ كيف بَسَطَ الظلَّ من وقتِ غُروب الشَّمسِ إلى وقتِ طُلوعِها من المشرقِ إلى المغرب۔۔)

سورج کی موجودگی سائے کی موجودگی پر دلالت کرتی ہے۔ اور نور تاریکی پر۔

آیت: 47
وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّ النَّوۡمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّہَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾
اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ پوش اور نیند کو راحت کا ذریعہ بنایا اور دن کو ازسرِ نو اٹھنے کا وقت قرار دیا۔

And He it is who makes the night a garment for you, and [your] sleep a rest, and causes every [new] day to be a resurrection. (25:47)

رات بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے
رات لباس کی طرح انسانوں اور دوسری چیزوں کو اپنے اندر چھپالیتی ہے۔ رات کا اندھیرا نیند کی آمادگی کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ جب انسان سونا چاہتا ہے تو آنکھیں بند کر لیتا ہے، بتیاں بجھا دیتا ہے یا پھر آنکھوں پر کوئی پردہ ڈال لیتا ہے۔
نیند بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے
سباتا، "سبت" کے مادے سے ہے جس کا معنی ہے کاٹ دینا اور منقطع کرنا۔ یہ آرام کی غرض سے کام کاج کو روک دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب نیند آتی ہے تو جسم کی غیر ارادی حرکات کو چھوڑ کر باقی تمام سرگرمیاں معطل ہو جاتی ہیں۔
نیند انسان کی کھوئی ہوئی توانائی کو بحال کر کے اُسے ترو تازہ کرتی ہے۔ اس سے اعضائے بدن اور بالخصوص أعصاب کو سکون ملتا ہے۔ دن حرکت اور جد و جہد اور طلبِ معاش کے لیے دوڑ دھوپ کا وقت ہے۔ روشنی کا زندگی اور حرکت و عمل سے گہرا تعلق ہے۔
--
……---------------

آیات: 48، 49

وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَہُوۡرًا ﴿۴۸﴾
لِّنُحۡیِۦَ بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا وَّ نُسۡقِیَہٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ کَثِیۡرًا ﴿۴۹﴾
--
اور اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔
اور ہم آسمان سے پاک پانی اُتارتے ہیں کہ اس سے مردہ زمین کو از سرِ نو زندہ کر دیں، اور اُسے اپنی مخلوقات میں سے کثیر تعداد چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں۔

And He it is who sends forth the winds as a glad tiding of His coming grace; and [thus, too,] We cause pure water to descend from the skies, (25:28) so that We may bring dead land to life thereby, and give to drink thereof to many [beings] of Our creation, beasts as well as humans. (25:49)

سماء: بلندی، بادل، زمین کے اوپر کی فضا جہاں بادل ہوتے ہیں اور جہاں سے بارش برستی ہے۔ ہم زمین کے باشندے کائنات کو زمین کے حوالے سے دیکھتے ہیں، لہٰذا، زمین سے جب ہم اوپر کی طرف دیکھتے ہیں، تو اوپر کی فضا ہمارے لئے سماء ہے۔ بلندی کے تصور کے لحاظ سے بادل کو بھی سماء کہا جاتا ہے، اگرچہ اس کے لئے اور الفاظ بھی ہیں۔

اللہ کی قدرت کی نشانیاں

اس آیت میں اللہ کے وجود اور قدرت کی نشانیوں کے طور پر کئی چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔

ہواؤں کا چلنا جو بادلوں کو اُٹھا کر ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف لے جاتی ہیں۔ ہوائیں ایک مربوط نظام کے تحت چلتی ہیں۔ ان کے بہت سے فائدے ہیں۔

بادلوں سے بارش کا برسنا۔

پانی سے نباتات کا اُگنا اور یوں مردہ زمین کا زندہ ہو جانا۔

پانی کا انسانوں اور حیوانات کے پینے کے کام آنا۔

پانی اللہ کی عظیم نعمت

یہاں بارش کی صفت کے طور پر ''طھور'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ طہارت کا مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا مفہوم ''پاک ہونا'' بھی ہے اور ''پاک کرنا'' بھی۔ بارش کے پانی میں یہ خاصیت ہے کہ یہ خود بھی پاک و صاف ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک و صاف کرتا ہے۔

پانی کو آفاقی محلل (یونیورسل سالونٹ) کہا جاتا ہے، اس میں چیزوں کو اپنے اندر حل کرنے کی زبردست صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اس صلاحیت کی بنیاد پر یہ دھونے اور صاف کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا پانی انسان کو صاف ستھرا اور صحت مند رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

پانی نباتات و حیوانات اور انسان کے کام آتا ہے۔ بے آب و گیاہ زمین پانی کی بدولت ہی سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ انسان اور حیوان اسے پیتے ہیں۔ اس آیت میں پہلے نباتات کا ذکر ہے، پھر حیوانات کا اور پھر انسان کا۔

غذائی زنجیر (فوڈ چین) کی ترتیب بھی یہی ہے۔

آیت: 53

وَ ہُوَ الَّذِیۡ مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ ہٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّ ہٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیۡنَہُمَا بَرۡزَخًا وَّ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ﴿۵۳﴾

۔اور اللہ وہی ہے جس نے دو بحر (پانی کے عظیم ذخیرے) ساتھ ساتھ جاری کیے۔ ایک کا پانی میٹھا اور خوشگوار ہے اور دوسرے کا نہایت نمکین اور تلخ۔اور، ان کے درمیان اُس نے آڑ اور مضبوط رکاوٹ بنائی ہے۔

And He it is who has given freedom of movement to the two great bodies of water – the one sweet and thirst-allaying, and the other salty and bitter – and yet has wrought between them a barrier and a forbidding ban.(25:53)

بحر کا معنی

بحر کا معنی بعض لوگوں نے دریا اور بعض نے سمندر کیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سمندر نمکین اور دریا میٹھے ہوتے ہیں۔ لہٰذا سوچنا پڑے گا کہ یہاں بحر کا معنی کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں بحر پانی کے وسیع اور عظیم ذخیرے
کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی گریٹ باڈی آف واٹر۔ لہٰذا اس کا اطلاق دریا اور سمندر دونوں پر ہوتا ہے۔

یہ قدرتِ خداوندی کا حیرت انگیز کرشمہ ہے کہ زمین پر دو قسم کا پانی پایا جاتا ہے۔ (ا) میٹھا پانی جسے انگریزی میں فریش واٹر کہتے ہیں اور (ب) نمکین پانی یا کھاری پانی جسے سالٹ واٹر کہتے ہیں۔
دونوں پانی زمین پر مستقل طور پر اپنی اپنی جگہ قائم ہیں اور آبی چکر یعنی واٹر سائیکل کے ذریعے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ میٹھا پانی دریاؤں کے ذریعے سمندروں میں جا کر گرتا رہتا ہے اور سمندروں کا پانی تبخیری عمل یا ایویپوریشن کے ذریعے اپنے نمک کو پیچھے چھوڑ کر بخارات کی شکل میں تبدیل ہوتا رہتا ہے جو بادل بنتے ہیں اور بارش یا برف وغیرہ کی شکل میں زمین پر برستے ہیں۔ یوں زمین پر میٹھے اور کھاری پانی کا ایک چکر قائم رہتا ہے۔

یہ دو اقسام کے پانی زمین پر ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ یہ آپس میں ملے ہوئے ہیں مگر ان کے درمیان قانونِ فطرت کی ایک مضبوط آڑ اور رکاوٹ ہے جو انہیں مکمل طور پر باہم ہم آمیز یا مکس ہونے سے روکتی ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ زمین کا سارا میٹھا اور نمکین پانی مل کر ایک ہو جائیں اور دنیا سے میٹھے پانی کا وجود ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور دوسرے جانداروں کو میٹھا پانی فراہم کرنے کا یہ ایک قدرتی نظام قائم کیا ہے۔ یہ واٹر سائیکل یا آبی چکر کا نظام ہے۔

مَرَج کا معنی

مرج کا معنی ہے کھلا چھوڑ دینا، یہاں دو قسم کے پانیوں کا آزادی کے ساتھ ہم وقت طور پر زمین میں ساتھ ساتھ جاری رہنا مراد ہے۔
حجر اس علاقے کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد پتھر چن دیے جائیں اور اس طرح اس کی حد بندی کر دی جائے کہ اس کی حدود میں کوئی داخل نہ ہو سکے۔'

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا عربی کی خاص اصطلاح ہے، جب کوئی شخص اپنے دشمن سے امان حاصل کرنا چاہتا تو یہ جملہ استعمال کرتا۔ مطلب یہ ہوتا کہ اُسے ایسی امان دے دی جائے جس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔

....

سورہ فرقان

آیت: 54

وَ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِہۡرًا ؕ وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیۡرًا ﴿۵۴﴾

اور اللہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا ہے، اور اسے نسبی اور سسرالی رشتوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔ اور تیرا رب بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

And He it is who out of this [very] water has created man, and has endowed him with [the consciousness of] descent and marriage-tie: for thy Sustainer is ever infinite in His power. (25:54)

انسان سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے ہر فردِ بشر انفرادی طور پر مراد ہو تو انسان کی پانی سے تخلیق کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان کی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔ وہ پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ پانی انسان کے جسم کا جزوِ اعظم ہے۔ اس کے جسم میں تقریباً ستر فیصد پانی ہوتا ہے۔
اگر انسان سے مراد انسان بطورِ نوع (اسپیشیز) ہے یا دوسرے لفظوں میں اس سے مراد نوعِ انسانی کی اولیں تخلیق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے۔ پانی کے واسطے (میڈیئم) میں مادی عناصر سے ایک طویل اور پیچیدہ عمل کے ذریعے انسان کی اولیں تخلیق ہوئی۔

راقم کی تحقیق میں دوسرا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ آیت کے مفہوم میں یہ دونوں معنی شامل ہوں۔ انسان کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے، اور پانی اس کے وجود کا بڑا حصہ ہے، اور یوں وہ اپنی بقا کے لیے پانی پر انحصار رکھتا ہے۔

انسان ''مدنی الطبع'' ہے، یعنی وہ ایک معاشرتی یا سوشل وجود ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مختلف رشتوں سے بندھا ہوتا ہے۔

نسب وہ رشتہ ہے جو ماں باپ سے اولاد کو یا بہن بھائیوں کو آپس میں جوڑتا ہے۔ خونی رشتہ۔

صہر وہ رشتہ جو داماد اور سسرال کے درمیان ہوتا ہے اور دو خاندانوں اور قبائل کو آپس میں جوڑتا ہے۔
ایک حیاتیاتی یا بایولوجیکل رشتہ ہے اور دوسرا قانونی۔ انسان کی بطورِ نوع نشوونما اور بقا کے لیے دونوں طرح کے رشتے بہت اہم ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان ان کے حقوق ادا کرے۔

آیت: 59

الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚۛ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡئَلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا ﴿۵۹﴾
....
اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ ادوار میں پیدا کیا اور وہ تختِ اقتدار پر تمکن کیے ہوئے ہے۔ وہ رحمٰن ہے، پس اُس کے بارے میں اُسی سے پوچھو جو(اس کو) جاننے والا ہے۔

He who has created the heavens and the earth and all that is between them in six aeons/periods/stages, and is established on the throne of His almightiness: the Most Gracious! Ask, then, about Him, [the] One who is [truly] aware.(25:59)

کائنات کی تخلیق اللہ کی ہستی اور قدرت کا عظیم اظہار ہے۔
اللہ تعالیٰ نے کائنات کو چھ ادوار میں تخلیق کیا اور وہی ہے جو اس کے تختِ اقتدار پر جلوہ فرما ہے۔ اسی نے اس کائنات کو پیدا کیا اور اسی کے ہاتھ میں اس کا نظام ہے۔ وہی خالق ہے اور وہی مالک و حکمران۔
اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اپنی حکمت سے ایک تدریجی عمل سے پیدا کیا۔ وہ اپنے آغاز سے درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہے، اور اسی طرح آگے بھی جائے گی، یہاں تک کہ اپنے مقصدِ تخلیق کو حاصل کر لے گی۔ یہ وہ وقت ہوگا جب وہ اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔

کائنات کی تخلیق اللہ کی رحمت کی جلوہ گری ہے۔ اس کی رحمت کائنات کی ایک ایک چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اس کے بارے میں اس سے پوچھو جو ''باخبر ہے'' کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہیں پروردگار کی قدرت کے بارے میں سوال کرنا ہے تو خود اُسی سے کرو، کیونکہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہی بتا سکتا ہے۔
دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اگر مانگنا چاہتے ہو تو اُسی سے مانگو، وہ اپنے بندوں کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے۔ اُسی سے طلب کرو کیونکہ وہی ہر چیز سے آگاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان بلکہ مخلوق کے وہم و گماں، حواس و عقل بلکہ جاننے کی ہر طاقت سے بلند و بر تر ہے۔ اس کے بارے میں ہم حتمی اور قطعی علم اتنا ہی حاصل کر سکتے ہیں جتنا اس نے وحی کے ذریعے خود بتایا ہے۔ ہم حسی یا عقلی طور پر جو کچھ کر سکتے ہیں وہ محض ظن و تخمین ہے۔ اللہ کے بارے میں یقینی اور قطعی علم کا ذریعہ صرف وحی ہے جو اب قرآن کی شکل میں محفوظ ہے۔

آیات: 61، 62

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ فِیۡہَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾
وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ خِلۡفَۃً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا ﴿۶۲﴾

بڑی ہی با برکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بروج (روشن سماوی اجرام) بنائے اور اس میں ایک چراغ (سورج) اور ایک منور چاند بنایا۔ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔ یہ نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو یاددہانی حاصل کریں یا شکر گزار بننا چاہیں۔

Hallowed is He who has set up in the skies bright heavenly bodies, and has placed among them a [radiant] lamp and a light-giving moon. (25:61)

And He it is who causes the night and the day to succeed one another, [revealing Himself in His works] unto him who has the will to take thought – that is has the will to be grateful. (25:62)

بروج کا مفہوم

یہ ’’برج‘‘ کی جمع ہے۔ وہ چیز جو ظاہر اور نمایاں ہو۔ جیسا کہ دوسرے مقامات پر تصریح کی گئی ہے، یہاں ممکنہ طور پر بروج سے مراد روشن سماوی اجرام ہیں۔ ان میں آج کی سائنسی تعریف کے مطابق ستارے اور سیارے شامل ہیں۔

سراج کا مفہوم

سراج کا معنی ہے روشن چراغ، مراد ہے سورج جو کہ سائنسی اصطلاحوں میں زمین کا قریب ترین ستارہ ہے۔ اس کے اندر نیوکلیائی تعاملات (نیوکلیئر ری ایکشنز) ہو رہے ہیں جن سے بہت زیادہ حرارت اور روشنی پیدا ہو رہی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں سورج کے لیے ’’سراج‘‘ (روشن چراغ) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورج کی روشنی خود اس کے اپنے اندر سے نکلتی ہے۔ چاند کے لیے ’’منیر‘‘ (نور پھیلانے والا) کی صفت استعمال کی گئی ہے۔ چاند اپنی چاندنی سے راتوں کو منور کرتا ہے، اس کی یہ روشنی اس کی ذاتی نہیں بلکہ سورج ہی کی روشنی ہے جسے یہ اپنی سطح سے منعکس یا ریفلیکٹ کرتا ہے۔

رات اور دن کی گردش کا نظام

رات اور دن کا تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے۔ زمین کی محوری گردش کے دوران اس کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ دوسری طرف ہوتا ہے وہاں رات ہوتی ہے۔ اگر زمین پر صرف رات ہوتی تو زمین یخ ٹھنڈی ہوتی، اس کا سارا پانی جمی ہوئی حالت میں ہوتا اور اس کا درجہ حرارت اتنا پست ہوتا کہ اس پر کسی جاندار کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہ ہوتا اور نتیجتاً اس پر کوئی جاندار زندہ نہ رہ سکتا۔

کائناتی آیات کا مقصد

کائناتی آیات اور نعمتوں کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی معرفت اور پہچان پیدا کرے، اور، ثانیاً، اپنے اندر شکرگزاری کا إحساس پروان چڑھائے۔

سورہ الشعراء (سورہ نمبر 26)
آیات: 7-9

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۷﴾
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُ ہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾
وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹٪﴾

کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا! ہم نے اس میں کتنی قسم قسم کی فیض بخش چیزیں اُگائی ہیں۔
یقیناً اس میں (لوگوں کے لئے اللہ کی قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔ پھر بھی ان میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں۔
اور آپ کا رب، بے شک وہ صاحبِ غلبہ و اقتدار بھی ہے ، نہایت مہربان بھی۔

Have they, then, never considered the earth – how much of every noble kind [of life] We have caused to grow thereon. (26:7)
In this, behold, there is a message [unto men], even though most of them will not believe [in it]. (26:8)
But, verily, thy Sustainer – He alone – is almighty, a dispenser of grace. (26:9)

زمین میں انسان کے لئے اللہ کی ہستی اور قدرت کا پیغام اور غور و فکر کا سامان موجود ہے۔
زمین میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور قدرت کی گوناگوں نشانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ یہاں خاص طور پر قسم قسم کے مفید نباتات کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔

کریم کا معنی
جیسا کی متن سے ظاہر ہے یہاں کریم کا معنی فیض بخش، مفید اور قابلِ قدر چیز۔ تمام نباتات مفید ہیں۔ یہ افادیت سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ مزید اجاگر ہوتی جا رہی ہے۔

لیکن جو لوگ تعصبات اور ہٹ دھرمی میں گرفتار ہوتے ہیں وہ قبولِ حق کی طرف آمادہ نہیں ہوتے۔

اللہ العزیز ہے یعنی غالب، زبردست، جو ناقابلِ شکست ہو، اختیار و اقتدار کا مالک، ہر چیز پر غلبہ و اقتدار رکھنے والا۔
اللہ الرحیم ہے، ہمیشہ اور بہت رحم کرنے والا، نہایت مہربان۔
یعنی اللہ العزیز ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ الرحیم بھی ہے۔ کائنات، کائنات کے مظاہر اور اس میں کارفرما قانون اللہ کی قدرت کا بھی اظہار ہے اور اس کی بے پایاں رحمت کا بھی۔
……….

سورہ النمل (سورہ نمبر 27)

آیات: 60-64

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَہۡجَۃٍ ۚ مَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا
شَجَرَہَا ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ بَلۡ ہُمۡ قَوۡمٌ یَّعۡدِلُوۡنَ ﴿۶۰﴾

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے بادل سے تمہارے لئے پانی اتارا؟ پس ہم نے اس سے خوش منظر باغات اُگائے، تمہارے امکان میں نہ تھا کہ تم ان کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ راہِ حق سے انحراف کرنے والے لوگ ہیں۔

Nay – who is it that has created the heavens and the earth, and sends down for you [life-giving] water from the skies? For it is by this means that We cause gardens of shining beauty to grow – [whereas] it is not in your power to cause [even one single of] its trees to grow! Could there be any divine power besides God? Nay, they [who think so] are people who swerve [from the path of reason]. (27:60)

اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَہَاۤ اَنۡہٰرًا وَّ جَعَلَ لَہَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیۡنَ الۡبَحۡرَیۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ
بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾

بھلا کس نے زمین کو (جانداروں کے لئے) جائے قرار بنایا اور اس میں نہریں جاری کیں اور اس میں پہاڑ بنائے؟ اور جس نے دو بحروں کے درمیان آڑ بنائی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں اکثر بے علم ہیں۔

Nay – who is it that has made the earth a fitting abode [for living things], and has caused running waters [to flow] in its midst, and has set upon it mountains firm, and has placed a barrier between the two great bodies of water? Could there be any divine power besides God? Nay, most of those [who think so] do not know [what they are saying].(27:61)

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ یَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۶۲﴾

بھلا وہ کون ہے جو کسی بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے، اور کون اُس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کے خلفاء بناتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم غور کرتے ہو۔

Nay – who is it that responds to the distressed when he calls out to Him, and who removes the ill [that caused the distress], and has made you

inherit the earth? Could there be any divine power besides God? How seldom do you keep this in mind. (27:62)

اَمَّنۡ یَّہۡدِیۡکُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ مَنۡ یُّرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۶۳﴾

بھلا وہ کون ہے جو بر و بحر (خشکی اور تری) کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور جو ہواؤں کو اپنی (بارانِ) رحمت سے پہلے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اللہ بہت ہی برتر ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

Nay – who is it that guides you in the midst of the deep darkness of land and sea, and sends forth the winds as a glad tiding of His coming grace? Could there be any divine power besides God? Sublimely exalted is God above anything to which men may ascribe a share in His divinity. (27:63)

اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۶۴﴾

بھلا کون ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اُس کا اعادہ کرے گا، اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟
کہو کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

Nay – who is it that creates [all life] in the first instance, and then brings it forth anew? And who is it that provides you with sustenance out of heaven and earth? Could there be any divine power besides God? Say: “[If you think so,] produce your evidence – if you truly believe in your claim!” (27:64)

آیات 60 تا 64 کی تشریح

اللہ کی ہستی اور قدرت کی آیات
ان آیات میں اللہ کے وجود، قدرت اور توحید کی نشانیاں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق۔
بارش کا برسنا۔
پانی سے طرح طرح کے خوش منظر باغات کا اُگنا۔
زمین کا انسان کے لئے جائے قرار بننا۔
زمین میں نہروں (دریاؤں) کا جاری ہونا جو تازہ پانی فراہم کرتی ہیں۔
زمین میں پہاڑوں کی تخلیق جن کے گونا گوں فائدے ہیں۔
زمین میں دو اقسام کے پانی کا پیدا کیا جانا: میٹھا اور نمکین۔

انسان کو زمین کا خلیفہ بنایا جانا۔
خشکی اور تری میں رہنمائی کا اہتمام۔
ہواؤں کا چلنا، جو بادلوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے کر جاتی ہیں۔
بارش سے طرح طرح کے نباتات کا اُگنا۔

بحرکا مفہوم
بحر دریا کو بھی کہتے ہیں اور سمندر کو بھی؛ اس کا لغوی معنی ہے پانی کا وسیع اور عظیم ذخیرہ ("Great body of water")
-

یہاں دو بحروں کا ذکر ہے، یعنی دو قسم کے پانی: ایک میٹھا پانی اور دوسرا کھاری پانی۔ دونوں کے درمیان اللہ کے قانونِ فطرت کی آڑ ہے۔ یہ پانی زمین میں ساتھ ساتھ موجود ہیں مگر ایک دوسرے کے وجود کو ختم نہیں کرتا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ زمین کا سارا پانی نمکین ہو جائے۔ بلکہ دونوں موجود ہیں اور زمین پر حیات کی بقا اور نشو و نما کے لئے دونوں کی ضرورت ہے۔ تازہ پانی کی افادیت بہت واضح ہے۔ یہ زمین کے تمام جانداروں کی ضرورت ہے۔ اگر سمندر کا پانی نمکین نہ ہوتا تو اس میں موجود بے شمار جانداروں کی باقیات اور نامیاتی مادے بہت جلد گل سڑ جاتے، جس کے نتیجے میں شدید تعفن پیدا ہوتا کہ زمین پر رہنا بہت مشکل ہو جاتا، اور یہ بیماریاں پھیلنے لگتی۔
دراصل، نمک سمندر میں ایک قدرتی جراثیم کش ہے۔ یہ پانی میں بیکٹیریا اور فنگس کی غیر ضروری افزائش کو روکتا ہے اور نامیاتی مواد کے گلنے سڑنے کے عمل کو متوازن رکھتا ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کا ایک عظیم مظہر ہے کہ زمین پر زندگی کو ممکن بنانے کے لیے ہر چیز ایک خاص توازن کے ساتھ رکھی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی بارہا ہمیں زمین و آسمان کے عجائبات پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں کوئی چیز بلاوجہ نہیں بلکہ ایک حکمت کے تحت رکھی گئی ہے۔

زمین میں انسان کی حیثیت
اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، ارادہ اور اختیار کی طاقت عطا کی اور اُسے زمین پر ایک طرح کا غلبہ اور تسلط عطا کیا۔ انسان زمین کا خلیفہ ہے، یعنی اُسے زمین کی مخلوقات پر ایک طرح کی حکومت دی گئی ہے۔

آیت: 86

اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِیَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ النَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾
--
کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم نے رات (تاریک) بنائی ہے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن بنایا ہے (تاکہ اس میں کام کریں)؟ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانا چاہیں۔
----

for, were they not aware that it is We who had made the night for them, so that they might rest therein, and the day, to make [them] see? In this, behold, there are messages indeed for people who will believe. (27:86)

رات اور دن کا نظام اللہ کی عظیم نعمت ہے
رات اور دن کا وجود اور ان کا یکے بعد دیگرے آنا جانا اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ اور انسانوں کے لئے اس کی عظیم نعمت ہے۔
رات کی تاریکی انسان اور بہت سے دوسرے حیوانات کے أعصاب پر گہرا اثر مرتب کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ سوتے اور آرام کرتے ہیں۔ اسی طرح دن کی روشنی بیداری، حرکت اور فعالیت کا سبب بنتی ہے۔
یہاں دن کی صفت کے طور پر ''مُبْصِر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی معنی ہے: دیکھنے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دن کو ایسا بنایا ہے کہ لوگ اس میں ''دیکھ'' سکتے ہیں، یعنی زندگی کی نعمتوں اور معاش کے وسائل تک پہنچ سکتے اور ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
راتیں روشن دنوں کے درمیان میں آرام کرنے، کھوئی ہوئی توانائی کو بحال کرنے اور ترو تازہ ہو کر پھر سے کام کے لئے تیار ہو جانے کے فطری وقفے یا نیچرل انٹرولز ہیں۔

رات اور دن کے اس نظام میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کے روشن دلائل موجود ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، یا ایمان لانا چاہیں۔

آیت: 88

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ ہِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتْقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّہٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

اور (اے انسان) تو جب پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادل کی سی چال۔ یہ اُس اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو اپنی حکمت سے محکم بنایا ہے۔ بے شک وہ اُن کاموں سے بھی خوب باخبر ہے جنہیں تم انجام دیتے ہو۔

And [O humankind], when you observe the mountains, you will perceive them as stationary, while they will be passing like the passing of clouds. This is the work of God, who has ordered all things to perfection! Verily, He is fully aware of all that you do. (27:88)

اس آیت میں پہاڑوں کے بادل کی مانند چلنے کا انکشاف ہے، یعنی
اے انسان! تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادل کی مانند چل رہے ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ اگرچہ ہمیں ٹھہرے ہوئے لگ رہے ہوتے ہیں مگر وہ بڑی تیزی سے حرکت کر رہے ہوتے ہیں۔
بادلوں کی حرکت کے ساتھ تشبہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شور و غل اور دھماکے کے بغیر نرمی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ پھر جس طرح بادل عظیم الجثہ ہوتے ہیں اُسی طرح پہاڑ بھی بہت بڑی

جسامت کے حامل ہوتے ہیں۔
مگر سوال یہ ہے کہ پہاڑ کیسے حرکت کر رہے ہیں؟ اس کی ایک واضح تعبیر یہ ہے کہ یہ آیت اصل میں بالواسطہ طور پر زمین کی حرکت کا انکشاف کر رہی ہے۔ وہ زمین کا حصہ ہیں، اور زمین کے ساتھ محوِ حرکت ہیں۔ یہ بات پہاڑوں کے حوالے سے اس لئے کہی گئی ہے کہ پہاڑ بہت بڑے بڑے اور نمایاں ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ ان کا ٹھہراؤ اور پنی جگہ جما ہوا ہونا اور بھاری پن سب کو معلوم ہے بلکہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔
بہت سے مفسرین نے اس آیت میں پہاڑوں کی حرکت سے قربِ قیامت کے حالات کی طرف اشارہ سمجھا ہے جبکہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح اُڑیں گے۔ لیکن بہت سے قرائن اس تفسیر کی تائید کرتے ہیں جو اوپر ہم نے بیان کی ہے۔
مثال کے طور پر یہ کہنا کہ تم پہاڑوں کو ساکن و جامد ''گمان'' کرو گے یا کرتے ہو، حالانکہ قربِ قیامت کے موقع پر جو تبدیلیاں آئیں گی وہ بالکل واضح اور آشکارا ہوں گی، نہ کہ انہیں گمان کیا جائے گا۔

اسی طرح، آیت کا اگلا ٹکڑا کہتا ہے کہ ''یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے''۔ یہ بات اُس صورتحال سے زیادہ ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے جب کہ نظامِ کائنات برقرار ہے نہ کہ اُس وقت کے ساتھ جب وہ تباہ ہو رہا ہو۔
....

سورہ الروم (سورہ نمبر 30)

آیت: 8

اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾

کیا انھوں نے اپنے آپ میں اس بات پرکبھی غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر غایت و حکمت کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت کے لئے ۔ مگر لوگوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

Have they never learned to think for themselves? God has not created the heavens and the earth and all that is between them without [an inner] truth and a term set [by Him]: and yet, behold, there are many people who stubbornly deny the truth that they are destined to meet their Sustainer. (30:8)

آیت: 19

یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ یُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ وَ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۹﴾

وہی زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے اور زمین کو اس کے بے جان ہوجانے کے بعد از سر نو زندہ کردیتا ہے اور اسی طرح تم بھی (دوبارہ) پیدا کئے جاؤ گے -

---

He [it is who] brings forth the living out of that which is dead, and brings forth the dead out of that which is alive, and gives life to the earth after it had been lifeless: and even thus will you be brought forth [from death to life]. (30:19)

آیات: 20-25

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾
وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾
وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَ اَلۡوَانِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾
وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ ابۡتِغَآؤُکُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾
وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾
وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَۃً ٭ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ٭ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ﴿۲۵﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں مٹّی سے پیدا کیا پھر تم اچانک بشر بن کر زمین میں پھیل رہے ہو۔
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اُس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن میں تمہارا سونا، اور تمہارا اُس کے فضل کا تلاش کرنا۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو سنتے ہیں۔
اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی، اور آسمان سے پانی اُتارتا ہے، پس اُس سے زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔
اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ تمہیں زمین سے پکارے گا تو تم فوراً نکل پڑو گے۔

30:20 And among His wonders is this: He creates you out of dust – and then, lo! you become human beings ranging far and wide.
30:21 And among His wonders is this: He creates for you mates out of your own kind. so that you might incline towards them, and He engenders love and tenderness between you: in this, behold, there are messages indeed for people who think.
30:22 And among his wonders is the creation of the heavens and the earth, and the diversity of your tongues and colours: for in this, behold,

there are messages indeed for all who are possessed of [innate] knowledge.
30:23 And among His wonders is your sleep, at night or in daytime, as well as your [ability to go about in] quest of some of His bounties: in this, behold, there are messages indeed for people who [are willing to] listen.
30:24 And among His wonders is this: He displays before you the lightning, giving rise to [both] fear and hope, and sends down water from the skies, giving life thereby to the earth after it had been lifeless: in this, behold, there are messages indeed for people who use their reason.
30:25 And among His wonders is this: the skies and the earth stand firm at His behest. [Remember all this: for] in the end, when He will call you forth from the earth with a single call - lo! you will [all] emerge [for judgment].

تشریحات
یہ چھ آیات ہیں جن میں سے ہر ایک "وَمِنْ اٰیَتِہِ" (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے) کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس قسم کی آیات قرآن مجید میں کل گیارہ ہیں۔ ان چھ کے علاوہ ایک اسی سورہ میں آیت نمبر 46 ہے، دو آیات سورہ حم سجدہ (41) میں ہیں (آیات 37 اور 39)، جبکہ دو آیات سورہ الشوریٰ (42) میں ہیں (آیات 29 اور 32)۔

بے جان مٹی (بے جان مادہ) سے جاندار اور ذی شعور انسان کی تخلیق اللہ کی ہستی اور قدرت کی عظیم شہادت ہے۔
اللہ تعالیٰ نے انسان میں افزائشِ نسل کی صلاحیت رکھی ہے جس کے نتیجے میں نسلِ انسانی زمین میں پھیل رہی ہے۔ یہ نسلی بقا کا ذریعہ ہے۔
مرد اور عورت ایک ہی جنس اور نوع سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھورے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کیے ہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس آیت میں شادی کا مقصد میاں بیوی کا باہمی سکون و راحت بیان کیا گیا ہے۔
یہاں مودت اور رحمت کے دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن پر غور کی ضرورت ہے۔ مودت ایک دو طرفہ تعلق ہے، جبکہ "رحمت" میں ایثار ہوتا ہے اور وہ یک طرفہ ہوتی ہے۔ معاشرے کی بقاء کے لئے دونوں کی ضرورت ہے۔ مودت کا جذبہ باہمی تعاون پر آمادہ کرتا ہے، اور رحمت کا جذبہ کسی صلے اور فریق ثانی کے عمل کا خیال رکھے بغیر اپنے طور پر شفقت کی تحریک دیتا ہے۔
کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کی گواہی دیتی ہے، انسان کا کائنات اور اس کے مظاہر کے متعلق علم جتنا بڑھتا جائے گا، اسی قدر اللہ کی قدرت کے تازہ نکات اس پر آشکار ہوتے جائیں گے۔
انسانوں میں پایا جانے والا زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اپنے اندر اللہ کی قدرت کی گوناگوں نشانیاں رکھتا ہے، مگر ان تک رسائی کے لئے علم کی ضرورت ہے۔
تمام انسان ایک وحدت سے پھوٹے ہیں، مگر ان میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں اور رنگ کے اعتبار سے بھی ان میں تنوع پایا جاتا ہے۔ ہر زبان خوبصورت اور ہر رنگ دلکش ہے۔ یہ بو قلمونی

اور رنگا رنگی بذاتِ خود ایک عظیم نعمت ہے۔ فرض کریں کہ اگر ساری دنیا کے انسان اپنی زبان اور رنگ و روپ میں ایک جیسے ہوتے تو ان کی ایک دوسرے سے پہچان بہت مشکل ہو جاتی۔
امام فخر الدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں کہا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو یا تو آنکھ سے دیکھ کر پہچانتا ہے یا اُس کی آواز سن کر۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے ذریعہ شناخت کرنے کے لئے انسانوں کے رنگ، صورتوں اور شکلوں کو مختلف بنایا ہے اور کان کے ذریعے شناخت کرنے کے لئے آوازوں اور لہجوں میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔
زبانوں کے اختلاف سے مراد بولی جانے والی زبانوں کا فرق بھی ہے اور آوازوں اور لہجوں کا فرق بھی، جبکہ رنگوں کے فرق سے مراد مختلف قوموں کے رنگوں کا فرق بھی ہے اور کسی ایک ہی قوم کے افراد کے رنگ و روپ کا فرق بھی۔
آخر میں کہا گیا ہے کہ ان میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حقائق میں پوشیدہ اسرار تک اہلِ علم کی نظر ہی بہتر طور پر پہنچ سکتی ہے۔
رات اور دن میں سونا اور معاش کے لئے دوڑ دھوپ کرنا بھی اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسیع نشانیاں رکھتا ہے، مگر ان نشانیاں کی گہرائی تک وہی پہنچ سکتے ہیں جو حق کی آواز سنتے ہوں۔ تعصبات اور ہٹ دھرمی میں جکڑے ہوئے لوگ اللہ کی کارفرمائی کے نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔
آیت کے الفاظ و عبارت پر ایک بار پھر غور کریں۔ یہاں "رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کا فضل تلاش کرنا" کے الفاظ توجہ طلب ہیں۔ اگرچہ عام معمول یہ ہے انسان رات کو سوتا اور دن کو کام کرتا ہے، لیکن اللہ نے انسان کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت، اپنے معمولاتِ حیات کو بدل سکتا ہے۔ انسان کو زندگی میں بعض ایسے حالات پیش آ جاتے ہیں جن میں اُسے رات کو کام کرنا اور دن میں سونا پڑ جاتا ہے۔ آج کی تہذیب یافتہ دنیا میں بعض اداروں، کارخانوں اور ہسپتالوں میں رات اور دن کام جاری رہتا ہے اور لوگ تین شفٹوں میں کام کرتے ہیں۔ اگر سونے کے اوقات انسان کے اختیار میں نہ ہوتے تو کتنی دشواری ہوتی۔
آیت میں "نیند" کا ذکر پہلے اور رزق کی تلاش کا ذکر بعد میں ہے۔ اس میں بھی یہ نکتہ ہے کہ اگر انسان سو نہ سکے، آرام نہ کر سکے، اپنی کھوئی ہوئی توانائی کو بحال کر کے ترو تازہ نہ ہو تو وہ کام بھی نہیں کر سکتا۔
بادلوں میں بجلی کے چمکنے میں انسانوں کے لئے خوف کا پہلو بھی ہے اور امید کا بھی۔ خوف یہ ہے کہ وہ کبھی ٹوٹ پڑتی ہے اور جو چیز اس کے احاطے میں آئے اُسے جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ امید یہ ہے کہ عموماً گرج چمک کے بعد بارش ہوتی ہے جو نباتات کے اُگنے اور تازہ پانی کی فراہمی کا ذریعہ ہے۔ اس بنا پر بجلی کا چمکنا نزولِ بارش کا پیش خیمہ ہے۔ اس کے علاوہ بجلی کے چمکنے میں اور بھی کئی فائدے ہیں۔
کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے، وہ جب تک چاہے گا قائم رہے گی اور اس کی منشائ کے مطابق اختتام کو پہنچ جائے گی۔
آیت نمبر 22 میں ارشاد ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے اور یہاں اُن کی بقاء کو نشانی قرار دیا گیا ہے۔ کائنات کی تخلیق اور بقاء دونوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کی گوناگوں نشانیاں ہیں۔
اوپر پہلی آیت میں انسانوں کی خلقت کا ذکر ہے اور یہاں روزِ قیامت دوبارہ جی اُٹھنے کا۔
کن لوگوں کے لئے نشانیاں:
اوپر آیات میں جن لوگوں کے لئے نشانات کا ذکر ہے اُن کی ترتیب یہ ہے
غورو فکر کرنے والے (آیت نمبر 21)
علم رکھنے والے (آیت نمبر 22)

سننے والے (آیت نمبر 23)
عقل سے کام لینے والے (آیت نمبر 24)

غورو فکر کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا، غورو فکر اور علم انسان کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ حق کی بات سنے۔ ان تینوں چیزوں کی موجودگی میں انسان عقلِ کامل کی منزل پر پہنچ سکتا ہے جہاں اس کی عقل پختہ ہوتی ہے۔
ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کی جس بات کو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے، وہاں علم والوں کے الفاظ آئے ہیں، جس بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی حق کی بات سنے، وہاں سننے والوں کے الفاظ آئے ہیں اور جہاں بات سمجھنے کے لئے گہرے تعقل کی ضرورت ہے، وہاں عقل سے کام لینے والوں کے الفاظ آئے ہیں۔

ظَہَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَہُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾

بر و بحر میں فساد پھیل گیا ہے لوگوں کے اعمال کے سبب، اس لئے کہ اللہ انہیں اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تاکہ وہ (راہِ راست کی طرف) رجوع کریں-------

30:41 Corruption has appeared on land and in the sea as an outcome of what men’s hands have wrought: and so He will let them taste [the evil of] some of their doings, so that they might return [to the right path]

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ یُّرۡسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیۡقَکُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِہٖ وَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡکُ بِاَمۡرِہٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۴۶﴾

او، اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہواؤں کو (باران رحمت کی) خوش خبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے اور اِس لیے بھیجتا ہے کہ تم کو اپنی رحمت سے لطف اندوز فرمائے اور اِس لیے کہ کشتیاں (اِن ہواؤں کی مدد سے) اُس کے (تکوینی) حکم سے چلیں اور اِس لیے کہ تم اُس کے فضل کے طلب گار بنو اور اِس لیے کہ تم اُس کا شکر ادا کرو۔

And, among His wonders is this: He sends forth [His messages as He sends forth] the winds that bear glad tidings, so that He might give you a taste of His grace [through life-giving rains], and that ships might sail at His behest, and that you might go about in quest of some of His bounties, and that you might have cause to be grateful. (30:46)

ہوائوں کا نظام

زمین پر ہوائیں ایک نظام کے تحت چلتی ہیں۔ ہواؤں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ اگر ہوا ساکن ہوتی تو اتنا تعفن پھیلتا کہ انسان کے لئے زمین پر رہنا مشکل ہو جاتا۔ ہواؤں کے بہت سے فوائد میں سے یہاں دو فوائد کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے:
پہلا یہ کہ ہوائیں سمندروں اور دوسرے آبی ذخائر سے آبی بخارات کو اٹھاتی اور انہیں بادلوں کی شکل میں جمع کرتی ہیں، اور پھر ان بادلوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر حرکت دے کر لے جاتی ہیں۔ اس طرح یہ انسانوں کے لئے بارانِ رحمت کی خوشخبری بن جاتی ہے۔
دوسرا یہ کہ ہواؤں کی مدد سے کشتیاں سمندروں اور دریاؤں وغیرہ کی سطح پر چلتی ہیں۔
انسان کے لئے لازمی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانے، اشیاء و مظاہرِ فطرت کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے متمتع ہو کر صحیح معنوں میں خود کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنائے۔

آیات: 48، 49

اَللّٰہُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَیَبۡسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ وَ یَجۡعَلُہٗ کِسَفًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾
وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمُبۡلِسِیۡنَ ﴿۴۹﴾

....

اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پس وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو فضا میں پھیلا دیتا ہے، اور اُن کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے، پس تم بارش کو ان میں سے نکلتے ہوئے دیکھتے ہو۔
جب وہ اسے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے تو وہ یکا یک خوش ہو جاتے ہیں۔
اگرچہ وہ اس کے نازل کیے جانے سے قبل بالکل مایوس ہو چکے تھے۔

30:48 It is God who sends forth the winds [of hope], so that they raise a cloud - whereupon He spreads it over the skies as He wills, and causes it to break up so that thou seest rain issue from within it: and as soon as He causes it to fall upon whomever He wills of His servants - lo! they rejoice,
30:49 even though a short while ago, [just] before it was sent down upon them, they had abandoned all hope.

سماء کا مفہوم
یہاں ''سماء'' کا لفظ زمین کے اوپر کی اُس فضا اور بلندی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس میں بادل پھیلتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، عربی زبان میں ''سماء'' وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ بلندی کے لئے، اوپر کی جہت کے لئے، بادل کے لئے، اوپر کی فضا کے لئے، کرہ ہوائی کے لئے، کائناتی خلا (کاسمک اسپیس) کے لئے اور حتیٰ کہ گھر کی چھت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
اس لئے کہتے ہیں کہ جو تمہارے پاؤں کے نیچے ہے وہ ''ارض'' ہے اور جو تمہارے سروں کے اوپر ہے وہ ''سماء'' ہے۔

تہ بہ تہ کا مفہوم

بادل فضائے آسمانی میں پھیلتے، سفر کرتے اور تہہ بہ تہہ ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان سے بارش برستی ہے۔ ’’تہہ بہ تہہ ہونا‘‘ غالباً اس حالت کی طرف
اشارہ ہے جس میں بادلوں میں آبی بخارات پہلے باریک قطروں اور پھر بڑے قطروں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس عمل کو جدید سائنسی زبان میں ترسیب یا پیریسیپیٹیشن کہا جاتا ہے۔
بارش اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جو انسان کو تازہ پانی یعنی فریش واٹر فراہم کرتی ہے، دریاوں، چشموں اور کنوؤں کو بنیادی طور پر اپنے لئے پانی بارش (بشمول برف وغیرہ) ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ تازہ پانی نہ صرف پینے کے کام آتا ہے بلکہ فصلوں، پھلوں اور سبزیوں کی آبپاشی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

آیت: 54

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ ضُعۡفًا وَّ شَیۡبَۃً ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ ﴿۵۴﴾

اللہ ہی ہے جس نے تم کو اس حال میں پیدا کیا کہ تم ناتوان تھے، پھر ناتوانی کے بعد قوت بخشی، پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی ہے بہت علم والا، بہت قدرت والا۔

It is God who creates you [all in a state] of weakness, and then, after weakness, ordains strength [for you], and then, after [a period of] strength, ordains [old-age] weakness and grey hair. He creates what He wills; and He alone is all-knowing, infinite in His power. (30:54)

یہ اللہ علیم و قدیر کا تشکیل کردہ نظام ہے کہ وہ انسان کو اس کی زندگی کے مختلف مراحل میں سے گزارتا ہے۔ ضعف سے قوت اور قوت سے دوبارہ ضعف کی حالتیں، پھر بزرگی کی عمر۔ ایک پروسس ہے۔ ایک نظام ہے۔ ہر مرحلہ اور اسٹیج کے اپنے تقاضے اور اپنی خصوصیات ہیں۔ اس میں انسان کے لئے سبق ہے۔

سورہ لقمان (سورہ نمبر 31)

آیت: 10

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَ بَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۰﴾

اُس نے آسمانوں کو بغیر ایسے سہارو کے تخلیق کیا جنہیں تم دیکھ سکو، اور اس نے زمین میں پہاڑ بنائے کہ وہ تمہیں لے کر لرزتی نہ رہے۔ اور اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلائے۔ اور ہم نے بادل سے پانی برسایا اور اس میں قسم قسم کی فیض بخش چیزیں اگائیں۔

He [it is who] has created the skies without any supports that you could see, and has placed firm mountains upon the earth, lest it sway with you, and has caused all manner of living creatures to multiply thereon. And We send down water from the skies, and thus We cause every noble kind [of life] to grow on earth. (31:10)

سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں سماوات (آسمانوں) کا لفظ اجرامِ سماوی (یعنی کہکشائیں، ستارے اور سیارے وغیرہ) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کا تکوینی قانون تمام اجرام کو اپنے اپنے مداروں پر قائم رکھے ہوئے ہے۔ تجاذب اور رفتار اور مومینٹم، اور مرکز مائل اور مرکز گریز قوتیں ایک توازن کے ساتھ تمام سماوی اجسام کو تھامے ہوئے ہیں۔
پہاڑ زمین کے استحکام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اللہ نے زمین کو جانداروں کے رہنے کے لئے مناسب و موزوں بیایا اور اس میں طرح طرح کے جاندار پھیلائے۔
آبی چکر قائم فرمایا جس سے جانداروں کو بارش کے ذریعے تازہ پانی ملتا ہے۔ پانی پر زندگی کا دارومدار ہے۔

آیات: 26، 27

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۶﴾
وَ لَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَۃٍ اَقۡلَامٌ وَّ الۡبَحۡرُ یَمُدُّہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سَبۡعَۃُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ کَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۷﴾۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے، بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے اور از خود لائقِ حمد ہے۔
اور زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ قلم بن جائیں اور سمندر، مزید سات سمندروں کے ساتھ، روشنائی بن جائے، تب بھی اللہ کی باتیں قلم بند نہیں ہو سکتیں۔ بے شک اللہ غالب اور حکیم ہے۔

Unto God belongs all that is in the heavens and on earth. Verily, God alone is self-sufficient, the One to whom all praise is due. (31:26)
And if all the trees on earth were pens, and the sea [were ink] , with seven [more] seas yet added to it, the words of God would not be exhausted: for, verily, God is almighty, wise. (31:27)

اللہ تعالیٰ لامحدود علم کا مالک ہے۔ اس کے علم کا احاطہ ناممکنات میں سے ہے۔ ایک درخت سے بلا مبالغہ بڑی تعداد میں قلم بنائے جا سکتے ہیں۔ دنیا کے سارے درختوں سے ممکنہ طور پر جو قلم بنائے جا سکتے ہیں، ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ پھر یہ کہ ایک قلم کوئی لفظ یا صفحہ یا کتاب لکھ کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی استعداد نہایت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ لکھنے میں جو چیز خرچ ہوتی ہے وہ روشنائی ہے نہ کہ قلم۔ قلم کو تراشنے کی ضرورت یقیناً پڑتی ہے لیکن ایک تراشے ہوئے قلم کی لکھنے کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔ اگر ان تمام قلموں سے ممکنہ حد تک تیز ترین لکھنے کا کام شروع ہو جائے اور اس مقصد کے لیے دنیا کے تمام سمندر روشنائی بن جائیں اور ان کے ساتھ بے شمار اور سمندر بھی شامل کر لیے جائیں، تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھنا ممکن نہیں۔
اس طرف بھی توجہ رہے کہ یہاں سبعہ (سات) کا لفظ کثرت کے معنوں پر دلالت کرتا ہے یعنی اگر بے شمار سمندر بھی روشنائی بن جائیں، تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات سپردِ قلم نہیں کیے جا سکتے۔
ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامتناہی ہے۔ سات کے کیا سات ارب سمندر بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح کی تھیم سورہ کہف (سورہ نمبر 18) آیت 109 میں بھی آئی ہے۔

قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

...

(اے رسولِ اکرم) کہہ دیں، اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے گا اگرچہ ہم اس کے ساتھ اُسی کی مانند اور سمندر ملا دیں(تب بھی میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے)۔

SAY: "If all the sea were ink for my Sustainer's words, the sea would indeed be exhausted ere my Sustainer's words are exhausted! And [thus it would be] if we were to add to it sea upon sea." (18:109)

کَلِمات کَلِمہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے ’’وہ لفظ جو کسی معنی پر دلالت کرتا ہو‘‘، یعنی جس کے ذریعے سے کوئی بات کہی جائے۔ اس بنیاد پر بعض اوقات کلمہ کا لفظ زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے ’’وہ چیز جو کسی حقیقت کو بیان کر سکے‘‘۔ کیونکہ کائنات کی گوناگوں مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود اور اس کے علم و قدرت کی گواہی دیتی ہے، لہٰذا ہر شے کو اس معنی میں کلمہ سے تعبیر کیا جائے گا۔
زیرِ نظر آیت میں کلمات کا لفظ موجوداتِ کائنات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ جن میں سے ہر ایک خالقِ کائنات کی لامحدود صفات کا مظہر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ ہزاروں سمندروں کی روشنائی (اِنک) بھی اس کے موجودات کے ناموں اور صفات کے لکھنے کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ اللہ کے لشکروں کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر بے شمار سمندروں کی روشنائی استعمال کی جائے تب بھی ممکن نہیں کہ جو کچھ اللہ کے علم میں ہے وہ رقم کیا جا سکے۔

-
آیت: 29

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ۫ کُلٌّ یَّجۡرِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۹﴾

کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ ہی ہے جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے؟ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے اور یہ کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔

31:29 Art thou not aware that it is God who makes the night grow longer by shortening the day, and makes the day grow longer by shortening the night, and that He has made the sun and the moon subservient [to His laws], each running its course for a term set [by Him] and that God is fully aware of all that you do.

رات اور دن کا نظام
رات اور دن کے تدریجی طور پر ایک دوسرے میں داخل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ سال میں رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں، ایک میں کمی دوسرے میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین اپنے مدار پر 23 درجے کے زاویے سے جھکی ہوئی ہے۔ اسی بنیاد پر موسم

وجود میں آتے ہیں۔ ما سوائے قطبین اور خطِ استوا کے، قطبین یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی میں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے، جبکہ خطِ استوا پر سارا سال رات اور دن کا دورانیہ برابر رہتا ہے۔
سورج اور چاند اللہ کے قانون کے پابند ہیں
سورج اور چاند اللہ کے حکم اور قانون کے پابند ہیں۔ اُسی کے ارادہ اور مشیت کے مطابق اپنا فعل سر انجام دے رہے ہیں۔ اور طرح طرح سے انسان کے فائدے کا باعث بنتے اور اس کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ نیز، انسان اپنے ذہن، شعور اور علم کو بروئے کار لا کر ان سے نئے نئے طریقوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔
یہ نظام ہمیشہ جاری نہیں رہے گا بلکہ اس کا ایک دورانیہِ حیات ہے جسے بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ اجرامِ سماوی میں سے ہر ایک ایک خاص مدت تک جو اس کے لیے معین ہے، اپنی حرکت جاری رکھے گا۔
....

آیت: 31

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡفُلۡکَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ لِیُرِیَکُمۡ مِّنۡ اٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۳۱﴾

کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتییں دریا میں چلتی ہیں؟ تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہے۔

Are you not aware how the ships speed through the sea by God’s favour, so that He might show you some of His wonders? Herein, behold, there are messages indeed for all who are wholly patient in adversity and deeply grateful [to God]. (31:31)

پانی میں کشتیوں اور جہازوں کے چلنے کے لیے کچھ ضروری حالات اور شرائط ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے جس نے یہ حالات پیدا کیے ہیں۔
سخت حوادث کے مقابلے میں صبر اور نعمتوں کے ملنے پر شکر۔ بحری سفر میں سخت مشکلات بھی ہیں اور اس میں طرح طرح کی نعمتیں بھی ہیں۔ اگر انسان میں صبر اور شکر کا جذبہ نہ ہو تو وہ ان نشانوں سے روشنی حاصل نہیں کر سکتا جن کا تعلق کشتیوں اور جہازوں کے پانی میں حرکت کرنے سے ہے۔

آیت: 34

اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿٪۳۴﴾

Verily, with God alone rests the knowledge of when the Last Hour will come: and He [it is who] sends down rain; and He knows what is in the wombs: whereas no one knows what he will reap tomorrow, and no one knows in what land he will die, Verily. God [alone] is all-knowing, all-aware. (31:34)

اللہ ہی وہ ہستی ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اس کا علم علمِ محیطِ کل ہے، کلی اور مطلق ہے۔ وہ ہر چیز کو پوری تفصیل کے ساتھ جانتا ہے۔ انسان یا دوسری مخلوق کے پاس جتنا علم ہے وہ اسی کا عطا کردہ ہے، علم کے ذرائع بھی حقیقت میں اسی کے عطا کردہ ہیں۔ پھر بھی، کوئی آلہ اور ذریعہ قطعی اور مکمل علم مہیا نہیں کر سکتا۔

یہاں بالخصوص، پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

قیامت کب آئے گی، وہی بارش برساتا ہے، مائوں کے رحموں کیا ہے، بچہ ہے یا بچی اور اس کے جسمانی، ذہنی اور روحانی اوصاف کیا ہوں گے، کل کیا پیش آنے والا ہے، اور کس کو کس مقام پر موت آئے گی۔

انسان کا علم ایک تو اس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ کا عطا کردہ ہے، دوسرا وہ نہایت محدود ہے۔

سورہ السجدہ (سورہ نمبر 32)

آیات: 6-4

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴﴾
یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۵﴾
ذٰلِکَ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ﴿۶﴾

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، چھ ادوار میں تخلیق کیا، وہی ہے جو کائنات کے تختِ اقتدار پر متمکن ہے۔ اس کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ اُس کے مقابل میں کوئی سفارشی۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ وہ آسمان سے زمین تک کام کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر یہ کہ ہر امر اُسی کی طرف صعود کرتا ہے، ایک ایسے یوم میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار سال (کے مانند) ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، زبردست قوت والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

It is God who has created the heavens and the earth and all that is between them in six aeons/ periods/ stages, and is established on the throne of His almightiness. You have none to protect you from God, and none to intercede for you [on Judgment Day]: will you not, then, bethink yourselves. (32:4)
He governs all that exists, from the celestial space to the earth; and in the end all shall ascend unto Him [for judgment] on a Day the length whereof will be [like] a thousand years of your reckoning. (32:5)
Such is He who knows all that is beyond the reach of a created being’s perception, as well as all that can be witnessed by a creature’s senses or mind: the Almighty, the Dispenser of Grace. (32:6)

کائنات کی تخلیق
کائنات کی تخلیق پر کئی مرتبہ لکھا جا چکا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیں سورہ الأعراف 7:54

امور کی تدبیر
اگر ہم اس کا یہ معنی لیں کہ امور کی تدبیر ’’آسمان‘‘ سے ’’زمین‘‘ کی طرف ہوتی ہے تو ممکنہ طور پر آسمان (سماء) اور زمین (ارض) اپنے معروف معنوں میں نہیں بلکہ زیادہ گہرے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ معنی کیا ہیں؟ اس کے لیے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ امور کی تدبیر سے کیا مراد ہے۔ قرآن کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ مادی کائنات میں کوئی واقعہ اس وقت تک ظہور پذیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ علمِ الٰہی میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ امور کی تدبیر یوں ہوتی

ہے کہ ارادہ ءِ الٰہی اس چیز کو جو علمِ الٰہی میں موجود ہے، وجود پذیر کرنا چاہتا ہے اور وہ چیز ایسے ہی ظہور پذیر ہوتی ہے جیسے کہ وہ علمِ الٰہی میں ہوتی ہے اور جیسے اُسے ارادہ ءِ الٰہی وجود پذیر کرنا چاہتا ہے۔
اس گفتگو سے بہ آسانی ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہاں ''سماء'' سے مراد عالم بالا یا عالمِ غیب (یا مابعد الطبیعیاتی دنیا) ہے جبکہ ''ارض'' سے مراد عالم شہود (یا طبیعی اور مادی دنیا) ہے۔ اگلی آیت سے اس تصور کو تقویت ملتی ہے جہاں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ اللہ غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے۔ جو بھی واقعہ عالم شہود میں وقوع پذیر ہوتا ہے، اُس کی تحرک عالمِ غیب میں پائی جاتی ہے۔
سمجھنے کے لیے فرض کریں، مثال کے طور پر جب کوئی برتن ساز گھڑا بنانا چاہتا ہے تو یہ گھڑا جیسا کہ وہ اُسے بنانا چاہتا ہے، اُس کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ یعنی گھڑا مادی دنیا میں وجود پذیر ہونے سے پہلے گھڑا ساز کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ گھڑا ساز کے ہاتھ (دیگر اسباب کے بروئے کار لاتے ہوئے) عالم شہود میں گھڑے کو ایسے ہی بناتے ہیں جیسا کہ وہ گھڑا ساز کے ذہن میں ہوتا ہے، یہ تدبیر ہے۔ بہر حال یہ ایک نہایت خام مثال ہے۔ اللہ اور اس کی خلاقیت بے مثل و بے مثال ہے۔ وہ ہمارے وہم و گمان سے بھی نہایت بلند و بالا ہے۔

ہر امر اُسی کی طرف صعود کرتا ہے کا معنی
ارادہ الٰہی جب کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اس کا آغاز پست ترین حالت سے کرتا ہے، جیسے مثال کے طور پر برتن ساز گھڑے کا آغاز پست ترین حالت یعنی گارے سے کرتا ہے۔ پھر اُسے تدریجی طور پر نشو و نما دیتا ہوا بالآخر اس کی کامل شکل میں وجود پذیر کرتا ہے۔ یہ ارتقائی عمل جو کسی چیز کو اُس کی پست ترین حالت سے اس کے نقطہ عروج تک پہنچاتا ہے، اس چیز کا عروج یا صعود کہلاتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا ظہور ہے۔
یہ عروج یا صعود چونکہ ایک ارتقائی عمل ہے، لہٰذا اسے وقوع پذیر ہونے کے لیے عرصۂ وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کائناتی، حیاتیاتی اور انسانی مظاہر کے اعتبار سے یہ عرصۂ وقت بڑے طویل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر گیس اور گرد سے نظامِ شمسی کا وجود میں آنا، یا بے جان مادے سے زندگی کا ظہور پذیر ہونا، یا کسی قوم کا عروج حاصل کرنا، سب ایسے مظاہر ہیں جو طویل عرصۂ وقت کے طالب ہوتے ہیں۔ ''ایسے یوم میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار سال کی طرح ہوتی ہے'' کا یہی مفہوم ہے۔
یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ''ہزار سال'' کے الفاظ ریاضیاتی عدد کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوئے بلکہ اس سے مراد عام زمینی دنوں کے مقابلے میں طویل مدت ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ کائناتی واقعات طویل مدتوں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہزاروں، لاکھوں بلکہ کروڑوں، اربوں سالوں پر مشتمل ہوتا ہے۔
ایک اور مقام (سورہ الحج (سورہ 22 آیت 47)) پر ہے:
اور یہ لوگ تم سے عذاب کے لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی کرنے والا نہیں ہے۔ اور تمہارے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے۔
سورہ المعارج 70:4 میں ہے
ملائکہ اور روح اس کی طرف صعود کرتے ہیں ایک ایسے یوم میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوتی ہے۔
ممکنہ طور پر یہاں ملائکہ اور روح سے مراد وہ قوتیں ہیں جو ارادہءِ الٰہی کو وجود میں لاتی ہیں اور ان کے عروج و صعود سے مراد ان کا ارتقائی عمل ہے جس کے تحت وہ کسی چیز (کسی واقعہ،

کسی مظہر) کو اس کی پست ترین حالت سے اس کے نقطۂ عروج تک پہنچاتی ہیں۔ یہ اللہ کے تکوینی قوانین ہیں جو اس نے کائنات اور اس کی ہر چیز میں رکھے ہیں۔

آیات: 7-9

الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ۚ﴿۷﴾
ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ ۚ﴿۸﴾
ثُمَّ سَوّٰىہُ وَ نَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۹﴾

وہ وہی ہے جس نے جو چیز بھی پیدا کی بہترین پیدا کی اور اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی، پھر اس کی نسل ایک بے قدر پانی کے خلاصے سے جاری کی۔ پھر اس کی تکمیل کی، اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل قرار دے دیے مگر تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو۔

God is the One who makes most excellent everything that He creates. Thus, He begins the creation of man out of clay, (32:7)
Then He causes him to be begotten out of the essence of a humble fluid, (32:8)
And, then, He forms him in accordance with what he is meant to be, and breathes into him of His spirit: and [thus, O men,] He endows you with hearing, and sight, and feelings as well as minds: [yet] how seldom are you grateful. (32:9)

بہترین تخلیق

ہر چیز کو اس کے مقصدِ تخلیق کے مطابق پیدا کیا گیا ہے۔ خلقت اور مقصدِ خلقت میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ ہر موجود کو جو کچھ اس کی تخلیق کے لیے ضروری تھا، عطا کیا گیا ہے، گویا ہر موجود کو وہی کچھ عطا کیا گیا ہے جو وہ ’’زبانِ حال‘‘ سے چاہتا تھا۔ اسے وہ سب کچھ دیا گیا ہے جس کی اُسے ضرورت تھی۔

انسان کی تخلیق

انسان کی تخلیق کے حوالے سے یہ آیت کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔
آیت کہہ رہی ہے کہ انسان کی خلقت کی ابتدا مٹی سے کی گئی۔ لفظ ’’بدا‘‘ (ابتداء) غور طلب ہے۔ انسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے ہوا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟
طین کا لفظ بھی توجہ طلب ہے۔ مٹی کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر زیادہ قطعی معنی پانی ملی ہوئی مٹی ہے جسے ہم گارا یا کیچڑ کہہ سکتے ہیں۔ ’’انسان کی تخلیق کی مٹی سے ابتدا‘‘ کی تشریح نظریہ ارتقاء اور خصوصی تخلیق کے نظریہ دونوں کے مطابق کی جا سکتی ہے۔
نظریہ ءِ ارتقاء کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قدیم سمندروں کے کنارے کیچڑ میں پیچیدہ اور لمبے کیمیائی تعاملات کے ذریعے تدریجی طور پر سادہ ترین جاندار تخلیق فرمائے جو درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے اربوں سالوں میں انسان کی شکل میں ظہور پذیر ہوئے۔ یوں پہلا انسان وجود میں آیا، یعنی اس کا آغاز مٹی سے ہوا۔ اربوں سالوں کے ارتقائی عمل کے نتیجے میں اس کی جسمانی

ساخت اُس شکل میں ظہور پذیر ہوئی جو ہماری جانی پہچانی انسانی شکل ہے۔ اس کو تسویہ (درست کرنا، موزوں کرنا، تکمیل کرنا وغیرہ) کہہ سکتے ہیں۔
خصوصی تخلیق کا نظریہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) کو براہِ راست گارے سے بنایا۔ گارے سے ان کا جسم بنایا اور اپنے اذن سے انہیں زندہ اور با شعور مخلوق بنا دیا۔
راقم کے خیال میں تدریجی تخلیق کا نظریہ قرآن کے الفاظ کے زیادہ قریب ہے۔

جنسی اور غیر جنسی تولید کا نظام
جانداروں کی تخلیق شروع میں غیر صنفی (غیر جنسی یا اے سیکسوئل) تھی، پھر آگے چل کر صِنفی تولید کا آغاز ہوا۔
یہاں مَّآءٍ مَّہِیْنٍ یا بے قدر (بے وقعت پانی یا ادنیٰ درجے کا) پانی سےتولیدی مادہ مراد ہو سکتا ہے۔
ایک ممکنہ تشریح کے مطابق اس سے مرد کا تولیدی مادہ یا سیمینال فلوئڈ مراد ہے اور اس کے سلالہ یعنی نچوڑ، ست اور خلاصے سے مراد ممکنہ طور پر اسپرم ہو سکتا ہے جو کہ وہ اصل چیز ہے جو مادہ کے بیضہ یا اووم کے ساتھ ملاپ کر کے انسانی جنین (ایمبریو) کا ابتدائی خَلیہ یعنی زائیگوٹ بناتا ہے۔
اگر ماءِ مہین (ادنیٰ درجے کا پانی، بے قدر پانی) سے مرد اور عورت دونوں کا تولیدی مادہ مراد لیں تو ممکن ہے کہ سلالہ کا مطلب خود زائی گوٹ ہی ہو۔
مرد اور عورت کے تولیدی مادوں کے ملاپ سے زائیگوٹ بنتا ہے، جس میں نشوونما ہوتی ہے اور انسان کی جسمانی تشکیل ہوتی ہے۔
تسویہ کا مطلب
اصل میں لفظ "سویٰ" استعمال ہوا ہے جو کہ "تسویہ" کے مادے سے ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک ایسا بنانا جیسا کہ اُس کے مقصد کے اعتبار سے اسے ہونا چاہئے تھا۔ "درست و موزوں کرنا یا بنانا" وغیرہ۔
روح پھونکنا کیا معنے رکھتا ہے
اپنی روح پھونکی یعنی زندگی اور شعور عطا کیا۔ روح پھونکنا خود شعوری کی زندگی عطا کرنے کا علامتی اظہار ہے۔
دل سے مراد
افءِدا کا ترجمہ دل کیا گیا ہے۔ اس سے مراد سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے جسے ہم ذہن کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن ادب کی زبان میں بات کرتا ہے۔ لہٰذا دل سے مراد وہ عضو نہیں جو سینے میں دھڑکتا اور اعضائے جسم کو خون پنہچاتا ہے، بلکہ سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت مراد ہے۔

یہاں انسان کی تخلیق کے حوالے سے چار اہم نکات بیان کئے گئے ہیں۔ جنہیں ہم چار مراحل بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہ مراحل یہ ہیں:
مٹی سے انسان کی تخلیق کی ابتدا
جنسی تولید کے ذریعے نسلی فروغ۔
تسویہ یعنی جسمانی اور ذہنی تکمیل اور درستگی۔
نفخِ روح: خود شعوری عطا کرنا جو جوہرِ انسانیت ہے۔

آیت: 27

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا تَاۡکُلُ مِنۡہُ اَنۡعَامُہُمۡ وَ اَنۡفُسُہُمۡ ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اُس سے کھیتی اُگاتے ہیں جس سے اُن کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی۔ تو کیا یہ بصارت سے کام نہیں لیں گے (کہ اللہ کی کارفرمائی کو دیکھ سکیں)؟

Are they not aware that it is We who drive the rain onto dry land devoid of herbage, and thereby bring forth herbage of which their cattle and they themselves do eat? Can they not, then, see [the truth of resurrection]. (32:27)

اللہ کا نظامِ رحمت
جُرُز اس زمین کو کہتے ہیں جو ہو تو زرخیز مگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے بنجر ہو گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا نظامِ رحمت بنجر زمین کو پانی سے سیراب کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس سے قسم قسم کے نباتات اور فصلیں اُگتی ہیں۔ ان میں حیوانات کے لئے چارہ بھی ہوتا ہے اور انسان کی غذا کا سامان بھی۔
نسوق الماء
ہم پانی کو حرکت دیتے ہیں سے مراد پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو حرکت دینا اور چلانا ہے۔ مگر اس کے لیے وسیع المعنی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ دریاؤں سے پانی سمندروں میں جاتا ہے، سمندروں کی سطح سے پانی آبی بخارات بن کے اُڑتا ہے جس سے بادل بنتے ہیں، یہ بادل ہوا کے دوش پر ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتے ہیں اور بارش اور برف وغیرہ کی شکل میں برستے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹوں پر جمی ہوئی برف پگھلتی ہے تو پانی نیچے کی جانب حرکت کرتا ہے، وغیرہ۔

زرع یعنی کھیتی کا لفظ ممکن ہے یہاں وسیع معنی رکھتا ہو اور اس سے مراد ہر قسم کے نباتات ہوں۔ چوپایوں کا ذکر پہلے آیا ہے اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ چوپایوں کی ساری غذا نباتات سے حاصل ہوتی ہے جبکہ انسان کی غذا نباتات کے ساتھ ساتھ حیوانات سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ یا یہ کہ نباتات اُگتے ہی چوپایوں کے لئے قابل استفادہ ہوتے ہیں جبکہ انسان کا نباتات سے استفادہ عام طور پر بعد کے زمانے سے متعلق ہوتا ہے۔ پھر یعنی جب ان پر پھل اور دانے لگتے ہیں۔
بصارت سے کام لینا
یہ سب اللہ کی ہستی، اور قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔ اگر انسان اپنی بصارت سے کام لے تو یہ چیزیں اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان کا وسیع سامان رکھتی ہیں۔

سورہ الفاطر (سورہ 35)

آیت: 9

....
وَ اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰہُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحۡیَیۡنَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ کَذٰلِکَ النُّشُوۡرُ ﴿۹﴾

اور اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، پس وہ بادلوں کو اُٹھاتی ہیں۔ پھر ہم انہیں چلاتے ہوئے کسی مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں۔ پھر ہم اس کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا از سرِ نو زندہ ہو کر اُٹھنا ہے۔

And [remember:] it is God who sends forth the winds, so that they raise a cloud, whereupon We drive it towards dead land and thereby give life to the earth after it had been lifeless: even thus shall resurrection be. (35:9)

اس آیتِ کریمہ میں کئی نکات بیان ہوئے ہیں، مثلاً،
ہواؤں کی گردش۔
ہواؤں کا بادلوں کو اُٹھانا اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانا۔
بارش برسنا۔
بنجر پڑی ہوئی زمین کا پانی ملنے کے بعد ہرا بھرا ہو جانا اور نباتات کا اُگنا۔
یہ کائنات اللہ کے تکوینی قوانین کی پابند ہے، ہر حرکت اور عمل ایک نظام کے مطابق واقع ہوتا ہے۔
زمین کا ایکوسسٹم ایک متوازن نظام ہے۔
بارش سے زمین میں پڑے بیج وغیرہ نمو پا کر لہلہاتے باغ اور کھیت بن جاتے ہیں۔ آیت اس نظام سے زندگی بعدِ موت پر استدلال کرتی ہے۔

آیت: 11

وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ جَعَلَکُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِہٖ ؕ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

اور اللہ ہی نے تمہیں مٹّی سے پیدا فرمایا، پھر اسی نے ایک (تولیدی) قطرہ سے (تمہاری تخلیق کی)، پھریہ کہ اسی نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا، اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے، اور نہ کسی دراز عمر شخص کی عمر بڑھائی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (یہ سب کچھ) ایک کتاب میں ہے، بیشک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

And [remember:] it is God who created you out of dust, then out of a drop of sperm; and again it is He who fashions you into either of the two sexes.

And no female conceives or gives birth unless it be with His knowledge; and none that is long-lived has his days lengthened - and neither is aught lessened of his days - unless it be thus laid down in [God’s] decree: for, behold, all this is easy for God. (35:11)

مٹی سے تخلیق یعنی بے جان مادے سے تخلیق۔ اس کی تشریح کئی طرح کی جا سکتی ہے۔ ہمارا جسم مٹی أجزاء سے بنتا ہے، جو غذا کے ذریعے ہمارے جسم کا حصہ بنتے ہیں۔ ارتقائی تخلیق کے تصور کے مطابق اربوں سال پہلے بے جان مادہ سے زندگی کا آغاز ہوا جس سے آگے چل کر انسان وجود میں آیا۔ اس کے علاوہ خصوصی تخلیق کے تصور کے مطابق انسانِ اول کو بے جان مادے سے بنایا گیا تھا۔

ثم بیان کی ترتیب کے معنوں میں ہو گا۔

ایک متبادل تشریح یہ ہو سکتی ہے: بے جان مادہ سے پہلے جاندار کی تخلیق، جسے نطفہ کہہ سکتے ہیں، اور پھر نطفہ کے ارتقاء سے آگے چل کر صنفی تولید کا آغاز جس سے صنفی جوڑے وجود میں آئے، اور ہوتے ہوتے بالآخر نوعِ انسانی کا ظہور ہوا۔

آیت: 12

وَ مَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ٭ۖ ہٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُہٗ وَ ہٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنۡ کُلٍّ تَاۡکُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَہَا ۚ وَ تَرَی الۡفُلۡکَ فِیۡہِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾

یہ دو طرح کے بحر(آبی مجموعے) برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک پیاس بجھانے والا، پینے کے لیے خوشگوار اور دوسرا کھاری، کڑوا۔ اور دونوں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زینت کی چیزیں نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو۔ اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ پانی میں چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔

[Easy is it for Him to create likeness and variety:] thus, the two great bodies of water [on earth] are not alike the one sweet, thirst-allaying, pleasant to drink, and the other salty and bitter: and yet, from either of them do you eat fresh meat, and [from either] you take gems which you may wear; and on either thou canst see ships ploughing through the waves, so that you might [be able to] go forth in quest of some of His bounty, and thus have cause to be grateful. (35:12)

بحر کا مفہوم

یہاں "بحر" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اردو میں عام طور پر بحر کا مطلب سمندر یا دریا لیا گیا ہے، جبکہ عربی زبان میں بحر کا بنیادی مطلب پانی کا عظیم اور وسیع ذخیرہ ہے، چاہے وہ میٹھا ہو یا کھاری (لسان العرب)۔ اس اعتبار سے بحر دریا کو بھی کہا جا سکتا ہے اور سمندر کو بھی۔

زمین پر پانی کی دو قسمیں ہیں۔ میٹھا یا تازہ پانی جسے فریش واٹر کہا جاتا ہے اور نمکین یا کھاری پانی جسے سالٹ واٹر کہا جاتا ہے۔

فریش واٹر دریا، جھیلوں، چشموں، اور کنوؤں کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ جبکہ سالٹ واٹرسمندروں کی شکل میں موجود ہے۔
آیت میں جن دو بحروں یعنی پانی کے عظیم ذخائر کا ذکر ہے، ان سے مراد یہی دونوں اقسام ہیں۔ یہ دونوں قسمیں آبی چکر یا واٹر سائیکل کے ذریعے منسلک ہیں۔

سمندروں اور دریائوں کے تین اہم فائدے بتائے گئے ہیں:
تازہ گوشت (یعنی غذا)۔
زینت کا سامان۔
نقل و حمل کا ذریعہ۔

سمندر غذا کا عظیم ذریعہ ہے:
قرآن نے "لحماً طریاً" (تازہ گوشت) کے الفاظ استعمال کرکے سمندری غذا کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ آج کے دور میں آبادی کے اضافے کے ساتھ سمندری غذا کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، اور مستقبل میں اس پر انحصار اور بھی بڑھ سکتا ہے۔

انسان کا جمالیاتی ذوق
انسان ایک جمالیاتی ذوق رکھنے والی مخلوق ہے۔ یہی ذوق آرٹ، فن، ادب، اور زینت و آرائش کا سرچشمہ ہے۔ قرآن مثبت جمالیاتی ذوق کو اُجاگر کرتا ہے۔
سمندروں میں زینت کے سامان جیسے موتی، سیپیاں، اور قیمتی دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ مستقبل میں مزید قیمتی اشیاء دریافت ہو سکتی ہیں۔

بحری سفر اور انسانی تمدن
بحری سفر انسانی تمدن کے لیے انتہائی اہم ہے۔ سمندروں نے زمین کے تقریباً 70% حصے کو گھیرا ہوا ہے اور یہ آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔
ایک بحری جہاز ہزاروں ٹرکوں کے برابر بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔
لاکھوں ٹن تیل بحری جہاز کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔

سمندروں کے مزید فوائد میں بادلوں کی تشکیل، اور ان کی تہوں سے تیل اور دیگر اشیاء کی دریافت شامل ہیں۔
تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو یا اس کے فضل کے طالب بنو ایک پیغام ہے جو بہت اہم ہے اور بہت وسیع معنے رکھتا ہے۔ اس میں غذائی، اقتصادی، اور دیگر فوائد شامل ہیں جو سمندر سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

آیت: 13

.....
يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ؕ وَ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِيۡرٍ ﴿۱۳﴾
....

وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو (ایک نظام کے تحت) مسخرّ فرما رکھا ہے، ہر کوئی ایک مقرر میعاد کے مطابق حرکت پذیر ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہت ہے، اور اس کے سوا تم جن کو پوجتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے باریک چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں

....

He makes the night grow longer by shortening the day, and He makes the day grow longer by shortening the night; and He has made the sun and the moon subservient [to His laws], each running its course for a term set [by Him]. Thus is God, your Sustainer: unto Him belongs all dominion - whereas those whom you invoke instead of Him do not own so much as the husk of a date-stone. (35:13)

گردشِ لیل و نہار کا نظام۔
اللہ کے ودیعت کردہ قانونِ فطرت کی کارفرمائی۔
ہر شے کی ایک عمر ہے، بقاء صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، باقی ہر شے فانی ہے۔
اللہ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔

....

آیات: 27، 28

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہَا ؕ وَ مِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیۡضٌ وَّ حُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہَا وَ غَرَابِیۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾
وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ کَذٰلِکَ ؕ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿۲۸﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے پھل نکالے جن کے . رنگ جداگانہ ہیں، اور (اسی طرح) پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ دھاریاں ہیں ان کے رنگ (بھی) مختلف ہیں اور بہت گہری سیاہ (دھاریاں) بھی ہیں۔
اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں، بس اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں، یقیناً اللہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے۔

Are you not aware that God sends down water from the skies, whereby We bring forth fruits of many hues - just as in the mountains there are streaks of white and red of various shades, as well as (others) raven-black, (35:27) and (as) there are in men, and in crawling beasts, and in cattle, too, many hues? Of all His servants, only such as are endowed with [innate] knowledge stand [truly] in awe of God: [for they alone comprehend that,] verily, God is almighty, much-forgiving. (35:28)

سماء اوپر کی فضا، بلندی، بادل، وغیرہ۔ جملے کا سوالیہ انداز انسان میں تلاش و جستجو کی حس کو تحریک دے رہا ہے۔ ملاحظہ کریں کہ ان آیات میں موجوداتِ عالم کی رنگا رنگی، بوقلمونی اور تنوع کو بیان کیا گیا ہے۔ خالقِ کائنات نے معین و محدود عناصر و اجزاء سے کثرت سے قسم قسم کی اشیاء تخلیق کی ہیں۔ مثال کے طور پرزمین میں قدرتی طور پر تقریباً 92 کیمیائی عناصر پائے جاتے ہیں، ان سے بھی بہت کم عناصر ہیں جن سے عام طور پر پائی جانے والی غیر نامیاتی اور نامیاتی اشیاء یا مرکبات تشکیل پاتے ہیں۔ اسی طرح، 20 امینو ایسڈز سے طرح طرح کی پروٹینز بنتی ہیں جو نباتات و حیوانات میں پائی جاتی ہیں۔

طرح طرح کے رنگوں کا ذکر ہے۔ الوان یا رنگوں کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں بھی ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ یہ قِسم قِسم کے ہونے کے معنوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کے مختلف اقسام کے پھلوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، علاوہ ازیں، ایک ہی قسم کے پھل میں بھی کئی قسم کے رنگ ہوتے ہیں۔ رنگوں کے کئی شیڈز بھی پائے جاتے ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں بے شمار اقسام کے پھل پائے جاتے ہیں، بلکہ ایک ہی پھل کی کئی کئی اقسام پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، کھجور کی ستر سے زاید قسمیں پائی جاتی ہیں۔ جدید سائنسی ترقیوں کے نتیجے میں پھلوں کی ورائیٹیز میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

پہاڑوں میں رنگ رنگ کی دھاریاں

یہاں جُدَدٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ جدہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے راستے، دھاریاں، لیئرز یا تہیں، وغیرہ۔

جب ہم پہاڑوں کا غور سے مشاہدہ کرتے ہیں تو بہت سے پہاڑ ہمیں ایسے ملتے ہیں جن میں اوپر نیچے بہت سی دھاریاں یا تہیں ہوتی ہیں، یہ مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں، اور واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ان کے رنگ ان کی کیمیائی ترکیب کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، یہ تہیں پہاڑوں کی تشکیل اور ارضیاتی تاریخ کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔

اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے راستے ہوتے ہیں۔ راستوں کے رنگ ان کے پہچان کا کام دیتے ہیں۔ پہاڑی راستوں پر سفر کرنے والے ان سے باخبر ہیں۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہاڑ بذاتِ خود سطحِ زمین پر طویل دھاریوں اور لکیروں کی شکل میں ہوتے ہیں، انہیں پہاڑی سلسلے یا مائونٹین رینجز اور پہاڑی بیلٹس کا نام دیا جاتا ہے۔

انسانوں، عام حیوانات اور مویشیوں کی رنگا رنگی میں بھی اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اگرچہ تمام انسان اپنے اوریجن اور آغاز کے اعتبار سے ایک ہی ماں باپ کی أولاد ہیں مگر مختلف وجوہ کی بنیاد پر ان میں رنگوں کا تنوع پایا جاتا ہے۔ بلکہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد میں بھی رنگ کا فرق ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انسان اپنی جسمانی ساخت اور بناوٹ اور باطنی و روحانی رنگوں میں بھی ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں۔ یعنی وہ ذہنی و فکری استعداد، اخلاقی رجحانات، اور ذوق اور دلچسپیوں وغیرہ میں طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ سو، انسانوں کی دنیا میں نہایت وسیع تنوع پایا جاتا ہے۔

حیوانات کی لاکھوں أنواع و اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان میں طرح طرح کے حشرات یا انسیکٹز، مچھلیاں، جل تھلیئے یا ایمفیبیئنز، ہوامیئے یا رینگ کر چلنے والے جانور، پرندے، پستانیئے یا میملز یعنی دودھ پلانے والے جانور، اور بے شمار دوسرے حیوانات شامل ہیں۔ حیوانات کی دنیا کا یہ تنوع اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں رکھتا ہے۔

ان آیات کو اگر بغور پڑھا جائے تو ان میں مخلوق کے مختلف طبقات کے تنوع کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ان میں معدنیات اور غیرنامیاتی اشیاء، پودے، حیوانات اور انسان شامل ہیں۔ یہ تمام اشیاء سائنس اور دوسرے علوم کے دائرے میں آتے ہیں، انہیں پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے

اور ان میں طرح طرح سے تحقیق کی جاتی ہے۔ اور مسلسل نئے حقائق کثرت کے ساتھ دریافت ہو رہے ہیں۔
کائنات کی رنگا رنگی اور تنوع کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرانے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی خشیت اس کے بندوں میں سے ان ہی کو حاصل ہوتی ہے جو اہلِ علم ہوتے ہیں۔ خشیت کا معنی ہے کبریائی اور بزرگی کا إحساس۔ اس کا مطلب ہے اللہ کی قدرت، عظمت اور حکمت کی کی معرفت۔
آیت کا متن بتا رہا ہے کہ یہاں علماء یا اہلِ علم کے وسیع معنی ہیں، اس میں ہر قسم کے علوم کے ماہرین شامل ہیں، جیسے سائنسدان، اسکالرز، اور محققین، وغیرہ۔ کائنات اللہ کی صفات کی جلوہ گری اور دستِ قدرت کی کارفرمائی ہے۔ اس کا مشاہدہ و مطالعہ ہمیں اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔
جب انسان کائنات کی وسعتوں، عظمتوں، باریکیوں، اور رنگارنگی کا ادراک کرتا ہے تو اس کے اوپر قدرتی طور پر کائنات کے خالق کی عظمت و کبریائی کا راز منکشف ہوتا ہے۔
بیشک اللہ کی عظمت و کبریائی کا إحساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو صاحبانِ علم ہیں۔
-

آیت: 41
اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَ لَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۱﴾
بیشک اللہ ہی ہے جو سماوی اجسام اور زمین کو(اپنے قانونِ قدرت کے ذریعے) اس بات سے روکے ہوئے ہے کہ وہ (اپنی جگہ اور مداروں سے) سرک جائیں۔ اور اگر وہ سرکنے لگیں تو اللہ کے سوا کوئی انہیں تھامنے والا نہیں۔ بیشک وہ بڑا حلم والا اوربہت بخشنے والا ہے۔

Verily, it is God [alone] who upholds the celestial bodies and the earth, lest they deviate [from their orbits] – for if they should ever deviate, there is none that could uphold them after He will have ceased to do so. [But,] verily, He is ever-forbearing, much-forgiving. (35:41)

کائنات اللہ کے حکم، مشیت، اور ارادے سے قائم ہے۔ اگر یہ اس کے حکم کے خلاف اپنی جگہ سے ہٹنے لگے تو اللہ کے علاوہ کوئی قوت یا ہستی اسے سنبھال نہیں سکتی۔
اللہ تعالیٰ کی مشیّت نے کہکشاؤں، ستاروں، سیاروں، اور دیگر اجرامِ سماوی پر مشتمل پورے کائناتی نظام کو اپنے مداروں پر قائم رکھا ہوا ہے۔
انہیں قانون کی زنجیر کے ساتھ باندھا ہوا ہے کہ وہ اپنے مقام سے انحراف نہیں کرسکتے۔ تمام اجرامِ سماوی ایک قانون کے پابند ہیں۔ اربوں سالوں سے وہ اس نظام کے بندھن میں مستقل طور پر بندھے ہوئے رواں دواں ہیں، اور اس میں ذرہ برابر بھی انحراف نہیں آیا۔
کائنات کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اس فیض کو جاری رکھنا جو خالق سے مخلوق کو پہنچ رہا ہے۔ مخلوق کو اپنی بقا کے لیے ہر آن اپنے خالق کے سہارے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنا فیض روک لے تو تمام کائنات تباہ و برباد ہوجائے۔
سماوی اجسام قوتِ تجاذب اور حرکت سے پیدا ہونے والی مرکز گریز قوت کے درمیان توازن کے باعث اپنے اپنے مداروں پر رہتے ہوئے رواں ہیں۔

....
....

سورہ یٰسن (یا سین) (آیت 36)

آیات: 33-35

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَ جَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾
لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ان لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کی ایک نشانی مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے غلہ اگایا، پس اس میں سے وہ کھاتے ہیں۔
اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات اگائے اور اس میں چشمے جاری کیے تاکہ وہ اس کے پھل کھائیں۔ یہ ان کے ہاتھوں کی کاریگری نہیں۔ تو کیا وہ شکر نہیں کریں گے؟
....
And [yet,] they have a sign [of Our power to create and to resurrect] in the lifeless earth which We make alive, and out of which We bring forth grain, whereof they may eat, (36:33)
and [how] We make gardens of date-palms and vines [grow] thereon, and cause springs to gush [forth] within it, (36:34)
so that they may eat of the fruit thereof, though it was not their hands that made it. Will they not, then, be grateful? (36:35)

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی واضح نشانی ہے کہ ایک زمین جو بنجر پڑی ہوتی ہے، اس پر بارش برستی ہے یا اسے دیگر ذرائع سے پانی ملتا ہے، تو اس میں طرح طرح کے اناج، پھل، اور سبزیاں اگتی ہیں۔
جن سے غذا بھی حاصل ہوتی ہے اور دیگر فوائد بھی۔
کھجوروں اور انگوروں کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ پھل عمدہ اور مثالی ہیں۔
یہ انسانی جسم کی نشوونما، بالیدگی، اور قدرتی توانائی کے لیے ضروری غذائی مواد فراہم کرتے ہیں۔ کھجوروں اور انگوروں کے لیے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، ممکن ہے کہ یہ ان کی اقسام کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی کئی اقسام ہیں۔

انگور کے لیے "اعناب" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو عام طور پر انگور کے پھل کے لیے بولا جاتا ہے۔
انگور کے پودے کے لیے یہ لفظ شاذ و نادر ہی استعمال ہوتا ہے، جبکہ کھجور کے لیے "نخیل" کا لفظ آیا ہے، جو کھجور کے درخت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کھجور کے پھل کو "رطب" (تازہ کھجور) اور "تمر" (خشک کھجور) کہا جاتا ہے۔
یہاں چشمے جاری کرنے کا ذکر ان پھل دار درختوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جنہیں اضافی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔
عام طور پر پھل درختوں پر ہی پک کر کھانے کے قابل ہوجاتے ہیں اور ان پر کسی اضافی عمل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مزید برآں، پھلوں پر مضبوط جھلی ہوتی ہے جو ان کی حفاظت کرتی اور انہیں دیر تک محفوظ رکھتی ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کی کی گئی "پیکنگ" ہے، جو ان کی غذائیت کو محفوظ رکھتی ہے اور ضائع ہونے سے بچاتی ہے۔
....

آیت 36

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾

پاک ہے وہ ذات جس نے تمام چیزوں کے جوڑے پیدا کیے، ان چیزوں کے بھی جو زمین اگاتی ہے، انسانوں کے بھی، اور ان چیزوں کے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے۔

Limitless in His glory is He who has created opposites in whatever the earth produces, and in men’s own selves, and in that of which [as yet] they have no knowledge. (36:36)

نباتات میں جوڑوں کا وجود
اس آیتِ کریمہ میں اس حقیقت کو منکشف کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پودوں میں بھی نر اور مادہ بنائے ہیں، انسانوں میں بھی، اور ان چیزوں میں بھی جوڑے پیدا کیے ہیں جنہیں انسان نزولِ قرآن کے زمانے میں نہیں جانتے تھے یا آج بھی نہیں جانتے۔
ازواج زوج کی جمع ہے۔ اس کا مطلب جوڑا بھی ہے اور قسم بھی۔ علاوہ ازیں، زوج کا لفظ دو چیزوں کے جوڑے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جوڑے کے ایک رکن کے لیے بھی۔ مثلاً میاں بیوی ایک زوج ہیں اور یہ بھی کہ میاں بیوی کا زوج ہے اور بیوی میاں کی زوج ہے۔
مزید برآں، یہ صرف صنفی جوڑے کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کا اطلاق ان تمام اشیاء پر ہوتا ہے جو کسی نہ کسی اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ نسبت رکھتی ہوں، یہاں تک کہ ایک دوسرے کی ضد ہوں۔
قرآن مجید نے اس آیت میں زوجیت (جوڑے ہونے) کے اعتبار سے تین قسم کی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔
وہ چیزیں جنہیں زمین اگاتی ہے یعنی نباتات،
انسان، اور
دوسرے موجودات جن سے لوگ آگاہ نہیں ہیں۔

پودوں میں نر و مادہ کا وجود آج ایک سائنسی حقیقت ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں بعض پودوں مثلاً کھجور کے بارے میں معلوم تھا کہ ان میں نر اور مادہ پائے جاتے ہیں، لیکن یہ بات ایک عمومی کلیہ کے طور پر معلوم نہ تھی۔
انسانوں میں نر اور مادہ، مرد اور عورت کا وجود ایک کھلی حقیقت ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ دوسرے موجودات سے قرآن کی کیا مراد ہے؟
دنیا کی قریب قریب سبھی اشیاء میں زوجیت (جوڑوں کی شکل میں ہونا) پائی جاتی ہے۔
بہت سی اشیاء اور ان میں زوجیت کے وجود سے نزولِ قرآن کے زمانے میں لوگ آگاہ نہ تھے، مگر آج ہیں۔ اسی طرح بے شمار چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں جن سے آج کے لوگ بھی آگاہ نہیں ہیں۔
جو چیزیں آج کے زمانے میں معلوم ہیں، ان میں مادہ اور ضد مادہ یعنی میٹر اور اینٹی میٹر، ایٹم کے اندر موجود مثبت اور منفی ذرات یعنی پروٹانز اور الیکٹرانز، مقناطیس کے دو سِرے، اسی طرح تیزاب اور أساس یعنی ایسڈز اور بیسز، مثبت آئن اور منفی آئن، وغیرہ شامل ہیں۔
یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو انسانی علم کے محدود ہونے کو بیان کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ کائنات میں بہت سے حقائق ایسے ہو سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ابھی تک نہیں آئے اور شاید کبھی نہ آئیں۔

آیات: 42-37

وَ اٰیَۃٌ لَّہُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ﴿ۙ۳۷﴾
وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿ؕ۳۸﴾
وَ الۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ﴿۳۹﴾
لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾
وَ اٰیَۃٌ لَّہُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّیَّتَہُمۡ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿ۙ۴۱﴾
وَ خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ مَا یَرۡکَبُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اور، ان (لوگوں) کے لیے (ہماری قدرت کی ایک نشانی) رات ہے، ہم اس کے اوپر سے دن (کی روشنی) کو کھینچ لیتے ہیں، پس وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔
اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرائی ہیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کے مانند ہو کر رہ جاتا ہے۔
نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے۔ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔
اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ہے، اور ان کے لیے اس کے مانند اور چیزیں پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔

36:37 And [of Our sway over all that exists] they have a sign in the night: We withdraw from it the [light of] day - and lo! they are in darkness.
36:38 And [they have a sign in] the sun: it runs in an orbit of its own [and] that is laid down by the will of the Almighty, the All-Knowing,
36:39 and [in] the moon, for which We have determined phases [which it must traverse] till it becomes like an old date-stalk, dried-up and curved,

36:40 [and] neither may the sun overtake the moon, nor can the night usurp the time of day, since all of them float through space [in accordance with Our laws].
36:41 And [it ought to be] a sign for them that We bear their offspring [over the seas] in laden ships,
36:42 and [that] We create for them things of a similar kind, on which they may embark [in their travels].

نسلخ کا مفہوم

نسلخ، سلخ کے مادے سے ہے، یہ بھیڑ، بکری وغیرہ کو ذبح کرکے اس کی کھال اُتارنے کو کہتے ہیں۔

رات اور دن کی تبدیلی کو یہاں ایک خوبصورت مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ دن کے وقت دنیا سفید روشنی کا لباس پہنے ہوتی ہے۔ جب رات آتی ہے تو یہ آہستہ آہستہ اتر جاتا ہے اور ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا ہے۔

اس تعبیر کے بارے میں غور و خوض کرنے پر یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ زمین کی اصل فطرت تاریکی ہے۔ روشنی اس کی عارضی صفت ہے جو ایک دوسرے منبع (یعنی سورج) سے اُسے دی جاتی ہے، اس لباس کی طرح جو کسی کے بدن پر پہنایا جاتا ہے۔ جب لباس اُتار دیا جاتا ہے تو بدن کا اصلی روپ ظاہر ہو جاتا ہے۔

سورج کا مقررہ مدار یا منزل

سورج اپنے مقررہ ٹھکانے کی طرف رواں ہے۔ "ٹھکانے" سے مراد ہے اس کا مدار، جس پر سورج رواں دواں رہتا ہے۔

آج ہمیں معلوم ہے کہ سورج اپنے پورے نظام یعنی سولر سسٹم کے ساتھ اپنی کہکشاں میں تیزی کے ساتھ حرکت کر رہا ہے۔

سورج کا اختتام

اس سے سورج کا اختتام بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنی ’’زندگی‘‘ کے آخری لمحے تک رواں دواں ہے۔ یہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ اس کا آخری وقت آجائے۔ یہ بات بھی ایک سائنسی حقیقت ہے کہ سورج میں ہائیڈروجن گیس مرکزائی تعاملات سے گزر رہی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب تمام ہائیڈروجن ختم ہو جائے گی اور سورج بجھ جائے گا۔

یہ اللہ زبردست قوت والے، علم والے کی مشیت ہی کا کرشمہ ہے کہ سورج جیسا عظیم وجود خلا میں پورے حساب کے ساتھ رواں دواں ہے۔

چاند کی روشنی

چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ اس دوران وہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ زمینی مشاہدہ کے اعتبار سے اس کا روشن حصہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ یہ منزلیں مکمل طور پر حساب شدہ ہیں۔ اس حد تک کہ ماہرینِ فلکیات سینکڑوں سال بعد کی پیش گوئیاں کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ’’آسمانی گھڑی‘‘ ہے جس سے عوام اور خواص سب دنوں اور مہینوں کا حساب کر سکتے ہیں۔ جو لوگ تجربہ رکھتے ہیں وہ چاند کے مشاہدے سے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ مہینے کی کون سی تاریخ کا چاند ہے۔

چاند کی منزلیں

مہینے کے آغاز میں ہلال کی نوکیں اوپر کی طرف ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کی جسامت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ساتویں دن تک پورے چاند کا آدھا دائرہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ چودھویں رات کو بدرِ کامل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد

چاند نیچے کی طرف سے گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ اکیسویں رات تک کم ہوتے ہوتے آدھے دائرے کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح اس میں کمی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ اٹھائیسویں رات کو وہ مدہم ہلال کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اب اس کی نوکیں نیچے کی طرف ہوتی ہیں۔
کھجور کی وہ شاخ جس کے ساتھ اس کا خوشہ لگا ہوتا ہے۔ جب خوشے کو کاٹتے ہیں تو "عرجون" یہ درخت کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔ یہ کمان کی طرح خم دار ہوتی ہے۔ جب خشک ہو جاتی ہے تو مہینے کے آخر کے ہلال کی طرح نظر آتی ہے جو کہ آسمان میں صبح کے وقت مشرق کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔ جس قدر یہ پرانی ہوتی ہے، اس قدر زیادہ باریک اور زرد رنگ ہو جاتی ہے اور آخرِ ماہ کے ہلال کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔
مہینے کے آخر کے چاند اور عُرجُونِ قدیم کے درمیان مشابہت کئی جہتوں سے ہوتی ہے۔ جیسے باریک اور خم دار ہونے کے لحاظ سے، نوکوں کے نیچے کی طرف ہونے کے لحاظ سے، زردی مائل رنگت کے لحاظ سے۔ پھر یہ کہ آخرِ ماہ کا چاند رات کے آخری حصے میں سیاہ رنگ کے آسمان کے پس منظر میں زرد رنگ کی ایک کمان کی شکل میں نظر آتا ہے۔
آپ نے دیکھا کہ دو تین لفظوں کی ایک چھوٹی سی تعبیر میں کتنی باریکیاں ہیں۔
اپنے اپنے مدار
سورج، چاند اور دیگر اجرامِ سماوی اپنے اپنے مداروں میں گردش کر رہے ہیں۔ سورج جسامت میں چاند سے بہت بڑا ہے مگر اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ چاند کو جذب کر لے۔
چاند زمین کا نواحیہ یا سیٹیلائیٹ ہے جو تیزی کے ساتھ زمین کے گرد گردش کر رہا ہے اور زمین تیزی کے ساتھ سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ ان کی تیز رفتار گردش ان کو وہ مرکز گریز قوت یعنی سینٹریفیوگل فورس مہیا کرتی ہے جس کی بنا پر یہ سورج کی قوتِ تجاذب کو متوازن کرتے ہیں اور یوں اپنے مدار پر رہتے ہوئے رواں دواں ہیں۔
اسی طرح رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے ایک نظام کے مطابق رواں دواں ہیں۔ رات کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ دن پر سبقت لے لے اور وقت مقرر سے پہلے آجائے یا دن کو مکمل طور پر ختم ہی کر دے۔ یعنی زمین ایک حساب کے مطابق محوری گردش کر رہی ہے۔ اس کی ایک معین رفتار ہے۔
اللہ تعالیٰ کے نظام نے کائنات کے چھوٹے بڑے تمام موجودات کو اپنے اپنے مقام پر قائم رکھا ہوا ہے۔
بھری ہوئی کشتی
الفُلکِ المشحون وہ کشتی جو سواروں اور سامان سے بھری ہو۔
اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھی ہو سکتی ہے۔ تاہم اس سے کوئی بھی کشتی مراد لی جا سکتی ہے۔ اس اعتبار سے مطلب ہوگا کہ یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ سمندروں کی سطح پر سامان اور سواروں سے بھری ہوئی کشتی چلتی ہے، جس پر لوگ سفر کرتے ہیں۔

ذُرِّیَّتَ اصل میں چھوٹی اولاد کو کہتے ہیں، اگرچہ بعض اوقات اس کا اطلاق تمام چھوٹی بڑی اولاد پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ نسلِ انسانی کے معنی میں ہو۔
اس اعتبار سے مفہوم یہ ہو گا
ہم نے نسل انسانی کو کشتی میں سوار کیا، یعنی انہیں یہ صلاحیت دی کہ وہ کشتی بناتے اور اس میں سوار ہوتے اور سفر کرتے ہیں۔

مشحون (بھری ہوئی) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نہ صرف انسان خود بلکہ ان کے مالِ تجارت اور ضروریاتِ زندگی کی نقل و حمل بھی اس کے ذریعے ہوتی ہے۔

رحمِ مادر بھی ایک بھری ہوئی کشتی کی طرح ہے، جس میں پیدائش سے پہلے بچہ گویا سوار ہوتا ہے۔ ذریہ (اولاد) کے لفظ کی نسبت سے اس آیتِ کریمہ کی ایک تشریح یہ بھی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح یہ مجازی کلام ہوگا۔
دوسری سواریاں
یہ قرآن کا عظیم انکشاف اور سائنسی معجزہ ہے۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے جدید دور سے چودہ سو سال قبل دوسری سواریوں کی خِلقت کا اعلان کر رہا ہے۔
اللہ فرماتا ہے کہ اس نے کشتی کی مانند اور چیزیں بھی پیدا کیں ہیں جن پر لوگ سوار ہوتے ہیں۔ اس میں خشکی، تری، فضا حتیٰ کہ خلا کی تمام سواریاں شامل ہیں۔

جدید دور میں نقل و حمل کے ذرائع نے بہت ترقی کر لی ہے، جس کی وجہ سے دنیا نے سکڑ کر ایک گاؤں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ مستقبل میں انسان نہ جانے اور کیا کیا بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

آیات: 71-73

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ ﴿۷۱﴾
وَ ذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ وَ مِنۡہَا یَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾
وَ لَہُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے دستِ قدرت سے وجود پذیر کی ہیں ان میں ہم نے ان کے لیے چوپائے بھی پیدا کیے ہیں، پس وہ اُن کے مالک ہیں؟
ہم نے انہیں ان کا فرمانبردار بنا دیا، پس ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں، اور بعض سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں، اور ان میں ان کے لیے دوسرے فائدے اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ تو کیا وہ شکر ادا نہیں کریں گے؟

36:71 Are they, then, not aware that it is for them that We have created, among all the things which Our hands have wrought, the domestic animals of which they are [now] masters? –
36:72 and that We have subjected them to men’s will, so that some of them they may use for riding and of some they may eat,
36:73 and may have [yet other] benefits from them, and [milk] to drink? Will they not, then, be grateful?

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں میں سے چوپایوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت نے انہیں پیدا کیا اور اپنے لطف و کرم سے انہیں انسان کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا۔ انسان ان سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتا ہے۔
الف: بعض حیوانات سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں۔
ب: بعض سے انسان اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔
ج: حیوانات کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں، ان کی اون، بالوں اور چمڑے سے لباس اور پہننے کی

دوسری چیزیں (مثلاً جوتے، ٹوپی وغیرہ) بناتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے گوبر کو کھاد کے طور پر استعمال کرتا ہے۔
بعض چوپایوں سے انسان دودھ حاصل کرتا ہے۔ دودھ سے بہت سی دوسری اشیاء (ثانوی حاصلات یعنی سیکنڈیری پراڈکٹس بنائی جاتی ہیں۔
انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں پر اپنے مُنعم (نعمتیں عطا کرنے والے) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، کیونکہ اسی صورت میں انسان اپنی تخلیق کے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔

آیات: 77-79

اَوَ لَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾
وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾
قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿ۙ۷۹﴾

کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اسے (تولیدی مادے کے محض) ایک قطرہ سے پیدا کیا، پھر، دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک صریح بحث و استدلال کرنے والا فرد بن کر سامنے آیا۔
اور (خود) ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش (کی حقیقت) کو بھول گیا۔ کہنے لگا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہوچکی ہوں گی؟
آپ فرمائیں انہیں وہی (اللہ) زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ تخلیق کے ہر عمل سے خوب آگاہ ہے۔

36:77 Is man, then, not aware that it is We who create him out of a [mere] drop of sperm - whereupon, lo! he shows himself endowed with the power to think and to argue.
36:78 And [now] he [argues about Us, and] thinks of Us in terms of comparison, and is oblivious of how he himself was created! [And so] he says, “Who could give life to bones that have crumbled to dust?”
36:79 Say: “He who brought them into being in the first instance will give them life [once again], seeing that He has full knowledge of every act of creation.

آیت: 80

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡہُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی، پس تم اس کے ذریعے سے آگ روشن کرتے ہو۔

36:80 He who produces for you fire out of the green tree, so that, lo! you kindle [your fires] therewith.

عرب میں دو قسم کے درخت پائے جاتے تھے جن کا نام ’’مَرخ‘‘ اور دوسرے کا نام ’’عفار‘‘ تھا۔
ان کی سبز شاخوں کو جب آپس میں رگڑا جاتا تھا تو اس سے چقماق کی طرح آگ نکلتی تھی۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ وہی ہے جس کی قدرت سے یہ ممکن ہوا ہے کہ سبز درخت سے آگ پیدا ہو جاتی ہے، جس سے تم مزید آگ سلگا لیتے ہو۔

اس سے عام لکڑی کا آگ پکڑنا اور حرارت دینا مراد ہے۔
درخت ہرا بھرا ہوتا ہے، جب خشک ہو جاتا ہے تو اسے جلاتے ہیں تو اس سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ یہ اللہ ہی کی قدرت سے ممکن ہے، ورنہ انسان کے بس میں نہ تھا کہ وہ سبز لکڑی کو خشک کرتا اور اس سے آگ روشن کرتا۔

دورِ جدید میں یہ بات دریافت ہوئی ہے کہ پٹرول، گیس اور کوئلہ قدیم زمانے میں پائے جانے والے پودوں کے رکاز یا فوسلز ہیں۔
آج انسان انہیں ایندھن کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی قدرت سے ممکن ہوا ہے کہ سرسبز درخت ہزاروں سالوں کے انحطاطی عمل (ڈیکے پروسس) کے نتیجے میں رکازی ایندھنوں یا فوسل فیولز کی شکل اختیار کر گئے ہیں، جنہیں انسان جلاتا اور حرارت اور توانائی حاصل کرتا ہے۔

یہاں ’’سبز‘‘ درخت کے الفاظ ایک اور اعتبار سے بھی توجہ طلب ہیں۔
پودوں کے سبز حصوں میں ایک سبز رنگ کا مادہ کلوروفل ہوتا ہے۔ اس کی موجودگی میں پودے سورج کی روشنی کو کام میں لاتے ہوئے پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ سے پیچیدہ نامیاتی مرکبات یا اورگینک کمپائونڈز بناتے ہیں۔ لکڑی اسی عمل کے نتیجے میں آگے چل کر بنتی ہے۔
گویا پودے کے سبز حصے سورج کی روشنی کو ’’قید‘‘ کرتے ہیں۔ جب لکڑی جلائی جاتی ہے تو حرارت خارج ہوتی ہے۔ یہ حرارت وہی توانائی ہے جو پودے کے سبز حصے سورج سے حاصل کرتے ہیں۔
تُوکیدون وقود کے مادے سے ہے، جس کا معنی ہے آگ کا روشن ہونا۔ اس میں اس ایندھن کی طرف اشارہ ہے جس سے آگ جلائی جاتی ہے، یعنی تم اس کو بطور ایندھن استعمال کرتے ہو۔
یعنی سبز درخت بالآخر ایندھن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

آیات: 83-81

اَوَ لَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ ؕ؃ بَلٰی * وَ ہُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۱﴾
اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۸۲﴾
فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳٪﴾

...

کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان کی جیسی (چھوٹی) مخلوق (دوبارہ) پیدا کرنے پر قادر نہیں! ہاں وہ قادر ہے، کیوں کہ وہ عظیم خالق اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس کا معاملہ تو بس یوں ہے کہ جب وہ کسی چیز (کو وجود میں لانے) کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔
پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔
....

36:81 Is, then, He who has created the (vast) heavens and the earth not capable of creating (insignificant) creatures like them? Yea, indeed - for He is the all-Knowing Supreme Creator.
36:82 All it takes for Him—when He intends something to be—is to say unto it: "Be", and it is.
36:83 Limitless, therefore, in His glory is He in whose hand rests the mighty dominion over all things; and unto Him you all will be brought back.
…………

سورہ الصافات (سورہ نمبر 37)

آیات: 10-6

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِزِيۡنَةِ الۡكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾
وَ حِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾
لَا يَسَّمَّعُوۡنَ اِلَى الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى وَ يُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ٭ۖ﴿۸﴾
دُحُوۡرًا وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾
اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

بے شک ہم ہی نے قریب کے آسمان کو کواکب کی زینت سے مزین کیا ہے،
اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ کیا ہے۔ وہ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے۔ ہر طرف سے مارے جاتے ہیں، دھتکارے جانے کے طور پر، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو ایک تیز شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔

37:6 Behold, We have adorned the skies nearest to the earth with the beauty of stars,
37:7 and have made them secure against every rebellious, satanic force,
37:8 [so that] they [who seek to learn the unknowable] should not be able to overhear the host on high, but shall be repelled from all sides,
37:9 cast out [from all grace], with lasting suffering in store for them [in the life to come],

37:10 but if anyone tries to snatch a glimpse [of such knowledge], he is pursued by a piercing flame.

السما ء الدینا

دُنیا کا معنی ہے قریب ترین۔ یہ "اَدنیٰ" کی تانیث ہے۔ لہٰذا ’’السَّمَاء الدُّنْیا‘‘
(آسمانِ دُنیا) کا مطلب ہوگا ’’قریب کا آسمان،‘‘ یعنی وہ آسمان یا فضائے آسمانی جو زمین کے قریب ترین ہے۔ اس کا مفہوم ممکن ہے کہ یہ ہو کہ کائناتی خلا یا کوسمک اسپیس
کا وہ حصہ جس میں زمین موجود ہے۔

سائنسی اعتبار سے اس سے ممکنہ طور پر وہ فضائے آسمانی مراد ہے جس میں ہمارا سولر سسٹم یعنی نظامِ شمسی موجود ہے، جس میں ہماری زمین پائی جاتی ہے۔ اس میں سیارے اور چاند وغیرہ ہیں زمین سے روشن نظر آتے ہیں اور۔

اس کے علاوہ، قریب کے آسمان سے ہماری کہکشاں بھی مراد ہو سکتی ہے جس میں اربوں ستارے موجود ہیں جو اپنی روشنی تمام اطرافِ عالم میں بکھیر رہے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آسمانِ دُنیا سے ہماری تمام طبعی کائنات مراد ہو، جس میں کہکشائیں، ستارے، سیارے، اور دوسرے سماوی اجرام موجود ہیں۔

لیکن اگر "کواکب" سے مراد سیارے ہوں، تو ممکنہ طور پر آسمانِ دُنیا سے فضائے آسمانی کا وہ علاقہ مراد ہوگا جس میں ہمارا نظامِ شمسی ہے۔ اس نظریہ کو اس بات سے تقویت پہنچتی ہے کہ آگے اسٹرولوجی کی مذمت ہے جس کی زیادہ تر بنیاد ہمارے سولر سسٹم پر ہی ہے۔

مزین کیا گیا ہے میں مطالعہ ءِ کائنات کی طرف بلیغ اشارہ

زینت دینے اور مزین کرنے (آراستہ کرنے، رونق دینے) کے الفاظ سے بالواسطہ طور پر یہ پیغام حاصل ہو رہا ہے کہ کائناتِ سماوی کا مشاہدہ و مطالعہ کیا جائے، اس پر غوروفکر کیا جائے، اور یوں اس کے پیچھے کارفرما ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے۔

مارد کے معنی

مارِد، ’’م رد‘‘ کے مادے سے ہے، یعنی وہ بلند زمین جو ہر قسم کے سبزے سے خالی ہو۔ لہٰذا ’’مارِد‘‘ کا مطلب ہے ہر قسم کی خیر و برکت سے عاری، جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اس کا معنی "سرکش قوت" بھی کیا گیا ہے۔

مَلَأُ الأَعْلٰی کے معنی: بلند (مرتبہ) گروہ یا جماعت۔ ممکنہ طور پر مراد ہے عالمِ غیب جسے عالمِ بالا کا نام بھی دے دیا جاتا ہے۔ اسے روحانی عالم بھی کہہ سکتے ہیں۔

"The angelic forces whose 'speech' is a metonym for God's decrees."

یُقْذَفُوْنَ، ’’قذف‘‘ کے مادے سے ہے۔ اس کا معنی ہے دور کی جگہ پر تیر مارنا، پتھر مارنا، پھینکنا، بھگانا، یا دور دھکیلنا۔

دَحُورًا، ’’دحر‘‘ کے مادے سے ہے، یعنی دور کرنا، دھکیلنا، رد کرنا۔ معنی ہوگا: دھتکار کر دور بھگائے جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے دور۔

مراد یہ ہے کہ کسی شیطانی قوت (مثلاً جھوٹے غیب دانوں) کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ غیب کی دنیا میں جھانک سکیں۔

شِہَاب: شعلہ، انگارہ، چنگاری۔

ثَاقِب: سوراخ کرنے والا، نفوذ کرنے والا، تیز۔

آیات کی مجموعی تشریح
اگر شیطان سے مراد ’’شیاطین الإنس‘‘ یعنی شیطانی کردار و خصائص رکھنے والے انسان، شیطان صفت انسان ہوں، تو تشریح میں کوئی دشواری نہیں رہتی۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان آیات میں جھوٹی غیب دانی اور کہانت کا پُرزور الفاظ میں رد کیا گیا ہے۔ یعنی کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ شیطانی طریقوں سے غیب کی باتیں جان سکے۔
قدیم عرب میں کہانت کا کاروبار اپنے عروج پر تھا۔ جھوٹے غیب دانوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے پاس جنات اور غیبی قوتیں ہیں جو آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی گفتگو سنتے ہیں اور واپس زمین پر آ کر انہیں غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ ان آیات میں ان کے اس جھوٹے دعوے کا رد کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ’’عالمِ بالا‘‘ (غیب کا روحانی عالم) تک کسی شیطان کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ کوئی شیطان غیب کی خبریں نہیں جان سکتا۔
چنانچہ تمثیل اور کنایہ کی زبان میں کہانت اور جھوٹے غیب دانوں کے دعووں کو رد کیا گیا ہے۔
رسولِ اکرم ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں، آپؐ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے۔ آپ کاہن نہیں، اور نہ کہانت کوئی حقیقت رکھتی ہے۔ کاہنوں کا یہ دعویٰ کہ انہیں عالمِ غیب تک رسائی ہے، سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ عالمِ غیب تک کسی شیطان یا شیطانی قوت کی کوئی پہنچ نہیں۔
قرآن وہ علم و شعور لے کر آیا ہے جس کے سامنے کہانت اور غیب دانی کے جھوٹے دعوے ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے۔ وہ ان باطل دعووں کا تعاقب کرے گا۔
....
آیت: 11

فَاسۡتَفۡتِہِمۡ اَہُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمۡ مَّنۡ خَلَقۡنَا ؕ اِنَّا خَلَقۡنٰہُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

پس ان سے پوچھیں: آیا خِلقت کے اعتبار سے وہ زیادہ مضبوط ہیں یا کائنات کی دوسری چیزیں جنھیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ بے شک ہم نے انھیں چپکنے والے کیچڑ سے تخلیق کیا ہے۔

دوسرا ترجمہ
پس ان سے پوچھیں: آیا ان کا بنایا جانا زیادہ مشکل ہے یا کائنات کی ان دوسری چیزوں کا جنھیں ہم نے بنایا ہے۔ بے شک ہم نے انھیں چپکنے والے کیچڑ سے تخلیق کیا ہے۔

37:11 And now ask those [who deny the truth] to enlighten thee: Were they more difficult to create than all those [untold marvels] that We have created? - for, behold, them have We created out of [mere] clay commingled with water.

آیت دوسرے حصے میں انسان کی خلقت کے مادے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ طین گیلی مٹی، گارے یا کیچڑ وغیرہ کو کہتے ہیں۔ طینِ لازب کا معنی ہو گا چپکنے والی مٹی، چپکتی مٹی، لیسدار مٹی، لیسدار گارا، یا لیسدار کیچڑ، وغیرہ۔
انسان کی جسمانی تخلیق کی اصل یہ ہے کہ یہ پانی اور "مٹی" کا بنا ہوا ایک وجود ہے جس میں "مٹی" کے اجزا آپس میں چسپاں ہوتے ہیں۔

مٹی سے مراد وہ مادی عناصر ہیں جن سے انسان کی جسمانی تشکیل ہوئی ہے۔ ممکن ہے "لازب" کا سائنسی سطح پر مفہوم یہ ہو کہ مادے کے ذرات (یعنی ایٹم) آپس مین کیمیائی طور پر بندھے ہوئے ہوتے ہیں، یعنی کیمیائی بانڈز کے ذریعے باہم مربوط ۔

کیچڑ میں طویل اور پیچیدہ کیمیائی تعاملات کے ذریعے بالآخر زندہ خَلیہ کی تخلیق ہوئی، جس سے ایک لمبے ارتقائی اور تدریجی عمل کے ذریعے بالآخر انسان وجود میں آیا۔

سورہ الزمر (سورہ نمبر 39)

آیت: 5
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ۚ یُکَوِّرُ الَّیۡلَ عَلَی النَّہَارِ وَ یُکَوِّرُ النَّہَارَ عَلَی الَّیۡلِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفَّارُ ﴿۵﴾

اُس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ میعاد تک رواں ہے۔ سن رکھو وہی صاحبِ غلبہ ہے اور بہت بخشنے والا۔

39:5 He it is who has created the heavens and the earth in accordance with [an inner] truth. He causes the night to flow into the day, and causes the day to flow into the night; and He has made the sun and the moon subservient [to His laws], each running its course for a term set [by Him]. Is not He the Almighty, the All-Forgiving.

حق کے ساتھ پیدا کرنے کا مفہوم: یعنی ایک مقصد اور غایت کے ساتھ پیدا کیا۔
کائنات اللہ تعالیٰ کی ایک بامقصد تخلیق ہے۔

یُکور کَوَرَ کے مادے سے ہے، اس کا معنی ہے لپیٹنا اور بل دینا جیسے عمامہ سر پر لپیٹتے اور بل پر بل دیتے چلے جاتے ہیں۔ ہر بل کو "کور" کہا جاتا ہے۔

دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے لگے دائرے میں گھوم رہے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دن کی روشنی جہاں سے سمٹتی جاتی ہے، رات کا اندھیرا وہاں پھیلتا جاتا ہے، اور یوں ہی رات کا اندھیرا جہاں سے ختم ہوتا جاتا ہے دن کی روشنی وہاں پھیلتی جاتی ہے۔ یہ مظہر ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔

سر پر عمامہ کے بل پر بل دینے کی تعبیر سے بالواسطہ طور پر زمین کے گول ہونے اور اپنے محور پر گردش کرنے کا نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ قرآنِ مجید کے الفاظ کا انتخاب بہت اہم ہے اور یہاں "یکور" کے لفظ کا استعمال بلا شبہ ایک سائنسی معجزہ ہے۔

سورج اور چاند مُسَخر ہیں یعنی اللہ کے تکوینی حکم کے پابند ہیں۔ اور اس نے ان کو ایسا بنایا ہے کہ ان سے اہلِ زمین کو سو سو فائدے حاصل ہو رہے ہیں، انسان ان سے طرح طرح سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہ اپنے مداروں پر گردش کر رہے ہیں۔ یہ عمل ان کی "زندگی" کے اختتام تک جاری رہے گا۔ ان کو بالآخر ایک دن ختم ہونا ہے۔

آیت: 6

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾

اُس نے تمہیں وجودِ واحد سے پیدا کیا ہے۔ (اُس نے اُسے پیدا کیا،) پھر اُسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کیے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں تین تاریکیوں کے اندر، درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کرتا ہوا وجود میں لاتا ہے۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے، بادشاہی اُسی کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو۔

39:6 He has created you [all] out of one living entity, and out of it fashioned its mate; and he has bestowed upon you four kinds of cattle of either sex; [and] He creates you in your mothers' wombs, one act of creation after another, in threefold depths of darkness. Thus is God, your Sustainer: unto Him belongs all dominion: there is no deity save Him: how, then, can you lose sight of the truth.

ممکنہ طور پر اس کا مفہوم یہ ہے تم سب ایک باپ کی اولاد ہو، تمہارا اوریجن اور آغاز یکساں ہے۔ اُس سے اس کا جوڑا بنایا کا کیا معنی ہے؟ یعنی اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا۔ تمہارے باپ اور تمہاری ماں دونوں کا تعلق ایک ہی جنس اور نوع سے ہے۔

آٹھ جوڑوں سے مراد بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ کے نر اور مادہ ہیں۔

تین تاریکیوں سے کیا مراد ہے؟
اس کی تشریح کئی طرح سے کی گئی ہے۔ سب سے واضح تشریح یہ ہے
پیٹ کا اندھیرا،
رحم کا اندھیرا،
اور اُس جھلی کا اندھیرا جو جنین یا ایمبریو کو غلاف کی طرح گھیرے ہوتی ہے۔
یہ دراصل تین دبیز پردے ہیں جن کے اندر جنین نشوونما پاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ وہ تین تین تاریکیوں کے اندر انسان کی مرحلہ وار تخلیق کرتا، اس کی شکل و صورت بناتا اور نقش و نگار واضح کرتا ہے۔
قرآن اپنے قاری کو اس طرف متوجہ کر رہا ہے کہ اللہ قادرِ مطلق ہے،اس کی قدرت کی کارفرمائی کے لئے روشنی اور اندھیرا ایک جیسے ہیں، اور وہ وہ "مصور" ہے کہ اُسے صورت گری اور تصویر سازی کے لیے روشنی کی محتاجی نہیں، اُس کا دستِ قدرت اندھیرے میں بھی اپنا کام اُسی طرح کرتا ہے جس طرح روشنی میں۔
علاوہ، ازیں، یہاں رحمِ مادر میں انسان کی مرحلہ وار تخلیق کی طرف اشارہ ہے، یہ تخلیق درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔ ان مراحل کا ذکر قرآنِ پاک میں دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔
اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اگر چاہے تو کسی بھی چیز کو یکلخت، کوئی وقت صرف کیے بغیر، پیدا کر سکتا ہے، مگر اس کی حکمت نے یہ چاہا کہ وہ اشیاء کو بتدریج پیدا کرے۔
جب کوئی چیز بتدریج پیدا ہوتی ہے تو اس کا ہر مرحلہ اپنے بنانے والے کی قدرت کی ایک نئی شان سے پردہ اٹھاتا ہے، جس طرح کسی کتاب کا ہر صفحہ اپنے پڑھنے والے کے سامنے ایک نئی بات لاتا ہے۔ اسی طرح رحمِ مادر میں مرحلہ وار نشو و نما پاتے ہوئے بچے کا ہر مرحلہ ا اللہ کی خلاقیت کی تازہ شان اور اس کے دستِ قدرت کی کارفرمائی کے نئے زاویے سے آگاہ کرتا ہے۔

آیت: 21

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیۡعَ فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ثُمَّ یَہِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَجۡعَلُہٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿٪۲۱﴾

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ بے شک اللہ ہی ہے جس نے بادل سے پانی برسایا، پھر اسے زمین کے چشموں سے جاری کیا۔ پھر وہی ہے جو اس کے ذریعے مختلف قسم کی کھیتی اگاتا ہے۔ پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے تو تم اسے زرد دیکھتے ہو، پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس کے اندر اہلِ عقل کے لیے بڑی نصیحت ہے۔

39:21 Are you not aware that it is God who sends down water from the skies, and then causes it to travel through the earth in the shape of springs? And then He brings forth thereby herbage of various hues; and then it withers, and thou canst see it turn yellow; and in the end He causes it to crumble to dust. Verily, in [all] this there is indeed a reminder to those who are endowed with insight.

....
ینابیع کا مفہوم
ینابیع (چشمے) ’’ینبوع‘‘ کی جمع ہے۔ یہ ’’نبع‘‘ کے مادے سے ہے، جس کا معنی ہے پانی کا زمین سے جوش مارنا۔
چشموں کے پانی کا اصل منبع بارش ہے۔ زمین کی اوپر کی تہہ نفوذ پذیر یا پرمی ایبل ہوتی ہے جبکہ اس سے نیچے غیر نفوذ پذیر یا اِمپرمی ایبل چٹانی تہہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بارش کا پانی اوپر کی تہہ سے گزر کر سطح کے نیچے غیر نفوذ پذیر تہہ کے اوپر ذخیرہ ہو جاتا ہے۔ اسے زمینی پانی یا گرائونڈ واٹر کہا جاتا ہے۔

یہ پانی چشموں کی شکل میں کسی مقام سے جوش مار کر باہر آ جاتا ہے اور انسانوں اور دوسرے جانداروں کے کام آتا ہے، یا پھر کنویں کھود کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔
زرع کا مفہوم
زرع (کھیتی) کا لفظ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ یہ غذائی نباتات کے علاوہ غیر غذائی نباتات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مثلاً طرح طرح کے پھول، گھاس، دواؤں کی جڑی بوٹیاں وغیرہ۔
نباتات کی زندگی کئی مراحل پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک وقت ہوتا ہے جب یہ نشو و نما پا کر اپنے جوبن کو پہنچتے ہیں، پھر یہ سوکھ کر زرد ہو جاتے ہیں، پھر وقت کے ساتھ ساتھ گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔
یہ تمام واقعات اپنے اندر عقل و دانش رکھنے والوں کے لیے نصیحت رکھتے ہیں۔ ضروری ہے کہ انسان دنیا کی حقیقت کے مشاہدے سے اپنی حقیقت کو سمجھے۔

آیت: 42

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۚ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اللہ ہی ہے جو (اپنے قانونِ تکوینی کے ذریعے) جانیں ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے، اور جو مرے نہ ہوں، اُنھیں بھی نیند کی حالت میں(اِسی طرح قبض کر لیتا ہے)۔ پھر جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہو اُن کو روک لیتا ہے اور جو باقی ہیں، اُنھیں ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اِس میں، یقیناً اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔

ایک ممکنہ تشریحی ترجمہ
اللہ ہی ہے جو (اپنے قانونِ تکوینی کے ذریعے) روحوں (یعنی انسان کے جوہرِ شعور) کو ان کی موت (یعنی جسم سے ان کی کلی جدائی) کے وقت قبض کرتا ہے، اور جو موت (یعنی جسم سے کلی جدائی) سے ابھی ہمکنار نہیں ہوئیں، اُنھیں نیند کی حالت میں(قبض کر لیتا ہے)۔ پھر جن کی موت (یعنی جسم سے کلی جدائی) کا فیصلہ وہ کر چکا ہو اُن کو روک لیتا ہے اور جو باقی ہیں، اُنھیں ایک مقرر وقت تک کے لیے (اپنے جسم کے ساتھ تعلق کے لئے) چھوڑ دیتا ہے۔ اِس میں، یقیناً اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔
(موت کا واقع ہونا یا نیند کی حالت میں شعور کا سلب ہونا، سب اللہ ہی کے قانونِ تکوینی کے مطابق ہوتا ہے۔ موت کیا ہے اور نیند کی حالت میں شعور کیسے سلب ہو جاتا ہے، میں اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں، ان کے لئے جو سوچنے سمجھنے کی خداداد صلاحیت کو کام میں لاتے ہیں۔)

………

39:42 It is God [alone that has this power - He] who causes all human beings to die at the time of their [bodily] death, and [causes to be as dead], during their sleep, those that have not yet died: thus, He withholds [from life] those upon whom He has decreed death, and lets the others go free for a term set [by Him]. In [all] this, behold, there are messages indeed for people who think.

سورہ المومن (سورہ نمبر 40)

آیت: 61

اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ النَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۶۱﴾

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات (کو تاریک) بنایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا (تاکہ تم اس میں کام کرو)۔ بیشک اللہ لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے، لیکن بہت سے لوگ شکر گزاری اختیار نہیں کرتے۔

....

40:61 It is God who has made the night for you, so that you might rest therein, and the day, to make [you] see. Behold, God is indeed limitless in His bounty unto man - but most men are ungrateful.

آیت: 64

اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ وَ رَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ ۚۖ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۴﴾

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ایک جائے قرار اور آسمانی فضا کو (تمہارے تحفظ کے لئے) ایک چھت بنایا ہے۔ اور تمہاری صورت گری کی، پس بہت اچھی بنائیں تمہاری صورتیں، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق بخشا۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو جہانوں کا رب ہے۔

.....

40:64 It is God who has made the earth a resting- place for you and the sky a canopy, and has formed you - and formed you so well and provided for you sustenance out of the good things of life. Such is God, your Sustainer: hallowed, then, is God, the Sustainer of all the worlds.

.....

زمین ایک جائے قرار اور مستقر

زمین قیام کی جگہ ہے، جہاں انسان راحت و آرام اور امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔
یہاں لفظ ''سماء'' ممکنہ طور پر اوپر آسمانی فضاء یا کرۂ ہوائی کے معنوں میں ہے، جو ایک چھت کی طرح زمین کی حفاظت کرتا ہے۔ ''بناء'' خیمہ، سائبان (لسان العرب)۔

تمہاری صورت گری کی، پس کیا ہی اچھی بنائیں تمہاری صورتیں۔ اللہ نے انسان کو بہترین ساخت اور بناوٹ عطا فرمائی ہے۔
رحمِ مادر میں بھی دستِ قدرت انسان کی نہایت عمدہ انداز میں صورت گری کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا حامل بنایا ہے، اُسے بہترین شکل و صورت اور قد و قامت عطا کیا ہے۔
....

آیات: 68، 69

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَۃٍ ثُمَّ یُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا شُیُوۡخًا ۚ وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی مِنۡ قَبۡلُ وَ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾
ہُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿٪۶۸﴾
......
(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں (پہلے) مٹی سے تخلیق کیا، پھر (رحمِ مادر میں) ایک نطفہ سے، پھر(رحم مادر کے ساتھ چسپاں) ایک معلق وجود سے، پھر وہ تمہیں ایک بچہ کی صورت میں (شکمِ مادر سے) باہر لاتا ہے، پھر وہ تمہیں پروان چڑھاتا ہے کہ اپنی جوانی کو پہنچو۔ پھر(تمہیں مزید عمر دیتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو۔ اور تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں۔ اور یہ سارا نظام اس لیے ہے تاکہ تم (دنیا میں اپنی اپنی) مقررہ مدت پوری کرو اور یہ اس لیے ہے کہ تم عقل سے کام لو۔
(اللہ) وہی ہے جو زندگی عطا کرتا اور موت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے لئے بس اتنا کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ (اس کے ارادہ کے مطابق) ہو جاتا ہے۔
......
40:67 It is He who creates you out of dust, and then out of a drop of sperm, and then out of a germ-cell; and then He brings you forth as children; and then [He ordains] that you reach maturity, and then, that you grow old - though some of you [He causes to] die earlier -: and [all this He ordains] so that you might reach a term set [by Him], and that you might [learn to] use your reason.
40:68 It is He who grants life and deals death; and when He wills a thing to be, He but says unto it, “Be” - and it is.

آیات: 79-81

اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡکَبُوۡا مِنۡہَا وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۹﴾
وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ لِتَبۡلُغُوۡا عَلَیۡہَا حَاجَۃً فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَ عَلَیۡہَا وَ عَلَی الۡفُلۡکِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۸۰﴾

وَ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ ٭ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُنۡکِرُوۡنَ ﴿۸۱﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے کہ تم بعض سے سواری کا کام لو، اور ان میں سے کچھ کوتم غذا کے طور پراستعمال کرتے ہو، اور ان میں تمہارے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں اور اس لیے بنائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے اپنے دلوں کے کسی مقصد تک پہنچو۔ اور تم ان پر اور کشتیوں پر سوار کیے جاتے ہو۔ اور وہ تمہیں اپنی اور بھی بے شمار نشانیاں دکھاتا ہے۔ پس، تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔

40:79 It is God who [at all times works wonders for you: thus, He] provides for you [all manner of] livestock, so that on some of them you may ride, and from some derive your food,
40:80 and find [yet other] benefits in them; and that through them you may attain to the fulfillment of [many] a heartfelt need: for on them, as on ships, you are borne [through life].
40:81 And [thus] He displays His wonders before you: which, then, of God's wonders can you still deny.

اَنعام نعم کی جمع ہے جو اصل میں اونٹ کے لیے استعمال ہوتا تھا، پھر اس کے مفہوم میں وسعت آگئی اور یہ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ یہ ''نعمت'' سے لیا گیا ہے۔
ہم جانتے ہیں کہ چوپائے اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ہیں۔
ان آیات میں چوپایوں کے مختلف فائدوں کی طرف انسان کی توجہ دلائی گئی ہے۔
سواری اور باربرداری، گوشت، اور دوسرے فوائد۔
اس کے علاوہ کشتی کا ذکر ہوا کہ وہ تمہارے کام آتی ہے۔ تم اُس کے ذریعے سمندروں اور دریاؤں وغیرہ میں سفر کرتے ہو۔ آیت یہ چاہتی ہے کہ انسان اللہ کی نعمتوں کو پہچانے اور ان پر اپنے رب کا شکر ادا کرے اور اس میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہو۔

سورہ حٰم سجدہ (سورہ نمبر 41)

آیات: 9-12

....

قُلۡ اَئِنَّکُمۡ لَتَکۡفُرُوۡنَ بِالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ تَجۡعَلُوۡنَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۚ﴿۹﴾
وَ جَعَلَ فِیۡہَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِہَا وَ بٰرَکَ فِیۡہَا وَ قَدَّرَ فِیۡہَاۤ اَقۡوَاتَہَا فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾
ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ﴿۱۱﴾

فَقَضٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ اَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَہَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ ٭ۖ وَ حِفۡظًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۱۲﴾

ان سے کہیں، کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے زمین دو ادوار میں پیدا کی۔ اور اس کے مدمقابل ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا رب ہے۔ اور اسی نے زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ بنائے ہیں جو اس کے اوپر اٹھے ہوئے ہیں۔ اور اس نے اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں اس کے غذائی ذخیرے ودیعت کیے، چار ادوار
میں، سب طلبگاروں کے لیے یکساں۔
پھر یہ کہ، وہی ہے جس نے آسمان (کی تخلیق) کا قصد کیا (اپنے ارادے سے)، اور وہ (شروع میں) محض دھواں تھا۔ پس اس نے اس کو اور زمین کو کہا کہ آؤ (وجود
میں)، خواہ رغبت سے یا مجبوراً۔ انہوں نے کہا: ہم آگئے اس حال میں کہ فرمانبردار ہیں۔
پھر، وہ وہی ہے جس نے اپنے فیصلے سے انہیں سات آسمان کردیا دو ادوار میں۔ اور ہر آسمان میں اس کے مناسبِ حال امر کی وحی کر دی۔ اور ہم ہی نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے زینت دی اور اسے محفوظ کیا۔ یہ زبردست قوت والے، علم والے کی منصوبہ بندی ہے۔

41:9 Say: “Would you indeed deny Him who has created the earth in two aeons? And do you claim that there is any power that could rival Him, the Sustainer of all the worlds?”
41:10 For He [it is who, after creating the earth,] placed firm mountains on it, [towering] above its surface, and bestowed [so many] blessings on it, and equitably apportioned its means of subsistence to all who would seek it: [and all this He created] in four aeons.
41:11 And He [it is who] applied His design to the skies, which were [yet but] smoke; and He [it is who] said to them and to the earth, “Come [into being], both of you, willingly or unwillingly!” - to which both responded, “We do come in obedience.”
41:12 And He [it is who] decreed that they become seven heavens in two aeons, and imparted unto each heaven its function. And We adorned the skies nearest to the earth with lights, and made them secure: such is the ordaining of the Almighty, the All-Knowing.

ان آیات کے مطالعے سے ضمنی طور پر زمین اور آسمان، یعنی کائنات کے چھ ایام میں تخلیق کی تفصیل حاصل ہوتی ہے۔ آیات کے تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب "کائنات قرآن اور سائنس" باب 9۔ یہاں ان کا مختصر مفہوم بیان کیا گیا ہے۔
یہ بات شروع سے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اپنے سائنسی مفہوم کے پہلو سے یہ بہت مشکل آیات ہیں۔ ہمارے پاس کائنات کی تخلیق و ارتقاء کے متعلق ابھی اتنی کافی معلومات نہیں ہیں کہ ہم ان آیات کے سائنسی مضمرات کی حتمی تشریح کر سکیں۔
آیت نمبر 9 کہتی ہے کہ زمین کی تخلیق دو ایام میں ہوئی۔ اگلی آیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین کی "ابتدائی" تخلیق کی بات ہے۔

یاد رہے کہ یوم عربی زبان میں مطلق طور پر وقت اور زمانہ کے معنے رکھتا ہے، چاہے وہ زمانہ کتنا ہی قلیل یا طویل کیوں نہ ہو۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

آیت نمبر 10 کہتی ہے کہ زمین میں ارضیاتی یعنی جیولوجیکل تبدیلیاں ہوئیں جن کے نتیجے میں زمین موجودہ شکل میں آئی۔ یہ کام چار ایام میں ہوا۔ آیات 9 اور 10 پر مجموعی نظر ڈالنے پر یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ ان چار ایام میں دو ابتدائی ایام وہ ہیں جن کا ذکر آیت نمبر 9 میں آیا ہے۔

آیت نمبر 12 کہتی ہے کہ آسمانوں کی تخلیق دو ایام میں کی گئی۔ اگر ہم آسمانوں سے مراد "کائنات" لیں جس کا زمین بھی ایک حصہ ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ دو ایام کائنات کے ابتدائی دو ایام ہیں جب ابھی زمین ایک علیحدہ سیارہ کے طور پر وجود میں نہیں آئی تھی۔

آیت نمبر 11 سے معلوم ہوتا ہے کہ استویٰ الی السماء (آسمانوں کی تخلیق کا قصد کرنا) کے مرحلے پر یہ آسمان (یعنی کائنات) دخان یعنی دھویں کی شکل میں تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ دخان کی تخلیق پہلے ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دخان کو دو ادوار میں "سات" آسمانوں کی شکل دی۔
یاد رہے کہ لغت کے ماہرین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ سماء میں بلندی کا تصور پایا جاتا ہے۔ ہر شے کے بالائی حصہ کو سماء کہا جاتا ہے۔ ہر سماء اپنے ماتحت کے لحاظ سے سماء ہے لیکن اپنے مافوق کے لحاظ سے ارض ہے۔ یہ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے سماوی خلا یا کاسمک اسپیس، سماوی اجرام (کہکشائیں، ستارے اور سیارے، وغیرہ)، زمین کے اوپر کی فضا یا کرہءِ ہوائی، وغیرہ۔
اب ان بنیادی نکات اور بعض دوسری آیات میں کیے گئے تخلیقی انکشافات کو مدنظر رکھ کر کوئی تخلیقی نظریہ اخذ کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ ایک امکانی نظریہ مندرجہ ذیل طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے کائنات کو عدم سے وجود بخشا۔ ایک تخلیقی مرحلے پر یہ دخان کی شکل میں تھی۔ امکانی طور پر یہ نیبیولا یا کسی گیس نما حالت کی طرف اشارہ ہے۔
اس گیس یا نیبولا نے ارتقائی یا دوسرے لفظوں میں نشو و نمائی مراحل سے گزر کر اجرامِ سماوی، ممکنہ طور کہکشائوں، کی شکل اختیار کی۔ یہ دو اُدوار میں ہوا۔

اسی دوران میں زمین کا کرہ اپنی ابتدائی شکل میں آسمانوں کے تخلیقی مادے یا زیادہ صحیح طور پر شمسی نیبولا سے علاحدہ ہوا۔
بعد ازاں، زمین اپنی ابتدائی شکل سے بتدریج موجودہ شکل کی طرف بڑھی۔ اس میں طبیعی، کیمیائی اور دوسری تبدیلیاں ہوئیں، پہاڑ نمودار ہوئے، آبی چکر کا نظام قائم ہوا، کرہ ہوائی بنا، زندگی کے حالات سازگار ہوئے، زندگی کی ابتدا ہوئی اور بتدریج قسم قسم کے پودے اور حیوانات نمودار ہوئے۔ یہ سارا عمل چار ادوار میں ہوا۔

زمین اور آسمانوں کا ارتقاء
مندرجہ بالا بحث سے زمین اور آسمانوں کی تخلیق کی زمانی ترتیب درج ذیل سمجھ میں آتی ہے۔
آغاز آفرینش سے زمین کی علاحدگی تک دو ادوار۔ ان کی تفصیل یہ ہے:
الف: کہکشاؤں کے ابتدائی طور پر وجود میں آنے تک ایک دور۔
ب: ہماری کہکشاں میں ہمارے نظامِ شمسی کے ابتدائی طور پر وجود میں آنے تک دوسرا دور۔

ج: مختلف کہکشاؤں کا اپنے اپنے طور پر ارتقائی سفر جاری ہے۔ اب زمین اپنے طور پر ارتقائی سفر جاری رکھتی ہے۔ دو ادوار کی طبعی و کیمیائی تبدیلیوں کے نتیجے میں زمین حیات کے لیے سازگار بنی(یعنی حیات کے آغاز سے پہلے کے دو ادوار)۔

د: اجرامِ سماوی کا ارتقاء اپنے اپنے طور پر جاری ہے۔ اگلے دو ادوار میں زمین میں ہر قسم کے پودے اور حیوانات نمودار ہوئے۔ آخر میں انسان نمودار ہوا۔
وحی کا مفہوم: لغت کے ماہرین کے مطابق وحی (و ح ی) کے اصل معنی ہیں: جلدی سے اشارہ کرنا۔ اور اس میں تیزی یا سرعت کا تصور پایا جاتا ہے، چنانچہ، ہر تیز رفتار معاملہ کو امر وحی کہا جاتا ہے۔ وحی کی کئی اقسام ہیں۔ یہ فطرت و جبلت میں ڈالنے کو بھی کہتے ہیں، جیسے قرآن میں ہے کہ اللہ نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔
لفظ ثم کا مفہوم
لفظ "ثم" ترتیبِ زمانی کے نہیں بلکہ ترتیبِ بیانی کے معنوں میں ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا معنی کیا ہے "پھر یہ کہ"۔
السماء الدنیا لغوی معنی قریب کا آسمان۔ اس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ ممکہ طور پر اس سے وہ فضائے سماوی مراد ہے جس میں ہمارا شمسی نظام موجود ہے۔ یہاں مصابیح کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دوسرے مقام پر کواکب کا لفظ استعمال ہوا (سورہ 37 آیت 6)۔
اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِۣ الۡکَوَاکِبِ ۙ﴿۶﴾
(بیشک ہم ہی نے قریب کے آسمان کو کواکب کی زینت سے آراستہ کیا ہے۔)
اس سے ممکنہ طور پر مراد زمین سے روشن نظر آنے والے سماوی اجرام ہیں جو ہمارے شمسی نظام کا حصہ ہیں۔ انہیں ستارہ پرست لوگ دیویاں مانتے تھے اور کاہن اور نجومی ان کی بنیاد پر غیب دانی کا دعوٰی کرتے تھے اور اپنے ان دعووں کے ذریعے قرآنِ مجید کی وحی کے بارے میں شکوک و شبہات اور کنفیوژن پیدا کرتے تھے۔ قرآن نے ان کے ان دعووں کو بے حقیقت قرار دیا۔ کسی شیطانی قوت کے لئے غیب تک رسائی ممکن نہیں۔

آیات: 37، 38

وَ مِنۡ اٰیٰتِہِ الَّیۡلُ وَ النَّہَارُ وَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ؕ لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَ لَا لِلۡقَمَرِ وَ اسۡجُدُوۡا لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَہُنَّ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۳۷﴾
فَاِنِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فَالَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوۡنَ لَہٗ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ ہُمۡ لَا یَسۡـَٔمُوۡنَ ﴿۳۸﴾

اور رات اور دن اور سورج اور چاند اُس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ ہی چاند کو۔ بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے اِن (سب) کو پیدا فرمایا ہے اگر تم (واقعی) اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔
پھر بھی(اے رسولِ اکرم ﷺ) اگر یہ (لوگ) تکبر کریں (تو کریں)، پس، وہ جو (دل و جان سے) آپ کے رب کے قریب ہیں وہ اسی کی تسبیح کرتے ہیں شب و روز اور وہ کبھی نہیں تھکتے۔

41:37 Now among His signs are the night and the day, as well as the sun and the moon: [hence,] adore not the sun or the moon, but prostrate yourselves in adoration before God, who has created them - if it is Him whom you [really] worship.

41:38 And though some be too proud [to listen to this call], they who [in their hearts] are with thy Sustainer extol His limitless glory by night and by day, and never grow weary [thereof].

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنَّکَ تَرَی الۡاَرۡضَ خَاشِعَۃً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہَا الۡمَآءَ اہۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاہَا لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۹﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم (کبھی) زمین دیکھتے ہو کہ بے جان پڑی ہے۔ پھر . جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اورخوب نمو پاتی ہے۔ بے شک وہ (اللہ) جس نے اس (مردہ زمین) کو زندہ کیا ہے یقیناً وہی (روزِ قیامت) مُردوں کو زندہ فرمانے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

41:39 For among His signs is this: thou seest the earth lying desolate - and lo! when We send down water upon it, it stirs and swells [with life]! Verily, He who brings it to life can surely give life to the dead [of heart as well]: for, behold, He has the power to will anything.

سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ اَوَ لَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾

ہم انھیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اطرافِ عالم میں بھی اور ان کے وجودوں میں بھی،
یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن بالکل حق ہے۔ اور کیا (ان کے لئے یہ جاننا) کافی نہیں ہے کہ بلاشبہ آپ کا رب ہر چیز پر شاہد ہے؟

41:53 In time We shall make them fully understand Our messages [through what they perceive] in the utmost horizons [of the universe] and within themselves, so that it will become clear unto them that this [revelation] is indeed the truth. [Still,] is it not enough [for them to know] that thy Sustainer is witness unto everything.

آفاق افق کی جمع، معنی ہے اطرافِ عالم یعنی کائنات۔ انفس نفس کی جمع، ذواتِ انسانی۔
سَنُرِیھم: ہم عنقریب دکھائیں گے، یا ضرور دکھائیں گے۔ دکھاتے چلے جائیں گے، وغیرہ۔

جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، انسانی علم میں اضافہ ہوتا جائے گا، اور جیسے جیسے کائنات کے بارے میں انسان کا علم بڑھے گا اور انسان کی اپنی ذات کے بارے میں آگہی میں اضافہ ہو گا، ویسے ویسے انسان پر یہ بات ثابت ہوتی جائے گی کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے، اور یہ کہ یہ قرآن حق ہے۔
کائنات کے مختلف مظاہر اللہ کی ہستی اور قدرت کی گواہی دیتے ہیں۔ کائنات ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کتاب ہے جس کا ہر صفحہ، ہر سطر، اور ہر لفظ اپنے خالق کی عظمت کی شہادت دیتا

ہے۔ انسان جیسے جیسے اس کتاب کو پڑھتا جائے گا، اس پر اللہ کی معرفت کے تازہ بتازہ راز منکشف ہوتے جائیں گے۔

سورہ شوریٰ (سورہ نمبر 42)

آیات: 11، 12

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ مِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ یَذۡرَؤُکُمۡ فِیۡہِ ؕ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ
وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱۱﴾
لَہٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾

وہی ہے آسمانوں اور زمین کو وجود میں لانے والا۔ اُسی نے تمہارے جنس سے تمہارے جوڑے بنائے ہیں، اور چوپایوں کی جنس سے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اس نظام کے ذریعے وہ تمہاری نسل کو پھیلاتا ہے۔ اُس کے مانند کوئی شے نہیں ہے، اور وہی ہے سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

42:11 The Originator [is He] of the heavens and the earth. He has given you mates of your own kind just as [He has willed that] among the beasts [there be] mates - to multiply you thereby: [but] there is nothing like unto Him, and He alone is all-hearing, all-seeing.

42:12 His are the keys of the heavens and the earth: He grants abundant sustenance, or gives it in scant measure, unto whomever He wills: for, behold, He has full knowledge of everything.

فاطِر فَطَرَ سے ہے، معنی ہے پھاڑ کر پیدا کرنے والا، شگافتہ کر کے پیدا کرنے والا۔
اُس نے آسمانوں اور زمین کو عدم کا پردہ پھاڑ کر پیدا کیا ہے۔
اس مفہوم میں یہ مجازی کلام ہو گا۔ معنی ہے: کائنات کو وجود میں لانے والا۔ اس نے کائنات کو بغیر کسے پہلے سے موجود نمونہ کے از خود اپنے ارادہ کے مطابق پیدا فرمایا۔

اُس نے انسانوں میں بھی جوڑے بنائے ہیں اور حیوانوں میں بھی، جن کے ذریعے وہ ان کی نسل کو پھیلاتا ہے۔ یہاں جنسی تولید کی طرف اشارہ ہے۔
ہر چیز کے جوڑے ہیں، ہر چیز کی اقسام ہیں، مگر اللہ واحدہُ لاشریک ہے۔ کوئی بھی شے اس کے جیسی نہیں۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی بنیاد ہے۔ وہ ہر لحاظ سے لا محدود اورلا متناہی ہے۔ وہ اپنے جیسا بس اکیلا آپ ہی ہے۔ واحد و احد، یکتا و یگانہ، لاشریک۔

آیت 29

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَثَّ فِیۡہِمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ ؕ وَ ہُوَ عَلٰی جَمۡعِہِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾

اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے سماوی اجسام اور زمین کی تخلیق اور وہ ذی حیات مخلوق جو اس نے ان میں پھیلائی ہے۔ اور وہ ان کو جمع کرنے پر بھی، جب چاہے، قادر ہے۔

42:29 And among His signs is the [very] creation of the heavens and the earth, and of all the living creatures which He has caused to multiply throughout them: and [since He has created them,] He has [also] the power to gather them [unto Himself] whenever He wills.

دابہ کا معنی ہے چلنے والی مخلوق، ذی حیات مخلوق، جاندار۔
اس کا اطلاق ہر زندہ مخلوق پر کیا جا سکتا ہے، اُن حیوانات پر بھی جو خوردبین کے بغیر نظر نہیں آتے، انسان پر یا انسان جیسی مخلوق پر بھی جو عقل و شعور رکھتی ہے۔ وسیع تر معنوں میں اس کا اطلاق پودوں پر بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی جاندار مخلوق ہیں۔ ان میں پروٹوپلازم پایا جاتا ہے جو زندگی کی بنیاد ہے۔ ان میں نشوونما اور بالیدگی بھی پائی جاتی ہے۔ نشوونما اور بالیدگی بھی ایک قسم کی حرکت ہے جو پودوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آسمانوں (السمٰوٰت) یعنی زمین سے دور خلا میں دوسرے اجرامِ سماوی (سیاروں وغیرہ) پر بھی زندہ اشیاء پائی جا سکتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ آیت واضح طور پر ماورائے زمین زندگی کی موجودگی کی پیش گوئی کر رہی ہے۔
"جب چاہے ان کو جمع کرنے پر بھی قادر ہے" کا ایک مفہوم بروزِ قیامت مخلوق کا جمع کیا جانا ہے۔ یومِ حساب آنا ہے، اور ہر انسان کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔
اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین اور دوسرے اجرامِ سماوی کی مخلوقات مستقبل میں کسی وقت ایک دوسرے سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

آیات: 32، 33

وَ مِنۡ اٰیٰتِہِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿۳۲﴾
اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۳۳﴾

اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں سمندر میں چلنے والے پہاڑوں کی مانند جہاز۔ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے، پھر وہ سمندر کی سطح پر ٹھہرے ہی رہ جائیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو بہت شکر کرنے والا، بڑا شکر گزار ہے۔

42:32 And among His signs are the ships that sail like [floating] mountains through the seas,
42:33 if He so wills, He stills the wind, and then they lie motionless on the sea's surface - [and] herein, behold, there are messages indeed for all who are wholly patient in adversity and deeply grateful [to God].

الجوار الجاریہ کی جمع ہے، جہاز اور کشتی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سطحِ آب پرجاری یعنی رواں رہتی ہیں۔
اعلام عَلَم (ع پر زبر، ل پر بھی زبر) کی جمع ہے۔ اس کا معنی پہاڑ بھی کیا جا سکتا ہے اورمحل بھی، لیکن اصل میں اس کے معنی نشان اور علامت کے ہیں۔ پہاڑ یا محل کو بھی اس لیے علم کہا جاتا ہے کہ وہ دور سے نمایاں نظر آتے ہیں۔

بادبانی کشتیاں مکمل طور پر ہوا کی حرکت پر انحصار رکھتی ہیں۔ قدیم زمانے میں ان کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ کرۂ ارض پر ہوائیں ایک باقاعدہ نظام کے تحت چلتی ہیں۔ موجودہ زمانے میں جہازوں اور کشتیوں کو چلانے کے لیے طاقتور انجنوں سے مدد لی جاتی ہے لیکن ہواؤں کا اب بھی بڑا کردار ہے۔
کائنات کے اسرار کے مطالعے، مشاہدے، غور و فکر اور نتائج کے استنباط کے لئے صبار یعنی بہت صبر کرنے والا، بہت حوصلہ مند، اور شکور یعنی بہت شکر کرنے والا، صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا قدردان، عملی شکر گزاری کا نمونہ ہونے کی ضرورت ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے رازوں سے آگاہی خود شکر ہی کی ایک قسم ہے، جب کہ ان تک پہنچنے کے لیے صبر طلب محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سورہ الزخرف (سورہ نمبر 43)
آیات: 10- 12

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَہۡدًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ فِیۡہَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿ۚ۱۰﴾
وَ الَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ۚ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾
وَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا وَ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡفُلۡکِ وَ الۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ ﴿ۙ۱۲﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا ہے اور اس میں تمہارے لیے راستے رکھے ہیں
کہ تم منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی برسایا ہے۔
پھر ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندگی عطا کی۔ اسی طرح تمہیں بھی از سر نو پیدا کیا جائے گا۔
اور جس نے تمام گوناگوں قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے ہیں
جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

43:10 He it is who has made the earth a cradle for you, and has provided for you ways [of livelihood] thereon, so that you might follow the right path.
43:11 And He it is who sends down, again and again, waters from the sky in due measure: and [as] We raise therewith dead land to life, even thus will you be brought forth [from the dead].
43:12 And He it is who has created all opposites. And He [it is who] has provided for you all those ships and animals whereon you ride.

مهد(مَہْدًا) کا مفہوم
مهد(مَہْدًا) کا لغوی معنی گہوارہ یا پنگھوڑا ہے، بچے کے آرام کی جگہ۔
یعنی زمین کو تمہارے لیے ایک طرح کے گہوارے کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ یہاں تم آرام کے
ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکتے ہو۔

مهد یا گہوارے، پنگھوڑے سے ضمنی طور پر زمین کی محوری اور مداری حرکت پر بھی استدلال
کیا جا سکتا ہے۔ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک عظیم جھولا ہے جو
مخلوق کو لے کر خلا میں حرکت کر رہا ہے۔

مہد کا ایک لفظی معنی پھیلی ہوئی یا بچھائی ہوئی چیز بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسانوں
اور دوسری مخلوق کے لیے پھیلایا، بچھایا اور ہموار و سازگار کیا ہے تاکہ وہ اس پر اپنے اپنے
مقصدِ حیات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔
سُبُل سبیل کی جمع ہے۔ معنی ہے راستے۔
اس کا اطلاق ہر طرح کے راستوں پر ہوتا ہے جن میں خشکی کے راستے، بحری راستے اور ہوائی
راستے شامل ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام کے ذریعے زمین میں طرح طرح کے راستے بنائے ہیں جیسے درے،
وادیاں اور دوسرے راستے تاکہ انسان آسانی سے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف نقل و حرکت
کر سکے۔
وسیع تر معنوں میں راستے سے کسی کام کے کرنے کا ذریعہ اور طریقہ و وسیلہ بھی مراد لیا جا
سکتا ہے۔ مقصد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو وسیع بنایا ہے اور اس میں طرح طرح کے مادی اور
معنوی راستے اور ذرائع پیدا کیے ہیں تاکہ انسان بہ آسانی اپنے رب کی معرفت کا سفر طے کر
سکے، کائنات کا مشاہدہ و مطالعہ کرے اور اس کے مختلف خِطوں اور مظاہر کی تلاش کرے۔

سماء کا مفہوم
سماء سے پانی نازل کیا یعنی بلندی سے، یا بادل سے، یا فضا سے۔ عربی زبان میں سماء کا لفظ بہت
وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں بنیادی اور مرکزی تخیل بلندی کا پایا جاتا ہے۔ سماء ہر وہ

چیز جو آپ سے بلندی پر ہے۔ اسی لئے چھت کو بھی سماء کہتے ہیں۔ اوپر کی وہ فضا جس میں بادل ہوتے ہیں اور جہاں سے بارش برستی ہے وہ بھی سماء ہے اور دور دراز کی کاسمک اسپیس بھی سماء ہے، اور سماوی اجرام بھی سماء کے مفہوم میں آتے ہیں۔ بلندی کی نسبت سے بادل کو بھی سماء کہتے ہیں۔ بلکہ اس کا اطلاق خود بارش پر بھی ہوتا ہے(سورہ نوح)۔

ازواج کا معنی
ازواج زوج کی جمع ہے۔ اس پر پہلے بات ہو چکی ہے۔ اس سے مراد یہاں نوع اور قسم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی مخلوق پیدا کی ہے، کوئی جاندار، کوئی بے جان، کوئی نر، کوئی مادہ۔ اسی طرح مختلف رنگوں اور ذائقوں کی اشیاء اور حیوانوں اور پودوں کی مختلف انواع و اقسام، مثلاً پرندے، مچھلیاں، حشرات وغیرہ۔

سفر کے لئے سواری کی اہمیت
آیت میں کشتیوں اور جانداروں کی سواری کی طرف اشارہ ہے۔ سواریاں انسان کی زندگی کو آسان بناتی اور اس کی زندگی میں تیز رفتاری لاتی ہیں۔

سورہ الجاثیہ (سورہ نمبر 45)

آیات: 3-5

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ﴿۳﴾
وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾
وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾

بے شک آسمانوں اور زمین میں اہلِ ایمان کے لیے (اللہ کی ہستی اور قدرت کی) بڑی نشانیاں ہیں۔ اور اسی طرح خود تمہاری خلقت میں، اور جانداروں میں بھی جو وہ زمین میں پھیلا رہا ہے، یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آنے میں، اور اُس ذریعہ رزق میں جو اللہ آسمان سے اتارتا ہے، پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔

45:3 Behold, in the heavens as well as on earth there are indeed messages for all who [are willing to] believe.

45:4 And in your own nature, and in [that of] all the animals which He scatters [over the earth] there are messages for people who are endowed with inner certainty.
45:5 And in the succession of night and day, and in the means of subsistence which God sends down from the skies, giving life thereby to the earth after it had been lifeless, and in the change of the winds: [in all this] there are messages for people who use their reason.

آسمانوں اور زمین میں اللہ کی ہستی، وحدانیت، اور قدرت کی گوناگوں نشانیاں موجود ہیں۔ مگر ان نشانیوں سے نورِ معرفت وہی حاصل کر سکتے ہیں جو ایمان لانا چاہیں۔
اسی طرح خود انسانوں کی خلقت میں اور دوسرے تمام جانداروں میں نشانیاں ہیں۔ ان چیزوں میں خالق کی قدرت کی جھلک وہی دیکھ سکتے ہیں جو یقین کی دولت سے مالا مال ہوں۔
اسی طرح شب و روز کی گردش میں، بارش کے برسنے میں، نباتات کے اگنے میں، اور ہواؤں کی گردش میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کی نشانیاں ہیں، مگر ان لوگوں کے لیے جو عقل و دانش سے کام لیتے ہوں۔
قرآن مجید نے ان آیات میں اہلِ ایمان، اہلِ یقین، اور اہلِ عقل کو جھنجھوڑتے ہوئے کائنات اور اس کے کئی مظاہر کو اللہ کی ہستی اور قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے۔ جیسے، آسمان اور زمین یعنی کائنات یا یونیورس اور اس کی وسعتیں، انسان کی تخلیق، حیوانات، شب و روز کی گردش، بادلوں سے بارش کا برسنا، نباتات کا اگنا، ہواؤں کی گردش۔
قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ وہ اپنی بات مسلط نہیں کرتا بلکہ دلائل کے ساتھ سمجھاتا ہے۔ اور دلائل وہ کائنات اور اس کے مظاہر بشمول نباتات و حیوانات سے دیتا ہے، کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں ہر کوئی دیکھ سکتا ہے اوراپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔

آیات: 12، 13

اَللّٰہُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡکُ فِیۡہِ بِاَمۡرِہٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾
وَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور اس لیے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم اس کے شکر گزار رہو۔
اور اس نے تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

45:12 It is God who has made the sea subservient [to His laws, so that it be of use] to you so that ships might sail through it at His behest, and that you might seek to obtain [what you need] of His bounty, and that you might have cause to be grateful.

45:13 And He has made subservient to you, [as a gift] from Himself, all that is in the heavens and on earth: in this, behold, there are messages indeed for people who think.

یہ اللہ کا نظامِ فطرت اور تکوینی قانون ہے کہ سمندر بھی انسان کے لئے طرح طرح سے فائدہ مند ہیں۔ گویا، اس نے سمندروں کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ انہیں ایسا بنایا ہے کہ انسان ان سے طرح طرح سے اپنی خدمت کا کام لے سکتے ہیں۔
اس میں اللہ کے حکم سے کشتیاں چلیں یعنی تم اس سے نقل و حمل کے ذریعہ کا کام لو، سمندروں میں سے تازہ گوشت حاصل کرو، اس طرح مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔
اس کے علاوہ سمندروں کے دوسرے فائدے بھی ہیں۔
مقصد یہ ہے کہ تمہارے اندرشکرگزاری کا احساس پروان چڑھے، یہ شکر گزاری صرف زبانی نہ ہو بلکہ عملی بھی ہو۔ اللہ کی منشاء کے مطابق تخلیقی اور تعمیری کردار ادا کرنا۔
اللہ نے اپنے حکم سے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ انسان کی خدمت کر رہی ہیں اور انسان اُن سے اپنی خدمت لے سکتا ہے۔ ان سے طرح طرح سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔
مثال کے طور پر، زمین کے لیے سورج روشنی کا منبع ہے۔ اس کی روشنی سے پودوں میں اِذا بننے کا عمل یعنی ضیائی تالیف یا فوٹوسینتھیسس کا عمل ہوتا ہے۔
پانی بخارات کی شکل اختیار کرتا ہے جس سے بادل بنتے ہیں۔
ہوا کے دباؤ میں فرق پیدا ہوتا ہے جس سے ہوا چلتی ہے، وغیرہ۔
مزید یہ کہ انسان شمسی توانائی یا سولر انرجی کو بے شمار دوسرے مقاصد کے لیے بھی استعمال کر سکتا ہے۔

غور و فکر کی اہمیت
ان سب میں اللہ کی ہستی اور قدرت کی گوناگوں نشانیاں ہیں مگر ان سے اللہ کی معرفت کی روشنی وہی حاصل کر سکتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔ جو اپنی تفکر کی قوت کو کام میں لاتے ہیں، توہمات اور تعصبات سے بلند ہوکر حقیقت کو جیسی کہ وہ ہے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سورہ الاحقاف (سورہ نمبر 46)

آیت: 3

مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر حق (مقصد و حکمت) کے ساتھ اور ایک معین مدتِ وقت کے لیے۔ لیکن، وہ لوگ جنہوں نے انکارِ حق کی روش اختیار کی ہوئی ہے، اس چیز سے اعراض کیے ہوئے ہیں جس سے انہیں خبردار کیا جاتا ہے۔

46:3 We have not created the heavens and the earth and all that is between them otherwise than in accordance with [an inner] truth, and for a term set [by Us]: and yet, they who are bent on denying the truth turn aside from the warning which has been conveyed unto them.

تخلیق بالحق

کائنات اللہ کی ایک بامقصد تخلیق ہے۔ اسے قرآن کی اصطلاح میں تخلیق بالحق کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ نے اسے ایک غایت اور مقصد کے تحت وجود بخشا ہے۔ یہ ہمہ گیر قانون ہے۔ اس کا اطلاق کائنات ہستی کی ہر شے پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کو مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔

معین مدت

ہر چیز ایک معین مدت کے لیے ہے۔ ہر چیز کا ایک ٹائم فریم ہے، ایک پروسس ہے۔ کائنات کی عمر انسانی پیمانوں کے اعتبار سے بہت طویل سہی، مگر اسے ایک روز ختم ہونا ہے۔ اللہ کے علاوہ جو کچھ ہے اسے بالآخر فنا سے ہمکنار ہونا ہے۔

تخلیق بالحق اور ٹائم فریم میں اللہ کی ہستی اور قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔ ان سے بے بہرہ وہی ہو سکتا ہے جو اپنی ضد یا تعصبات کے باعث نہیں دیکھنا ہی نہ چاہے۔

جو کفر پر جمے ہوئے ہوتے ہیں اور جنہوں نے انکارِ خدا کو اپنی زندگی کا شعار بنایا ہوا ہوتا ہے، ان کا مسئلہ یہ ہے کہ انہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ کائنات کا ایک مقصد ہے اور یہ کہ یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ اسے ایک روز اپنے اختتام کو پہنچنا ہے۔

کائنات کی مقصدیت قرآن کے بنیادی دعووں میں سے ہے۔ ایسے لوگ ہر عہد میں ہوتے ہیں جو اس حقیقت سے روگردانی کرتے ہیں۔ دورِ جدید میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کائنات کے پیچھے کارفرما مقصدیت کا انکار کرتے ہیں وہ اس کی مجموعی توجیہ کرنے سے قاصر ہیں۔

سورہ ق (سورہ نمبر 50)

آیات: 11-6

....

اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَہُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰہَا وَ زَیَّنّٰہَا وَ مَا لَہَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ﴿۶﴾
وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰہَا وَ اَلۡقَیۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَہِیۡجٍ ۙ﴿۷﴾
تَبۡصِرَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴿۸﴾
وَ نَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۙ﴿۹﴾
وَ النَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّہَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ ﴿ۙ۱۰﴾
رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَ اَحۡیَیۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ؕ کَذٰلِکَ الۡخُرُوۡجُ ﴿۱۱﴾

تو کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر نہیں کی کہ (جانتے کہ) ہم نے کس طرح اسے بنایا اور آراستہ کیا ہے؟ اور یہ کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں۔
اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ پیدا کیے، اور اس میں ہر قسم کی خوش منظر چیزیں اگائیں۔
یہ (آثارِ قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
اور ہم نے بادل سے بابرکت پانی اتارا جس سے ہم نے باغ بھی اگائے اور کاٹی جانے والی فصلیں بھی۔ اور کھجوروں کے اونچے اونچے درخت بھی جن پر تہہ بہ تہہ خوشے لگتے ہیں بندوں کی روزی کے لیے۔
اور ہم نے اس (پانی) سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح تمہارا از سرِ نو پیدا ہونا ہے۔

50:6 Do they not look at the sky above them - how We have built it and made it beautiful and free of all faults.
50:7 And the earth - We have spread it wide, and set upon it mountains firm, and caused it to bring forth plants of all beauteous kinds,
50:8 thus offering an insight and a reminder unto every human being who willingly turns unto God.
50:9 And We send down from the skies water rich in blessings, and cause thereby gardens to grow, and fields of grain,
50:10 and tall palm-trees with their thickly-clustered dates,
50:11 as sustenance apportioned to men; and by [all] this We bring dead land to life: [and] even so will be [man's] coming-forth from death.

نظر کرنے اور دیکھنے کا مطلب
یہاں نظر کرنے اور دیکھنے سے مراد غوروفکر کے ساتھ مشاہدہ کرنا ہے، بصیرت کی نظر سے دیکھنا جو کائنات کی حقیقتِ اصلی کو بے نقاب کر سکے۔ اس کا نظم اور اس کا حسن دیکھنے والے کو اس نتیجے تک پہنچا سکے کہ اس کا کوئی خالق ہے۔
سماء (آسمان) کا مفہوم
آیت 6 میں بھی سماء کا لفظ استعمال ہوا ہے اور آیت 9 میں بھی لیکن دونوں جگہ اس کا مفہوم مختلف ہے۔ یہ فرق تھوڑا سا غور کرنے پر بھی نظر آ جاتا ہے۔ آیت 6 میں سماء سے ممکنہ طور پر مراد وہ وسیع کائناتی خلا یا کوسمک اسپیس ہے جس میں گوناگون اجرامِ سماوی ہیں جن میں کہکشائیں، ستارے، سیارے، اور دوسرے اجرامِ سماوی شامل ہیں۔ یہی وہ آسمان ہے جسے ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اور، جسے یہاں بنظرِ غائر دکھنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ جبکہ آیت 9 میں اس سے زمین کے اوپر کی وہ فضا مراد ہے جس میں بادل ہوتے ہیں اور جہاں سے بارش برستی ہے۔ اس سے بادل بھی مراد ہو سکتا ہے۔ دراصل سماء کے لفظ میں بلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لئے یہ بلندی پر موجود اشیا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم اس پرکئی مقامات پر لکھ چکے ہیں۔

"اس میں کوئی رخنہ نہیں" کا مفہوم
اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی تخلیقی نقص، غیر موزونیت، اور بے نظمی نہیں۔ ہرچیز، ہر مظہر، ہر حرکت اور ہر تبدیلی کا ایک نظام ہے۔ پوری کائنات میں یکساں قوانین کی کارفرمائی ہے۔ یہ قوانین عرفِ عام میں قوانینِ فطرت کہلاتے ہیں۔ یہ اللہ کے ودیعت کردہ ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکامات ہیں یعنی وہ احکامات جو کائنات کی تکوین یعنی تخلیق و تشکیل میں کارفرما ہیں۔
زمین کی ساخت اور شکل و صورت
اللہ کے ودیعت کردہ قوانینِ فطرت کی کارفرمائی نے زمین کو وہ ساخت اور بناوٹ اور شکل و صورت عطا کی جو انسان اور دوسری مخلوقات کی ضرورتوں کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہےچنانچہ، اس کو ہموار کیا اور پھیلایا کا مطلب ہے اسے ایسا بنایا کہ انسان اور دوسری مخلوق اس پر باآسانی زندگی بسر کر سکتی ہے۔
یاد رہے کہ زمین کا پھیلایا جانا اس کے کُروی ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ اس پر وسیع پہاڑی سلسلوں کا ہونا اس کے گول ہونے کی نفی نہیں کرتا۔
پہاڑوں کی تخلیق
اللہ اپنی قدرتِ کاملہ سے زمین میں پہاڑ بنائے، یعنی زمین ایسی بھی ہموار نہیں کہ اس کی سطح بالکل مُسَطح (ہموار، ہم سطح) ہو بلکہ اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے۔ پہاڑوں کے پیدا کرنے کے لیے "القینا" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے ایسی چیز کو رکھنا جو نمایاں نظر آئے۔ پہاڑوں کے طرح طرح کے فائدے ہیں، مثال کے طور پر ان کا زمین پر موجود آبی چکر میں بنیاد کردار ہے، جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔
طرح طرح کی خوش منظر چیزیں اللہ کی قدرت کا شاہکار ہیں۔
اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ قوانینِ فطرت کی کارفرمائی نے کثرت سے خوش منظر اور دلوں کو لبھانے والے نباتات اگائے ہیں جن میں حیرت انگیز تنوع یعنی ورائیٹی پائی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی ہستی، قدرت، رحمت اور ربوبیت کی عظیم نشانیاں ہیں۔
آسمان سے مبارک پانی کا نزول
جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، آیت 9 میں سما کا لفظ بادل یا زمین کے اوپر کی فضا کے معنوں میں "

ہے۔ سو، سماء سے کا مطلب ہو گا بادل سے یا بلندی سے۔ پانی نازل کیا یعنی اتارا، یہاں برسانے کے معنوں میں ہے۔

"مبارک پانی" یعنی بابرکت پانی، حیات بخش و رونق افزا پانی۔ زمین کی ساری بہار پانی کے دم سے ہے۔ مبارک پانی سے مراد صاف ستھرا اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک پانی ہے، ایسا پانی جو حیات بخش ہے، جو زمین کو سرسبز و شاداب رکھتا ہے، اور جس سے انسان و حیوان کو سامانِ حیات ملتا ہے۔

اللہ کی قدرت اور ربوبیت کی عظیم نشانی کھجور کے اونچے اونچے درخت

باسقات کا مطلب بلند و بالا ہے، اور "طلع" کھجور کے درخت کے پھل کو کہتے ہیں جب وہ ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اللہ نے کھجور کے لمبے درخت پیدا کیے ہیں جن کے پھل تہہ بہ تہہ خوشوں کی صورت میں ہیں۔ یہ منظر انسان میں اللہ کی قدرت، رحمت، اور ربوبیت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

مردہ زمین کا زندہ ہونا

جب بے آب و گیاہ زمین کو پانی ملتا ہے اور اس میں بیج بوئے جاتے ہیں یا قدرتی طور پر بیج بکھرے ہوتے ہیں، تو وہ پانی جذب کر کے اگنا شروع کر دیتے ہیں، اور زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ جس اللہ نے یہ نظام قائم کیا ہے، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کرے۔ یہ انسان کے لئے بہت قیمتی إحساس ہے۔

آیت: 38

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ٭ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ﴿۳۸﴾

-

اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ ادوار میں تخلیق کیا، اور ہمیں تھکان نے چھوا تک نہیں۔

50:38 and [who knows that] We have indeed created the heavens and the earth and all that is between them in six stages, and [that] no weariness could ever touch Us.

یوم کا معنی: یوم عربی میں وقت یا دورانیہ ءِ وقت، یا دور کے لیے استعمال ہوتا ہے، چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔

کائنات کی تخلیق چھ ادوار میں ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کائنات کو تدریجی طور پر پیدا فرمایا۔

لُغُوب کا معنی:

لغوب کا معنی ہے تھکان، تھکاوٹ، خستگی۔ یعنی اللہ کو کائنات کی تخلیق سے کوئی تھکاوٹ لاحق نہیں ہوئی۔ وہ تخلیقی عمل سے علیحدہ نہیں ہوا بلکہ اپنی شان کے مطابق کائنات کی حکومت اور نظام سنبھالے ہوئے ہے، کائنات کی تدبیر کر رہا ہے۔

اس کی خلاقیت اور ربوبیت کی کارفرمائی مسلسل طور پر جاری ہے۔ جیسا کی سورہ الرحمٰن میں ہے: وہ اللہ ہر آن ایک نئی شان میں جلوہ گری فرماتا ہے۔
اس میں بعض مذاہب کے اس تصور کی بھی تردید ہے جس کے مطابق خدا نے کائنات کی تخلیق چھ دنوں میں کی اور ساتویں دن آرام کیا۔ مثال کے طور پر، کنگ جیمز کی بائبل میں ہے اس طرح لکھا ہے:

"And He rested on the seventh day." (Genesis 2:2)

نئے بین الاقوامی ورژن میں ہے:

"So on the seventh day He had rested from all His work."
اردو ترجمہ میں
He rested
کو "فارغ ہوا" سے بدل دیا گیا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ اسے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی کہ وہ آرام کرتا اور تخلیقی عمل سے خود کو علیحدہ کر لیتا۔ اس کی تخلیقی کارفرمائی بلا انقطاع مسلسل طور پر جاری ہے۔ تخلیقی عمل ایک جاری عمل ہے۔
تخلیق کا تسلسل
اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ ادوار میں تخلیق کیا، اور ہمیں تھکان نے چھوا تک نہیں۔ میں ایک مضمر اشارہ یہ بھی ہے کہ کائنات میں اللہ سبحانہ اور تعالیٰ ودیعت کردہ کا تخلیقی پروسس رکا نہیں، جاری ہے۔

سورہ الذاریات (سورہ نمبر 51)

آیت: 7

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُکِ ۙ﴿۷﴾

مختلف تراجم:

قسم ہے دھاریوں والے آسمان کی۔
قسم ہے راستوں والے آسمان کی۔
قسم ہے کہکشائوں والے آسمان کی۔
قسم ہے آرائش والے آسمان کی۔

51:7 Consider the heaven full of starry paths.

حُبُک جمع ہے حباک کی۔ اس لفظ کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی ہے کہکشائیں ۔ آسمان کو "کہکشاں والے" کہنا اس کی پیچیدہ، نفیس اورخوبصوت ساخت کی طرف اشارہ ہے۔ ہر کہکشاں اربوں ستاروں اور سیاروں سے مزین ہے۔
اس کا معنی دھاریاں بھی کیا گیا ہے، جیسے کہ وہ مثال کے طور پر کپڑے میں بنائی جاتی ہیں اور جو نفاست اور ترتیب کی مظہر ہوتی ہیں۔
اس کا معنی آسمانی راستے یا طرائق (آربٹس) بھی کیا گیا ہے: تمام اجرامِ سماوی حرکت میں ہیں، ان کی حرکت کے اپنے اپنے مدار ہوتے ہیں۔ کائنات مداروں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ راستے کائنات میں پائی جانی والی ترتیب اور نظم کو ظاہر کرتے ہیں۔
اس سے بادلوں کی دھاریاں بھی مراد لی گئی ہیں۔ بادل بھی تہوں اور دھاریوں کی شکل میں ہوتے ہیں اور ان بھی تنوع اور رنگ برنگیت پائی جاتی ہے۔
حُبُک اُن لہروں کو بھی کہتے ہیں جو ہوا کے چلنے سے ریت پر یا ساکن پانی میں پیدا ہوتی ہیں۔ گھنگریالے بالوں میں جو سلوٹیں ہوتی ہیں، انہیں بھی حبک کہا جاتا ہے۔ کہکشاں میں یہ سب خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ کہکشائیں آسمانی فضا میں اسی طرح نظر آتی ہیں جس طرح ریت یا پانی کی سطح پر ہوا سے بننے والی لہریں یا کپڑے پر دھاریاں وغیرہ۔
ہماری کہکشاں (مِلکی وے، دودھیا راستا)، یعنی وہ کہکشاں جس میں ہمارا شمسی نظام واقع ہے مرغولے داریعنی اسپائیرل شکل کی حامل ہے۔
دوسری کہکشاؤں کے بارے میں جو معلومات اب تک حاصل ہو سکی ہیں، ان کے مطابق ان میں سے بہت سی واضح طور پر مرغولے دار ہیں۔

اگر حبک کا معنی طرائق یعنی راستے لیا جائے تو آیت کا مفہوم ہوگا:
راستوں والے آسمان کی قسم، وہ آسمان جس میں ستاروں کی مختلف قسم کی حرکات کے باعث ان گنت راستے بنے معلوم ہوتے ہیں جو مختلف سمتوں میں جا رہے ہیں۔
اس کا ایک مفہوم آرائش والا آسمان بھی کیا گیا ہے۔ ستاروں سے آسمان کے مزین اور آراستہ ہونے کا ذکر قرآن میں اور مقامات پر بھی آیا ہے۔ کہکشائوں والے آسمان کے الفاظ میں آرائش کا مفہوم بھی آ جاتا ہے۔

آیات: 20، 21

وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾
وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

اور، زمین میں (اللہ کی ہستی و قدرت کی) نشانیاں ہیں اہلِ یقین کے لیے۔
اور(اے انسانو!) خود تمہارے وجود میں بھی نشانیاں ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

51:20 And on earth, there are signs [of God's existence, visible] to all who are endowed with inner certainty,

51:21 just as [there are signs thereof] within your own selves: can you not, then, see.

زمین میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کی ان گنت نشانیاں ہیں مگر ان کو دیکھنے کے لیے یقین کی نظر چاہیے۔
زمین کی کمیت (ماس)، اس کا حجم (والیوم)، اس کا سورج سے فاصلہ، اس کی سورج کے گرد گردش، اس کی اپنے محور پر گردش، اس کا اپنے مدار پر 23 درجے کا جھکاؤ، اس کا کرہ ہوائی، اس پر پانی کا نظام، اس پر موجود طرح طرح کے جاندار، وغیرہ۔
اسی طرح خود انسانی وجود میں اس کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ انسان کا نفسیاتی وجود، حیاتیاتی وجود، اور معاشرتی وجود، غرض ہر اعتبار سے انسانی وجود اپنے اندر سوچنے سمجھنے والوں کے لیے قدرتِ الٰہی کی گوناگوں نشانیاں رکھتا ہے۔

آیات: 47-49

وَ السَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡٮدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾
وَ الۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾
وَ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۴۹﴾

اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا، بے شک ہم ہی وسعت دینے والے ہیں۔
اور زمین کو ہم نے بچھایا، اور ہم کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں۔
اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے، تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔

51:47 And it is We who have built the universe with [Our creative] power; and, verily, it is We who are steadily expanding it.

51:48 And the earth have We spread out wide - and how well have We ordered it.

51:49 And in everything have We created opposites, so that you might bear in mind [that God alone is One].

اید
لفظ اَید یہاں قوت، طاقت، قدرت کے معنوں میں ہے۔
السماء
السماء(آسمان) کا لفظ یہاں ممکنہ طور پر کہکشاؤں کے اس وسیع مجموعے کے معنوں میں استعمال ہوا جسے آج ہم کائنات یا طبیعی عالم (یونیورس) کہتے ہیں۔

مُوْسِعُوْن
یہ ’’اَوْسَع‘‘ سے ہے۔ یہ متعدی اور لازم دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ متعدی ہونے کی صورت میں اس جملے کا مفہوم ہوگا کہ ہم نے اُسے وسیع اور کشادہ بنایا ہے، اور لازم ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا ہم بڑی وسعت کے مالک ہیں، ہم ہی وسعت دینے والے ہیں، یا ہم ہی اُسے پھیلا رہے ہیں۔
اس آیت سے کائنات کے مسلسل پھیلتے چلے جانے اور وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے جانے کا مفہوم استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

اور کائنات کو ہم ہی نے اپنی تخلیقی قوت سے بنایا اور بے شک ہم ہی اسے پھیلا رہے ہیں۔

"And it is We Who have built the Universe with (Our creative) power; and, verily, it is We who are steadily expanding it." (Asad)

یہ مفہوم اس جدید تصور کی تائید کرتا نظر آتا ہے جسے پھیلتی ہوئی کائنات کا نظریہ کہتے ہیں۔ اور اس کے مطابق کائنات مسلسل طور پر پھیلتی جا رہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ کائنات ساکن یا اسٹیٹِک نہیں بلکہ متحرک یا ڈائنیمک ہے۔
یعنی یہ ایک ’’بنی بنائی‘‘ کائنات نہیں بلکہ مسلسل ’’بنتی ہوئی‘‘ کائنات ہے۔ تخلیق کا عمل مسلسل طور پر جاری ہے۔

زمین کا فرش
اگلی آیت میں ہے زمین کو پھیلایا یا بچھایا، یعنی اُسے ایسا بنایا کہ اس پر انسان اور دوسرے جاندار زندگی بسر کر سکتے ہیں۔
زمین ایک فرش کی طرح ہمارے قدموں کے نیچے موجود ہے۔ نہ ساری زمین دلدلی ہے کہ انسان اس میں دھنستا چلا جائے اور نہ پتھریلی اور چٹانی ہے کہ اس پر چلنا بھی مشکل ہو۔
لاکھوں سالوں کے ارضیاتی عمل یعنی جیولوجیکل پروسس نے سطحِ زمین کو ایسا بنا دیا جیسی کہ وہ ہمیں نظر آتی ہے اور یہ انسان اور جانداروں کے رہنے اور زندگی بسر کرنے کے لیے بالکل موزوں اور سازگار ہے۔ اور یہ عمل جاری ہے۔

جوڑوں کی تخلیق
جانداروں یعنی انسان، حیوانات اور نباتات میں جوڑوں یعنی نر اور مادہ کا وجود ایک کھلی حقیقت ہے۔

کائنات میں اس کے علاوہ بھی تضادات اور تقابلات کی ایک وسیع دنیا آباد ہے جن میں جوڑا جوڑا ہونے کا تصور پایا جاتا ہے، جیسے رات اور دن، دنیا اور آخرت، وغیرہ۔
اس نے چیزوں کو جوڑے جوڑے بنایا تاکہ انسان یہ جان سکے کہ وہ جو خالق ہے، اس کا کوئی جوڑا نہیں، وہ احد ہے، یکتا ہے، لاشریک ہے۔ مخلوق میں کثرت اور تنوع ہے لیکن خالق یکتا اور یگانہ ہے، اس کی کوئی مثل نہیں۔

یہ آیات کائنات کے مادی اور معنوی حقائق کو سمجھنے کی دعوت دیتی ہیں۔ یہ نہ صرف اللہ کی قدرت اور خلاقی اور تخلیقی عظمت کی گواہی دیتی ہیں بلکہ انسان کو غور و فکر کی طرف بھی مائل

کرتی ہیں تاکہ وہ اپنے وجود اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی طرف متوجہ ہو اور اس کی پہچان حاصل کر سکے۔

****

سورۃ الرحمٰن (سورہ نمبر 55)

آیات: 5-7

اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۵﴾
وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾
وَ السَّمَآءَ رَفَعَہَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۙ﴿۷﴾
اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ﴿۸﴾
وَ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ﴿۹﴾

(کائنات اور اس کی ہر شے منشائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کیئے ہوئے ہے۔ چنانچہ) سورج اور چاند اس کے مقرر کردہ نظام کے پابند ہیں، اور جڑی بوٹیاں اور تنے دار درخت بھی اس (کے ودیعت کردہ قانون) کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔
(کائنات اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ایک نظام کی پابند ہے)،اور یہ کہ اس نے کائناتِ سماوی (کے اجسام و اجرام) کو بلندی عطا کی، اور (کائنات میں) ہمہ گیر نظامِ توازن ودیعت فرمایا۔ اس کی منشا یہ ہے کہ (اے انسانو!) تم اس نظامِ توازن میں بگاڑ پیدا نہ کرو۔ اور یہ کہ اپنے معاملات میں عدل پر قائم رہو، اور کسی بھی حال میں خلافِ عدل نہ کرو۔ (یہ ہے نزولِ قرآن کا نصب العین)۔

55:5 [At His behest] the sun and the moon run their appointed courses
55:6 [before Him] prostrate themselves the stars and the trees
55:7 And the skies has He raised high, and has devised [for all things] a measure
55:8 so that you [too, O men,] might never transgress the measure [of what is right]
55:9 weigh, therefore, [your deeds] with equity, and cut not the measure short.

آسمان کے سورج اور چاند ہوں یا زمین کے نباتات و اشجار، سب اللہ کے مقررکردہ قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ قوانینِ فطرت (لاز آف نیچر) اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ ہیں۔ کائنات کی ہر چیز ان کے تابع ہے۔

النجم: بے تنے کی جڑی بوٹیاں، بیلیں وغیرہ جو زمین پر پھیلتی ہیں۔ ستارہ۔ اس کے علاوہ یہ اور بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ الشجر: تنے دار درخت۔

کائنات کی ہر شے اللہ کے پیدا کردہ قوانینِ فطرت کی پابند ہے

سورج اور چاند مقررہ حساب کے مطابق حرکت کر رہے ہیں، ان کی مختلف قسم کی حرکات، حرکتوں کی رفتاریں اور ان کا عرصہ حیات مقرر ہے۔ انسان اور دوسرے زمینی جانداروں کے لیے سورج بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ توانائی، روشنی اور حرارت کا منبع ہے، زمین کے کم و بیش سبھی مظاہر براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس پر منحصر ہوتے ہیں جیسے زندگی کی بقا اور نشو و نما، ہواؤں کا چلنا، پانی کی تبخیر اور بادلوں کا بننا، وغیرہ۔ اسی طرح چاند کی بھی کلیدی اہمیت ہے، یہ راتوں کو روشن کرتا ہے، اس کی وجہ سے سمندروں میں مد و جزر پیدا ہوتے ہیں، وغیرہ۔

یہ دونوں ایک نظام کے پابند ہیں۔ چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے اور زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے اور سورج اپنے شمسی نظام یعنی سولر سسٹم کے ساتھ اپنی کہکشاں میں حرکت کر رہا ہے۔

زمینی مشاہدے کے اعتبار سے ہم سورج اور چاند کی مختلف حرکتیں اور ان کا طلوع اور غروب دیکھتے ہیں۔ ان کی اپنے اپنے مداروں پر حرکت ایک طے شدہ حساب اور نظام کے مطابق ہے۔ اس کی انسانی تمدن پر گہری چھاپ ہے۔ اس کے مطابق ہم دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب کرتے ہیں، وقت کا تعین کرتے ہیں، ماضی کی تاریخ رقم کرتے ہیں اور آئندہ کے لیے نظام الاوقات بناتے اور مستقبل کی پیش گوئیاں اور فورکاسٹس کرتے ہیں۔

یَسجُدان (لغوی معنی وہ سجدہ کر رہے ہیں، وہ سجدہ ریز ہیں، وہ جھک رہے ہیں، وغیرہ) کا یہاں مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے تکوینی حکم کے سامنے ''سر جھکائے'' ہوئے ہیں، اُس کے قانون اور نظام کے مطابق اپنا فعل سرانجام دے رہے ہیں۔ کائنات کی چیزیں، چاہے کوئی آسمانی وجود ہو یا زمینی سب اللہ تعالیٰ کے قانون کے پابند ہیں۔

نجم بے تنے کی جڑی بوٹی کو بھی کہتے ہیں اور اس کا ایک معنی ستارہ بھی ہے۔

ستارے کا بننا، اس کا حرکت کرنا، اس کے اندر ہونے والے مرکزائی تعاملات اور ان سے عناصر کا وجود میں آنا، ان کا عرصہ حیات، ان کا انجام، سب اللہ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح پودوں میں تولد کا عمل، ان کی نشو و نما، ان میں ہونے والے اعمال جیسے ضیائی تالیف یا فوٹوسینتھیسس، ان کی بقاء وغیرہ، الٰہی قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

آسمان کی بلندی کا مفہوم

آسمان کی بلندی'' کا مطلب ہے ''کائنات کی وسعت''۔ بلندی یا پستی دیکھنے والے کے زاویہ ءِ نگاہ سے ہوتی ہے۔ جو چیز نیچے سے دیکھنے پر بلندی نظر آتی ہے وہ اوپر سے دیکھنے پر پستی دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا، مطلق معنوں میں بلند ہونے کا مطلب ہے وسیع ہونا۔ کائناتی خلا میں بے شمار کہکشائیں ہیں جبکہ ہر کہکشاں میں اربوں ستارے، سیارے اور دوسرے اجرامِ سماوی ہیں۔ ان ستاروں اور کہکشاؤں کے درمیان فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ فاصلے کی عام اکائیاں یا یونٹس ان کے لئے بہت

چھوٹی پڑ جاتی ہیں، لہٰذا، ان کے لئے نوری سال یا لائیٹ ایئر کا پیمانہ بنایا گیا ہے، حقیقت میں یہ اکائی بھی بہت چھوٹی پڑ جاتی ہے۔

ہمہ گیر نظامِ توازن
کائنات میں ایک ہمہ گیر نظامِ توازن قائم ہے۔ تمام اجرامِ سماوی، کہکشائیں، ستارے، سیارے وغیرہ ایک توازن کے ساتھ کائناتی خلا یا کوسمک اسپیس میں اپنے مداروں پر رواں دواں ہیں۔ کوئی تبدیلی، کوئی حرکت اور کوئی مظہر ایسا نہیں جو کہ سمجھ میں آنے والے قانونِ قدرت کے مطابق نہ ہو۔ ایک نظم ہے جس نے تمام کائنات کو اپنے احاطے میں لے لیا ہے۔

یہاں میزان سے مراد لکڑی یا دھات کا ترازو نہیں جس سے انسان چیزوں کو تولتا ہے بلکہ مراد میزانِ توازن ہے۔ توازن کا وہ قانون ہے جو پوری کائنات میں جاری ہے۔
اس کا معنی یہ بھی ہے کہ کائنات میں موجود ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے جو اس کے لیے مناسب تھا۔ تمام اشیاء کو ان کی بقا اور نشو و نما کے وہ تمام وسائل فراہم کیے گئے ہیں جن کی انہیں ضرورت تھی۔ کائنات اور کائنات کی ہر شے میزان یعنی نظامِ توازن کی پابند ہے۔
انسانی زندگی میں میزان
انسان ایسی کائنات میں رہتا ہے جو عدل و توازن پر قائم ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنی شعوری زندگی بھی عدل و توازن کے ساتھ بسر کرے۔ اس طرح سے انسان کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گا۔ بصورتِ دیگر انسان کی سرگرمیاں کائنات کے نظامِ توازن میں بگاڑ پیدا کر سکتی ہیں جس کے نہایت خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ باہمی لین دین اور حقوق و فرائض کی دنیا میں بھی میزانِ عدل کو تھامے رکھے۔

آیات: 12-10

وَ الۡاَرۡضَ وَضَعَہَا لِلۡاَنَامِ ﴿۱۰﴾
فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ ۪ۙ وَّ النَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ﴿۱۱﴾
وَ الۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَ الرَّیۡحَانُ ﴿۱۲﴾

اور یہ کہ زمین کو اسی نے مخلوق کے لئے (مناسبِ حال) بنایا ہے۔ اس میں (طرح طرح کے) پھل ہیں، اور غلاف دار کھجوریں۔ اوربُھس داراناج ہے (چھلکوں اور پتوں میں محفوظ)، اور خوشبودار پودے۔ (یہ سب تمھارے رب کی قدرت اور رحمت کے مظاہر ہیں)۔ پس، تم (اے مرد و زن) اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔

55:10 And the earth has He spread out for all living beings.
55:11 with fruit thereon, and palm trees with sheathed clusters [of dates].
55:12 and grain growing tall on its stalks, and sweet-smelling plants.
55:13 Which, then, of your Sustainer’s powers can you disavow.

زمین اپنے اوپر رہنے بسنے والی مخلوق کے مقصدِ وجود کے ساتھ مطابقت میں ہے۔ ’’پس، تم (اے مرد و زن) اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے‘‘ میں تثنیہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں(ربِکما، تُکذبان)۔ یعنی اس کے دو مخاطب ہیں۔ ممکنہ طور پر یہ دو مخاطب مرد و زن ہیں۔ روایتی طور پرجن و انس مراد لئے جاتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگرچہ صیغے تثنیہ کے استعمال ہوئے ہیں، مگر خطاب صرف انسان سے ہو، عرب اپنی زبان میں ایسا استعمال کر لیتے ہیں (تفسیرِ مظہری)۔
یعنی اے انسانو! آئو تکذیب کا راستا چھوڑ کر تصدیق کا راستا اختیار کرو۔

وَضَع کا معنی
وضع کا معنی ہے وجود میں لانا اور پیدا کرنا (مفردات)

اَنام کا معنی
بعض مفسرین کے نزدیک انام سے مراد انسان ہیں، بعض اسے جاندار کے معنی میں لیتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی قول منقول ہے۔
اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں جاندار یعنی تمام زندہ اشیاء آرام سے رہ سکتی ہیں اور اپنے مقصدِ حیات کے حصول کی جدوجہد کر سکتے ہیں۔

زمین میں طرح طرح کی نعمتیں
زمین میں طرح طرح کے بکثرت پھل اور میوے ہیں۔ کھجوریں ہیں، اناج ہے، جانوروں کا چارا ہے، اور خوشبودار پھول ہیں۔

اَکمام کا معنی
کِم کی جمع، اس سے مراد وہ غلاف ہے جو قدرتی طور پر پھلوں پر چڑھا ہوتا ہے تاکہ ان کے اندر کی غذائیت، رس اور مٹھاس وغیرہ ضائع نہ ہو، موسمی تغیرات اور کیڑے مکوڑے ان کو خراب نہ کریں، یہ گویا قدرتی پیکنگ ہے جو پھلوں کو ہر طرح کے بیرونی مضر اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔

الحب کا معنی
الحب عربی میں دانہ کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد اناج کا دانہ ہے۔

العصف کا معنی
العصف سے مراد ہے گندم اور جو وغیرہ کے پودے کے پتے جو جانوروں کی خوراک کے لئے بھوسے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

الریحان کا معنی
طرح طرح کے خوشبودار پھول، خوشبودار گھاس اور جڑی بوٹیاں۔

یہ سب زمین میں اللہ کی گوناگوں نعمتیں ہیں جو اس نے اپنی مخلوق کے لئے پیدا کی ہیں۔

آیات: 14، 15

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ﴿ۚ۱۵﴾

اُس نے انسان کو ایسے کیچڑ سے پیدا کیا جو خشک ہو کر کھنکنے لگتا ہے، جیسے مٹی کے برتن۔
اور جان (غیر مرئی قوت یا وجود) کو بے دھوئیں کی آگ کے خالص شعلے سے پیدا کیا۔

55:14 He has created man out of sounding clay, like pottery.
55:15 whereas the invisible beings He has created out of a confusing flame of fire.
55:16 Which, then, of your Sustainer's powers can you disavow.

انسان کی تخلیق یعنی انسان کی جسمانی تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے مجازی معنے ہوں۔ انسان جبلی طور پر، اپنے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے، ایک طرح کی سوکھی مٹی (صلصال) کی طرح ہے جو مٹی کے برتن (فخار) کی طرح کھنکنے کی صلاحیت رکھتی ہے، یعنی بولنے اور اپنا ما فی الضمیر بیان کرنے کی۔ گویا، اس آیت میں انسان کی اظہاروبیان کی صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔صلصال:

صلصال کے لغت اور تفسیر میں کئی معنی ملتے ہیں۔ وہ کیچڑ، جیسا کہ دریائوں وغیرہ کے کنارے ہوتا ہے، جو جب سوکھ جاتا ہے تو اوپر چلنے سے ٹوٹتا اور آواز پیدا کرتا ہے۔ یہ صل الباب کےمحاورے سے ہے یعنی دروازے پر دستک دینا، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صل اللحم (گوشت متغیر ہوگیا، گل سڑگیا) کے محاورے سے ہو۔

ایک معنی الطین المرقّق (نرم، پتلا گارا /کیچڑ) ہے جس سے مٹی کے برتن بنائے جاتے ہیں۔

الفخار:

فخار: (فخارۃ کی جمع؛ فخر کے مادے سے ہے) بہت فخر کرنے والا۔ مٹی کا برتن، گھڑا جو ٹھوکر لگانے سے کھن کھن بجتا ہے، گویا اظہارِ فخر کرتا ہے۔

فخار مٹی کے برتنوں کو بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ٹھوکا لگانے سے اس طرح زور سے بولتے ہیں جیسے کوئی بہت زیادہ فخر کر رہا ہے (مفردات)۔

مارِج: بھڑکتی ہوئی بے دھوئیں کی خالص آگ۔

انسان میں اطاعت اور بغاوت دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ (فالھامھا فجورھا وتقویٰھا)۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ ہدایتِ ربانی کے سامنے اپنی کس صلاحیت کو بروئے عمل لاتا ہے۔ تصدیق کی راہ چنتا ہے یا تکذیب کی۔

He created man of clay like the potter's. (Pickthal)

آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ انسان کی جسمانی تخلیق مٹی یا دوسرے لفظوں میں بے جان مادے سے ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ہم نے سورہ المؤمنون (23:12-14) میں اس مسئلے پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ''مٹی جو مٹی کے برتنوں کی طرح کھنکتی ہے'' میں انسان کی بولنے کی صلاحیت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

جان سے کیا مراد ہے؟
قرآن مجید نے یہاں ایک اور مخلوق کا ذکر کیا ہے جس کے لئے اس نے ’’جان‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔
جان سے کیا مراد ہے؟ لُغوی معنی ہے: غیر مرئی،مخفی، خفیہ، نادیدہ، نظر نہ آنے والی مخلوق، موجودات یا قوتیں۔ اس سے جنات مراد ہو سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے آیت کہتی ہے جنوں کو ایک ایسی خالص آگ سے پیدا کیا گیا ہے جس میں دھواں نہ تھا۔ سائنسی سطح پر غالباً اس سے ہم حرارتی توانائی یعنی ہیٹ انرجی یا صرف توانائی یا انرجی مراد لے سکتے ہیں۔
اس کا اطلاق اجنبی اور غیر مانوس لوگوں،اورغیر مہذب لوگوں پر بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہاں یہ انسان ہی کے کسی پہلو کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔ مثلاً، اس کے مزاج کے انحرافی پہلو کی طرف۔ یعنی، نفسِ سرکش جو ہدایتِ ربانی سے بغاوت کرتا ہے، وہ گویا آگ کا بھڑکتا ہوا شعلہ ہے۔ انسان مٹی کا پتلا ہے لیکن اس کا نفسِ سرکش گویا آگ کےشعلے سے بنا ہے۔

آیات: 19-24

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾
بَيْنَہُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾
يَخْرُجُ مِنْہُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾
وَ لَہُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾

اسی نے پانی کے دو بڑے ذخیرے جاری فرمائے ہیں۔ آپس میں ملتے ہیں۔ لیکن، ان کے درمیان ایک آڑ ہے، اس سے تجاوز نہیں کرسکتے۔ پس، تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔
دونوں سے (طرح طرح کے) چھوٹےاور بڑے موتی برآمد ہوتے ہیں۔ پس، تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔
اسی کے اختیار میں ہیں وہ جہاز بھی جو سمندر میں پہاڑوں کی مانند اٹھے ہوتے ہیں۔ پس، تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔

55:19 He has given freedom to the two great bodies of water, so that they might meet.
55:20 [yet] between them is a barrier which they may not transgress.
55:21 Which, then, of your Sustainer’s powers can you disavow.
55:22 Out of these two [bodies of water] come forth pearls, both great and small.
55:23 Which, then, of your Sustainer’s powers can you disavow.

55:24 And His are the lofty ships that sail like [floating] mountains through the seas.

بحر: پانی کا بڑا ذخیرہ، چاہے دریا ہو یا سمندر۔ یہاں ممکنہ طور پر پانی کی دو قسمیں مراد ہیں، آبِ شیریں اور آبِ شور یعنی میٹھا اور نمکین پانی۔ بارش، برف، دریا اور جھیلیں وغیرہ آبِ شیریں کی عام شکلیں ہیں جبکہ سمندر کھارے پانی کا ذخیرہ ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سمندر کے اندر بھی میٹھے پانی کے بے شمار ذخیرے پائے جاتے ہیں۔

یہ نظام (واٹر سائیکل، آبی چکر) ہمیں تازہ اورمیٹھے پانی کی فراہمی کو یقینی بناتا ہے، اور دنیا کے سارے پانی کو کھاری بننے سے روکتا ہے۔

دونوں آبی ذخیروں سے طرح طرح کے چھوٹے بڑے موتی نکلتے ہیں۔ لولو چھوٹے موتی، مرجان بڑے موتی، مرجان کا ایک معنی مونگا (انگریزی کورل) کیا گیا ہے۔ یہ رنگ برنگے سمندری جاندار ہیں جن سے نہایت قیمتی موتی حاصل ہوتے ہیں۔ یہ لولو اور مرجان تمھارے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی کرتے ہیں اور ان میں تمھاری معیشت کا سامان بھی ہے۔

اسی کا مقررکردہ نظام ہے جوپانیوں میں لولو اور مرجان کے بننے کو ممکن بناتا ہے۔

اسی کا قانونِ قدرت ہے جس نے عظیم الجثہ جہازوں کا سمندروں میں چلنا ممکن بنایا ہے

سمندری جہاز، تجارتی سامان کی نقل و حمل کا بہت اہم ذریعہ ہیں۔ عہدِ حاضر میں ان کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

مَرَجَ کا معنی کھلا اور آزاد چھوڑ دینا ہے، اسی لئے عربی میں چراگاہ کو مرجہ (جمع مروج) کہتے ہیں کیونکہ اس میں جانوروں کو چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

زمین پر اللہ تعالیٰ نے دو قسموں کے پانی (میٹھا اور کھاری) جاری کئے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کھلے اور آزاد ہیں، یہ آپس میں ملتے ہیں مگر دونوں کے درمیان ایک قدرتی آڑ ہے، نتیجتاً، ایک دوسرے پر غلبہ نہیں کرتا۔ یہ آڑ اللہ تعالیٰ کے قانون کی آڑ ہے جو آبی چکر یعنی واٹر سائیکل کی شکل میں موجود ہے۔ میٹھا پانی دریاؤں کی شکل میں سمندروں میں جا گرتا ہے جبکہ تبخیر کے ذریعے سمندروں کا پانی آبی بخارات میں اور پھر بادل کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بارش وغیرہ کی شکل میں زمین پر برستا ہے۔ اس طرح یہ دونوں پانی اپنی اپنی جگہ پر آزاد بھی ہیں، آپس میں ملتے بھی ہیں مگر ایک دوسرے پر غالب نہیں آتا، یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ زمین سے ایک کا یا دوسرے کا وجود مٹ جائے۔ بلکہ دونوں ساتھ ساتھ موجود رہتے ہیں، اور آبی چکر میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

برزخ: آڑ، پردہ، دیوار۔ ضروری نہیں کہ مادی آڑ ہو۔ یہاں یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے، اس سے مراد وہ اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ وہ تکوینی قانون ہے جو واٹر سائیکل کے نظام کے ذریعے ان پانیوں کو علاحدہ رکھتا ہے۔

دونوں پانیوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔ لوء لوء: صاف و شفاف قیمتی موتی جو کہ دریا اور سمندر کی گہرائی میں صدف کے اندر پیدا ہوتا ہے، یہ جتنا موٹا ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ یہ زیور کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے بہت سے طبی فوائد بھی ہیں۔ مرجان: گھونگا، یہ ایک حیوان ہے جو سمندروں کی تہہ میں درخت کی طرح اُگتا ہے۔ وہ مرجان جو زیب و زینت کے کام آتا ہے سرخ رنگ کا ہوتا ہے، وہ جتنا زیادہ سرخ ہو اتنا ہی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ مرجان دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ میٹھے اور کھاری دونوں پانیوں میں پائے جاتے ہیں۔

جوار (جاریہ کی جمع): جاری، رواں دواں۔ مراد ہے بڑی کشتیاں، بحری جہاز کیونکہ یہ سمندر میں رواں دواں ہوتے ہیں۔
الْمُنْشَئٰتُ منشاءٔ کی جمع۔ یہ اسم مفعول ہے، اس کے معنی ''ایجاد'' کے ہیں۔ لہٰذا جوارالْمُنْشَئٰتُ کا معنی ہو گا ''بنے ہوئے جہاز''۔ اس کا مفہوم ہو گا:
اُسی کے زیر فرمان ہیں یہ جہاز جنہیں انسان نے بنایا ہے، جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں چلتے ہیں۔

الْمُنْشَئٰتُ ان کشتیوں کو بھی کہتے ہیں جن کے بادبان بلند کر دیئے جاتے ہیں۔
اعلام کا مفہوم: اعلام عَلم کی جمع۔ مراد ہے پہاڑ، یعنی سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بڑے بڑے جہاز۔ عَلم کے اصل معنی علامت اور نشان کے ہیں چونکہ پہاڑ دور سے نمایاں نظر آتے ہیں اس لئے انہیں اعلام کہا گیا ہے۔ جھنڈے کو بھی عَلم کہتے ہیں کیونکہ وہ بلند اور نمایاں ہوتا ہے۔
انسان کو اللہ تعالیٰ نے تخلیقی صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کو بروئے کار لا کر وہ طرح طرح کی چیزیں بناتا ہے، ان میں سے ایک کشتی اور جہاز ہیں۔ دورِ جدید میں انسان نے حیرت انگیز حد تک بڑے بڑے جہاز بنائے جن پر پورے پورے شہر آباد ہوتے ہیں۔ اس کی تخلیقی سرگرمیاں نت نئی جدتوں کے ساتھ جاری ہیں۔

آیات: 35-33

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾
یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

اے وہ کہ جنھیں ارادہ و اختیار کی قوت دے کر باقی مخلوق سے ممتاز حیثیت دی گئی ہے ! عنقریب تمھیں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے ہمارے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ پس، تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔
اے گروہِ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل جائو۔ تم نہیں نکل سکو گے بجز اس کے کہ جہاں بھی جائو گے اللہ ہی کی سلطنت ہوگی۔ پس، تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔
(اگر تم تکذیب کی روش پر قائم رہے تو) تمھارے اوپر (مکافاتِ عمل کی) آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا، سو تم خود کو بچا نہ سکو گے۔ پس، تم اپنے رب کی کون کون سے قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔

55:33 O you who live in close communion with [evil] invisible beings and humans! If you [think that you] can pass beyond the regions of the heavens and the earth, pass beyond them! [But] you cannot pass beyond them, save by a sanction [from God].
55:34 Which, then, of your Sustainer’s powers can you disavow.

55:35 A flash of fire will be let loose upon you, and smoke, and you will be left without succour.

....

اے وہ کہ جنھیں ارادہ و اختیار کی قوت دے کر باقی مخلوق سے ممتاز حیثیت دی گئی ہے' لفظ ثَقَلَین کا تشریحی ترجمہ ہے۔ ثقلین ثَقَل کا تثنیہ ہے۔ ثقل کا معنی ہے بھاری چیز۔ اس کا استعمال اہم اور قدر و قیمت کی حامل چیز کےلئے بھی ہوتا ہے۔ یہاں ثَقَلَین سے ممکنہ طور پر مرد و زن مراد ہیں۔ جو چیز انسانوں کو باقی مخلوق سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کی ارادہ و اختیار کی قوت ہے۔ فری وِل۔ یہی وہ وصف ہے جو انسان کو مکلف اور مسئول بناتا ہے۔
اگر تم بغاوت کی روش اختیار کرو گے تو اپنے اعمال کی نوعیت کے مطابق ان کے نتائج کا سامنا کرو گے۔ جن و انس سے ممکنہ طور پر قرآن کے طاقتور مخالفین اور عام لوگ مراد ہیں۔

شواظ: آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ نحاس: دھواں، بے لپٹ کا کالا دھواں۔ اس کا ایک معنی پگھلا ہوا تانبا بھی ہے۔

ان آیات میں بالواسطہ طور پر انسان کے لئے زمین اور ''زمین کے آسمان'' کی حدود سے نکل جانے کی پیش گوئی موجود ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ تم زمین اور آسمان کی حدود سے نکل ہی نہیں سکتے بلکہ کہا گیا ہے کہ ''سلطان'' کے بغیر تم ایسا نہیں کر سکتے۔ اب سوال یہ ہے کہ سلطان کا کیا معنی ہے؟
سلطان: وہ جس نے غلبہ اور تسلط حاصل کر لیا، اس بنیاد پر بادشاہ کو سلطان کہتے ہیں۔ یہ لفظ غلبہ، تسلط اور قوت و طاقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ حجت اور دلیل کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ ذہنوں پر اس کا دباؤ ہوتا ہے۔
اس آیت میں سلطان کا معنی ممکنہ طور پر قوت اور طاقت کے ہیں۔ دورِ جدید میں انسان واقعی طور پر زمین کی حدود سے نکلا اور چاند پر اس نے قدم رکھے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس کے بل پر وہ ایسا کر سکا؟ مختصر لفظوں میں اس کا جواب ہے ''علم کی طاقت''۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ علم کی طاقت کے بغیر زمین اور آسمان کی حدود سے نکلنا ممکن نہیں۔ ہاں اگر یہ طاقت حاصل کر لی جائے تو پھر ممکن ہے۔
انسان جب خلا کے سفر پر نکلتا ہے تو اُسے خصوصی اہتمام کرنا پڑتا ہے، مثلاً اسے ایک خاص قسم کا لباس پہننا ہوتا ہے ورنہ وہ زندہ نہ رہ سکے۔ بیرونی خلا میں انسان کا واسطہ اور باتوں کے ساتھ بالا بنفشی شعاعوں یا الٹرا وائلیٹ شعائوں سے پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ خلا میں کا سمک ریزاور شہابی پتھر (شعابیے) موجود ہوتےہیں۔
ممکن ہے کہ ''آگ کے شعلے'' اور ''دھویں'' سے انہی مسائل اور حالات کی طرف اشارہ ہو۔
شواز: بے دھویں کی آگ کے شعلے، وہ شعلے جو آگ سے علیحدہ ہو جائیں، چنگاریاں۔ نخاس: دھواں۔
الَا بِسُلْطَان کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ تم زمین و آسمان کی حدود سے نکل کر جہاں بھی جاؤ گے اللہ ہی کی سلطنت و حکومت ہو گی۔

سورہ واقعہ (سورہ نمبر 56)

آیات: 68-74

اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۶۸﴾
ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡہُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾
لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰہُ اُجَاجًا فَلَوۡ لَا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾

پس، کیا تم نے اس پانی کے بارے میں غور کیا جو تم پیتے ہو؟
کیا تم نے اسے بادلوں سے برسایا ہے یا ہم اس کے برسانے والے ہیں؟
اگر ہماری منشاء ہو تو ہم اسے کھاری بنا دیں ، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔

‘‘‘‘‘‘‘‘‘‘‘

56:68 Have you ever considered the water which you drink.
56:69 Is it you who cause it to come down from the clouds - or are We the cause of its coming down.
56:70 [It comes down sweet - but] were it Our will, We could make it burningly salty and bitter: why, then, do you not give thanks [unto Us].

‘‘‘‘‘

اَفَرَءَیۡتُمُ النَّارَ الَّتِیۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿۷۱﴾
ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَہَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِـُٔوۡنَ ﴿۷۲﴾
نَحۡنُ جَعَلۡنٰہَا تَذۡکِرَۃً وَّ مَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِیۡنَ ﴿ۚ۷۳﴾
فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ ﴿٪۷۴﴾

پس، کیا تم نے اس آگ کے بارے میں کبھی غور کیا ہے جسے تم جلاتے ہو؟
کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں ؟
ہم ہی نے اس کو نصیحت کا سامان اور صحرائی مسافروں کے لیے فائدے کی چیز بنایا ہے۔
پس، آپ (اے رسولِ اکرمﷺ، حسبِ معمول) اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کریں۔

56:71 Have you ever considered the fire which you kindle?
56:72 Is it you who have brought into being the tree that serves as its fuel - or are We the cause of its coming into being?
56:73 It is We who have made it a means to remind [you of Us], and a comfort for all who are lost and hungry in the wilderness [of their lives].
56:74 Extol, then, the limitless glory of the name thy Sustainer, the great.

اپنے رب کے نام کی عظمت کے لئے یعنی اس کے پیغام کو عام کرنے لئے جدوجہد میں ہمہ وقت مصروف رہیں۔ عظیم کا تعلق نام کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور رب کے ساتھ بھی، پہلی صورت میں معنی ہو گا: اپنے رب کے عظیم نام کی تسبیح کریں، جبکہ دوسری صورت میں معنی ہو گا: اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کریں۔

....

Tasbih, in its deeper theological and practical sense, extends beyond verbal glorification to embody active devotion and unwavering commitment to the divine commandments. It entails striving with full dedication toward the fulfillment of Allah's will, both in personal conduct and in societal responsibility. This includes upholding justice, enjoining good, and preventing wrongdoing, as emphasized in various Quranic injunctions. Moreover, the essence of tasbih aligns with the concept of I'la Kalimatullah—the elevation of Allah's word—by exerting relentless effort in spreading divine guidance and embodying His teachings in all aspects of life. True tasbih, therefore, is not merely an act of speech but a holistic way of living, reflecting a believer's devotion through action, persistence, and moral excellence.

اللہ کے لئے سرگرمِ عمل رہنا تسبیح کی روح ہے۔
تسبیح اپنے گہرے اسلامی مفہوم میں محض ایک زبانی فعل نہیں بلکہ یہ اللہ کی راہ میں بھر پور کوشش اور جدوجہد کا نام ہے۔ یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ انسان بلند روحانی اور اخلاقی نصب العین کے لیے سرگرم رہے۔ قرآن کی مختلف آیات میں عدل و انصاف کے قیام، نیکی کے فروغ اور برائی سے روکنے پر زور دیا گیا ہے، جو تسبیح کے عملی مظاہر ہیں۔ مزید برآں، تسبیح میں اعلاءِ کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے پیغام کے فروغ کے لئے انتھک جدوجہد بھی شامل ہے۔ پس، تسبیح محض الفاظ کی تکرار نہیں بلکہ ایک مکمل طرزِ حیات ہے۔

....

آیات: 75، 76

فَلَآ أُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾
وَ اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ﴿۷۶﴾
پس نہیں، مجھے قسم ہے ستاروں کے مواقع کی،
اور بے شک یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو۔
متبادل ترجمہ:
پس نہیں، مجھے قسم ہے قرآن کے تھوڑا تھوڑا ہو کر نازل ہونے کی،
اور بے شک یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تیم جانو،

56:75 Nay, I swear by the places of the stars.
56:76 And lo! that verily is a tremendous oath, if ye but knew.
….
Alternative translation:

56:75 Nay, I call to witness the coming-down in parts [of this Qur'an],
56:76 and, behold, this is indeed a most solemn affirmation, if you but knew it.

نجوم نجم کی جمع ہے، اس کا معروف معنی ہے ستارہ اور مواقع جمع ہے موقع کی، یعنی واقع ہونے کی جگہ۔ اس اعتبار سے اس آیت کی ایک ممکنہ تشریح یہ ہے۔ ستاروں کے واقع ہونے کی جگہ اوراس سے ممکنہ طور پر مراد ہے ستاروں کے مدار یا آربٹس جن پر ستارے یعنی سماوی اجرام گردش کرتے ہیں۔ ستارے کہکشاؤں میں ہوتے ہیں۔ اس بنا پر یہ بھی ممکن ہے کہ مواقع سے مراد کہکشائیں ہوں جن میں ستارے واقع ہوتے ہیں۔
ستاروں کے مواقع کی قسم، اللہ فرماتا ہے کہ، بہت بڑی قسم ہے۔ یہ اندازِ کلام ممکن ہے اس لیے اختیار کیا گیا ہو کہ اربوں کہکشاؤں میں کھربوں ستارے ہیں، ہر ستارہ ایک نہایت عظیم الجثہ وجود ہے۔ اللہ ہی کی قدرت ہے جو ان سب کو اپنے اپنے مداروں پر قائم رکھے ہوئے ہے۔
 آیت کے دوسرے مفاہیم بھی بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے ایک میں نجم سے مراد ہے کسی چیز کا تھوڑا تھوڑا کر کے وقوع پزیر ہونا، کہتے ہیں نجماً نجماً ہونا۔ اس اعتبار سے آیت کا مفہوم ہو گا، قرآنِ مجید کا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونا۔

****

سورہ الحدید (سورہ نمبر 57)

آیات: 1-6

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾
لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲﴾
ہُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاہِرُ وَ الۡبَاطِنُ ۚ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳﴾
ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ
مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴﴾
لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵﴾
یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ؕ وَ ہُوَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۶﴾

اللہ کی تسبیح کی ہے ہر چیز نے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ وہ غالب اور حکیم ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔
وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں تخلیق کیا ہے اور وہ عرشِ قدرت پر تمکن کیے ہوئے ہے، وہ جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اُترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو۔ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ سب کو دیکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام امور کا مرجع اللہ ہی ہے۔

وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور وہ سینوں کے چھپے ہوئے رازوں کا جاننے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾

تسبیح کا مفہوم

تسبیح س ب ح کے مادے سے ہے جس کا بنیادی معنی ہے پانی یا ہوا میں تیز حرکت کرنا (السَّبْحُ : المرّ السّريع في الماء، وفي الهواء؛ المفردات))۔ خلا یا اسپیس میں سماوی اجرام کی حرکت کے لئے بھ استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآنِ مجید میں ہے:وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (الأنبياء 33) اوروہ سب کاسمک اسپیس میں یا اپنے اپنے مداروں میں تیزی کے ساتھ حرکت یا گردش کر رہے ہیں۔ کسی کام کو تیزی کے ساتھ انجام دینے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ المزمل میں رسولِ اکرم ﷺ کے لیا فرمایا گیا ہے : إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحاً طَوِيلًا (المزمل 7) (بیشک دن کے اوقات میں تو آپ کے لئے بہت سی مصروفیات ہیں)۔ گھوڑے کی تیز رفتار کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تسبیح اللہ کی عبادت کی راہ میں تیز حرکت ہے (مفردات)۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے پاک اور منزہ سمجھنا جو اس کی شانِ بے مثال کے مطابق نہ ہوں، یعنی ہر عیب، ہر نقص اور ہر کمزوری سے پاک اور بلند و بالا سمجھنا۔اور اس بات کا إقرار کرنا کہ اللہ ہر عیب، ہر نقص، اور ہر کمی اور کمزوری سے پاک اور ماورا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ کے احکامات کی تعمیل میں محنت اور سرگرمی سے مشغول رہے۔ بعد میں یہ لفظ ہر نیک اور بھلائی کے کام کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ پس، تسبیح صرف زبانی ذکر تک محدود نہیں بلکہ اس کا اطلاق قولی، فعلی اور قلبی، ہر طرح کی تسبیح پر ہوتا ہے۔

جن چیزوں کو عقل و شعور دیا گیا ہے وہ شعوری طور پر اُس کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور جنہیں شعور کی طاقت نہیں دی گئی وہ اپنے ''حال'' اور ''کیفیت'' یعنی فعل و عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہر عیب سے پاک ہونے کا اعلان کر رہی ہیں۔ ہر شے اللہ کے تکوینی حکم کی فرمانبرداری کر رہی ہے۔

تدریجی تخلیق کی حکمت

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ ساری کائنات کو یکدم، کوئی وقت صرف کیے بغیرخلق کر دے، لیکن اس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے تدریجی تخلیق کے طریقے کا انتخاب کیا۔ تدریجی طریقۂ تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت پر زیادہ واضح اور وسیع دلائل لیے ہوئے ہے۔ جب کوئی چیز تدریجاً بنتی ہے تو وہ مشاہدہ کرنے والے کو ہر ہر لمحہ اپنے بنانے والے کی قدرت کے نئے کمال سے متعارف کراتی ہے۔

اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡش کا مفہوم

عرش پر متمکن ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ واقعی کوئی تخت ہے جس پر اللہ تعالیٰ بیٹھا ہوا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت سے پاک و منزہ اور زمان و مکان سے ماورا ہے)، بلکہ ''عرش'' سے مراد ''قدرت اور حکومت''، ''غلبہ'' اور ''تسلط" ہے۔ یہ مجازی کلام ہے۔ عرش یا تخت حکومت و اقتدار کا استعارہ ہے۔

تخت پر جلوہ فرما ہونے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حاکمیتِ مطلقہ پوری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی تدبیر ہر شے میں نفوذ کیے ہوئے ہے۔ گویا یہ قدرت، طاقت اور اختیار کا کنایہ ہے۔ کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی اللہ تعالیٰ سے وابستگی اس طرح ہے کہ اگر وہ ذات ایک لمحے کے لیے بھی ان سے نظرِ لطف و کرم دور کر دے اور اپنے فیض کو منقطع کر

لے تو سب کچھ تباہ ہو جائے اور کوئی چیز باقی نہ رہ سکے۔ اللہ کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا اقتدارِ اعلیٰ بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

زمین میں داخل ہونے والی چیزیں

جو چیزیں زمین میں داخل ہوتی ہیں: مثلاً بارش کے قطرات، درختوں کی جڑیں جو زمین میں داخل ہوتی ہیں، اسی طرح جاندار چیزوں میں جب انحطاط یا ڈیکے کا عمل ہوتا ہے یعنی وہ جسمانی طور پر اپنے اجزا میں منتشر ہوتی ہیں تو ان کے اجزا مٹی میں مل جاتے ہیں، وغیرہ۔

زمین سے خارج ہونے والی چیزیں

جو چیزیں زمین سے باہر آتی ہیں ان میں بھی بہت سی چیزیں شامل ہیں مثلاً زمین سے اُگتی ہوئی نباتات، ابلتے ہوئے چشمے، بے جان مادہ کا نباتات کے ذریعے نامیاتی مادوں میں تبدیل ہونا، اور وہاں سے انسان (اور دوسرے حیوانات) کے جسم کا حصہ بننا، آتش فشاں پہاڑوں کے ذریعے لاوا کا باہر آنا، زمین سے نکلنے والی گیس، پٹرولیم اور دوسری معدنیات۔

آسمان (فضا، خلا اور اوپر) کی طرف صعود کرنےوالی چیزیں

مثلاً تبخیر کے ذریعے سمندروں وغیرہ کے پانی کا بخارات میں تبدیل ہونا اور بادل بنانا، درختوں کا بلند ہونا، مائع اور ٹھوس کا گیس حالت میں آنا، گرم ہو کر ہوا (یا گیس) کا بلند ہونا، پرندوں کا ہوا میں پرواز کرنا، ہوائی جہاز کا فضا میں اُڑنا، خلائی جہازوں اور دوسری مشینوں کا زمین سے نکل کر دور خلاؤں میں جانا، وغیرہ۔

آسمان سے نزول: سورج کی روشنی، آسمانی شہابیے، بارش، برف اور اولے وغیرہ۔
معنوی آسمان یا عالمِ غیب سے رحمتوں، برکتوں کا نزول، وغیرہ۔

وَ ہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ

اللہ کی معیت انسان (اور ہر ہر وجود کو) زندگی کے ہر ہر لمحے حاصل رہتی ہے، ہر چیز اپنی بقا کے لیے ہر لمحے اُس کی محتاج ہے۔ ہمیں ہر لمحے اللہ کی نگہبانی حاصل رہتی ہے۔

وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ (تمام امور کی مراجعت اسی کی طرف ہے، تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں، وغیرہ)

اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ عالم کے تمام امور کا صدور اللہ کی بارگاہ سے ہوتا ہے، تمام امور کا اوریجن اللہ کی بارگاہ ہےکائنات کی علتِ اولیٰ اللہ ہے۔ ہر شے اپنے وجود اور بقا کے لئے اللہ کی محتاج ہے اور اسی پر انحصار رکھتی ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تمام موجودات کی مراجعت (رجوع کرنا، لوٹنا) اُسی کی طرف ہے، تمام موجودات اُسی کی طرف رخ کیے ہوئے چل رہے ہیں اور یہ ایسا ''چلنا'' ہے کہ اس میں کسی مقام پر توقف اور ٹھہراؤ نہیں ہے۔ تمام اُمور کا آخری فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔

رات دن کا ایک دوسرے میں داخل ہونا

رات آہستہ آہستہ دن میں داخل ہوتی ہے اور اسی طرح دن آہستہ آہستہ رات میں داخل ہوتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے اگر رات اور دن یک لخت تبدیل ہوتے تو انسان اور دوسری مخلوقات کو بڑی پریشانی ہوتی۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ سال میں دن اور رات کا دورانیہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، کبھی دن بڑے

اور راتیں چھوٹی اور کبھی راتیں بڑی اور دن چھوٹے۔ یہ زمین کے اپنے مدار پر 23 درجے کے جھکاؤ کی وجہ سے ہے۔
کائنات اور اس کے مظاہر میں اللہ کی ہستی، قدرت اور رحمت و ربوبیت کی عظیم نشانیاں ہیں۔

آیت: 25

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (نظامِ عدل) نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔
اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے اس میں دوسرے فائدے بھی ہیں۔
اور اس سے اللہ نے یہ بھی چاہا کہ وہ ان لوگوں کو ممتاز کرے جو اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بن دیکھے کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ بڑا ہی قوی اور غالب ہے۔

57:25 Indeed, [even aforetime] did We send forth Our apostles with all evidence of [this] truth; and through them We bestowed revelation from on high, and [thus gave you] a balance [wherewith to weigh right and wrong], so that men might behave with equity; and We bestowed [upon you] from on high [the ability to make use of] iron, in which there is awesome power as well as [a source of] benefits for man: and [all this was given to you] so that God might mark out those who would stand up for him and His Apostle, even though He [Himself] is beyond the reach of human perception. Verily, God is powerful, almighty.

لوہا ایک طاقتور دھات ہے۔ انسان اس سے طرح طرح کی چیزیں بناتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انسانی معاشرت اور تہذیب و تمدن میں لوہا بہت اہم کردار کا حامل ہے۔ دورِ جدید میں لوہے کی صنعت اور دھات کاری یا میٹالرجی نے بہت
نے بہت ترقی کر لی ہے، اور لوہے کی کئی قسم کی ملاوٹیں یا ایلوئز بنائے جاتے ہیں۔ ان میں بے داغ فولاد یا اسٹیل کی اہمیت بہت زیادہ ہے جس سے گھریلو برتنوں کے علاوہ طبی اوزار اور دوسرے طرح طرح کی مشینیں اور آلات بنائے جاتے ہیں۔ آیتِ کریمہ میں قرآن اپنے قاری کو لوہے کی اہمیت کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ لوہے کا مثبت استعمال دنیا میں عدل پر مبنی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے یقینی طور پر علم اور ٹیکنالوجی اور تحقیقی و تخلیقی سرگرمیوں کی ضرورت ہو گی۔

-----.................

سورہ الحشر (سورہ نمبر 59)

آیات: 22-24
ہُوَ اللہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ ۚ ہُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿۲۲﴾
ہُوَ اللہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُہَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۲۳﴾
ہُوَ اللہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۴٪﴾

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اِلہ نہیں، غیب و شہادت کا جاننے والا۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اِلہ نہیں۔ بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امن بخشنے والا، نگہبان، غالب زور آور، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، صاحبِ کبریائی۔ اللہ پاک بلند و بالا ہے اُن چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ ہے ہر چیز کا نقشہ بنانے والا، ہر چیز کو وجود میں لانے والا، ہر چیز کی صورت گری کرنے والا، اس کے لئے ہیں سارے اچھے نام۔ اس کی تسبیح کرتی ہیں سب چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ صاحبِ قوت اور صاحبِ حکمت ہے۔

ان آیات میں اللہ کے پیارے نام ذکر کئے گئے ہیں جن کے ذریعے قرآن مجید انسانوں سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کراتا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکیں۔

----.........

سورہ الطلاق (سورہ نمبر 65)

...
آیت: 12

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾

..
اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے ہیں اور زمین کی قسم سے بھی اُن کے مانند۔ ان کے درمیان اس کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات تمہیں اس لئے بتائی جا رہی ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

تشریحی ترجمہ
اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان کی طرح اس نے زمین کی قسم کے اجسام بھی پیدا فرمائے۔ ان کے درمیان اس کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات تمہیں اس لئے بتائی جا رہی ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

....
65:12 God is He who has created seven heavens, and, like them, [bodies of the type] of the earth. Through all of them flows down from on high, unceasingly, His [creative] will, so that you might come to know that God has the power to will anything, and that God encompasses all things with His knowledge.

...
زمین کی طرح کے وجود
یہ بات اہم ہے کہ قرآنِ مجید میں 'ارض' (زمین) کا لفظ ہمیشہ واحد آیا ہے، کہیں بھی جمع کا لفظ ارضون یا ارضین وغیرہ نہیں آیا۔
اب سوال یہ ہے کہ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ یعنی زمین کی قسم سے بھی اُن کے مانند کا مفہوم کیا ہے۔ ایت کے الفاظ اور سائنسی حقائق کی بنیاد پر اس کا مفہوم ممکنہ طور پر یہ نظر آتا ہے کہ اللہ جس طرح آسمانوں کا خالق ہے اسی طرح زمین کا خالق بھی ہے۔ یعنی، یہاں تعداد کی مثلت نہیں بیان ہو رہی بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں کا خالق بھی اللہ ہے اور زمین کا بھی وہی ہے۔ یعنی یہاں تخلیق کی مثلت ہے۔
دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ''زمین" یا ارض (ارتھ) نام کا سیارہ تو ایک ہی ہے یعنی یہ ہماری زمین، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زمین جس قسم کا سماوی جسم ہے اُس قسم کے سماوی اجسام لا تعداد ہیں، یہ وہ اجسام ہیں جنہیں ہم سیاروں (پلینیٹس) کا نام دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے زمین بھی تخلیق فرمائی ہے اور اس کی قسم کے دوسرے وجود بھی پیدا فرمائے ہیں۔
یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے سیارے، ذیلی سیارے یا دوسرے سماوی اجسام بھی موجود ہوں، ہماری کہکشاں میں یا کسی دوسری کہکشاں میں، جن پر حالات مکمل طور پر یا تقریباً زمین کی طرح کے ہوں اور وہاں پر بھی جاندار اور ذی شعور مخلوق موجود ہو۔

آسمانوں کے لئے ''سات'' کا عدد واضح طور پر استعمال ہوا ہے۔ ممکنہ طور پر یہاں یہ عددِ تکثیری کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی کثرت کے معنوں میں۔ اس صورت میں معنی ہوگا بہت سے ''آسمان'' یعنی سماوی اجرام (کہکشائیں اور ستارے وغیرہ)۔

بہر حال، یہ آیت جہاں کائنات کی وسعت پر دلالت کر رہی ہے وہاں یہ کائنات میں زمین کی طرح کے اجرام کی موجودگی کا انکشاف بھی کر رہی ہے۔ یعنی بہت سے زمین نما اجسام۔ اس اعتبار سے یہ الفاظ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں یعنی بہت سی زمینیں۔ بہت سے دیگر سماوی اجرام اور بہت سے زمین کی طرح سماوی اجرام۔ اللہ کی وسیع کائنات۔
امر سے کیا مراد ہے
امرِ تکوینی یعنی یہ امر لفظوں میں نہیں فطری عمل یا نیچرل پروسس سے نازل ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا تکوینی قانون یعنی اس کا ودیعت کردہ قانونِ فطرت جوکائنات کے قیام و بقا، حرکت و عمل اور تغیر و تبدل کے پیچھے کارفرما ہے۔
یہ وہ امر ہے کہ جو اگر ایک لمحے کے لئے بھی اس کائنات سے جدا ہو جائے تو سارا نظامِ ہستی تباہ و برباد ہو جائے اور کائنات قائم نہ رہ سکے۔ کائنات کا مطالعہ و مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کی معرفت حاصل کر سکے۔
....

....

سورہ الملک (سورہ نمبر 67)

آیات: 4-1
تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾
الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾
الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾
ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾

بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے دستِ قدرت میں (جہان کی) فرمانروائی ہے۔ اور وہی ہر شے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔
جس نے موت و حیات کا سلسلہ جاری فرمایا، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ اور وہی صاحبِ غلبہ اور بہت بخشنے والا۔
جس نے سات آسمان باہم مطابقت میں بنائے، تم خدائے رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل نہیں پاؤ گے، پھر نگاہ لوٹاؤ، کیا تمہیں کوئی نقص نظر آتا ہے، پھر بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ ناکام تھک کر واپس آجائے گی، لیکن اسے خدا کی تخلیق میں کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔

67:1 Hallowed be He in whose hand all dominion rests, since He has the power to will anything
67:2 He who has created death as well as life, so that He might put you to a test [and thus show] which of you is best in conduct, and [make you realize that] He alone is almighty, truly forgiving.
67:3 [Hallowed be] He who has created seven heavens in full harmony with one another: no fault will thou see in the creation of the Most Gracious. And turn thy vision [upon it] once more: canst thou see any flaw
67:4 Yea, turn thy vision [upon it] again and yet again: [and every time] thy vision will fall back upon thee, dazzled and truly defeated…-------

سبع سماوات، لغوی معنی سات آسمان، کائنات یا کوسموس کی وسعتوں کے لئے بطورِ استعارہ استعمل کئے گئے ہیں۔ یعنی وسیع کائنات۔ اس کی تشریح کئی بار پہلے گزر چکی ہے۔
''طبقاً'' کا معنی بعض لوگوں نے ''ایک کے اوپر ایک'' سمجھا ہے لیکن اگر سبع سماوات کا وہ مفہوم صحیح ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو اس کا معنی مطابقت اور ہم آہنگی یا ہارمنی ہو گا جو کہ اس لفظ کا بنیادی معنی ہے۔
مطلب یہ ہوگا کہ کائنات میں ایک مطابقت، توازن اور توافق پایا جاتا ہے جو پوری کائنات کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ یہی وہ بات ہے جو آیت کے اگلے ٹکڑے اور اس سے اگلی آیت میں زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی کائنات ہر قسم کی کجی اور نقص سے پاک ہے۔ ''بار بار نگاہ دوڑاؤ'' کا مطلب ہے اپنے تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنا۔ جدید دور میں اسی چیز کو سائنسی طریقہ کار یا سائنٹیفک میتھڈ کہا جاتا ہے۔ انسان اپنی پوری صلاحیت کو استعمال کرتے ہوئے بےلاگ طور پر اور تعصب سے آزاد ہو کر کائنات کا مطالعہ کرے گا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تخلیقی عیب موجود نہیں ہے۔ یہ بات لازمی طور پر اُسے اس نتیجے تک پہنچائے گی کہ اس کا ضرور کوئی خالق، رب اور قیوم ہے۔ یہی وہ نتیجہ ہے جس تک قرآن مجید انسان کو لانا چاہتا ہے۔ یہ کائنات یہ منظم و مربوط کائنات ہے، اس میں نظم و ترتیب اور آرڈر ہے۔ ہر چیز ٹھیک اس طرح ہے جس طرح اسے اس کے کردار اور حیثیت کے اعتبار سے ہونا چاہیے۔ بالکل اپنی جگہ موزوں و مناسب اور فٹ۔
کائنات میں ارب ہا کہکشائیں ہیں، ہر کہکشاں میں ارب ہا ستارے ہیں، ستاروں کے ساتھ سیارے ہیں، سیاروں کے ساتھ ذیلی سیارے ہیں، وغیرہ، اور یہ سب سماوی موجودات نہایت تیزی سے حرکت بھی کر رہے ہیں۔ نہایت حیران کن کائنات ہے، مگر یہ مکمل طور پر ایک ہمہ گیر نظام میں بندھی ہوئی ہے۔ اس میں کسی قسم کی توئی کجی، عیب، نقص اور بے ترتیبی اور بے نظمی نہیں۔ اس میں سسٹم اور ڈیزائین ہے، پس لازم ہے کہ اس کا کوئی ڈیزائینر بھی ہو، اور ناظم و تدبیرکار بھی ہو، وہ کہ ہر شے جس کے قبضہ ءِ قدرت میں ہو اور جو ہر چیز پر غالب بھی اور بہت بخشش فرمانے والا بھی۔

آیت: 5
وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰہَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ﴿۵﴾

اور بے شک ہم ہی نے (زمین کے) قریب کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا ہے، اور انہیں شیطانوں کے لیے مارکا سبب قرار دیا، اور ان کے لیے ہم نے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
...........یا...........
اور بے شک ہم ہی نے (زمین کے قریب) کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا ہے، اور انہیں شیاطین الانس لیے ظنون و گمان کا ایک سبب بنا دیا، اور ان کے لیے ہم نے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

67:5 And, indeed, We have adorned the skies nearest to the earth with lights, and have made them the object of futile guesses for the evil ones [from among men]: and for them have We readied suffering through a blazing flame –
67:6 for, suffering in hell awaits all who are [thus] bent on blaspheming against their Sustainer: and how vile a journey's end.

....
السماء الدنیا کا مفہوم
''دنیا'' ''اَدْنٰی'' کی مؤنث ہے۔ اس کا معنی ہے قریب تر۔ آسمانِ دنیا یعنی وہ آسمان جو زمین کے قریب تر ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد وہ کہکشاں ہو جس میں ہماری زمین موجود ہے یعنی ملکی وے گلیکسی۔ اس سے نظامِ شمسی اور وہ خلا جس میں وہ موجود ہے بھی مراد ہو سکتا ہے۔

مصابیح کا مفہوم
"مصابیح'': ''مصباح'' کی جمع ہے، معنی ہے چراغ۔ اس سے چمکتے ہوئے اجسامِ سماوی مراد ہیں۔ اس میں ممکنہ طور پر چاند، سورج، ستارے اور سیارے، وغیرہ، شامل ہیں۔ یہ بھی ممکن اور قرینِ قیاس ہے کہ یہاں یہ سولر سسٹم کے سماوی اجرام یعنی سورج، چاند اور خالی آنکھ سے نظر آنے والے سیارے مراد ہوں۔ اس توجیہہ کی اس بات سے تائید ہوتی ہے کہ یہاں ایسٹرولوجی کی بنیاد پر غیب دانی کو رد کیا جا رہا ہے اور ایسٹرولوجی کی بنیادی دارومدار انہیں پر ہے۔
اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کے قریب کے آسمان کو یعنی زمین کے قریب کے کائناتی خلا کو ستاروں سے آراستہ کیا۔ یعنی یہ ہم ہی ہیں جنہوں نے آسمانِ دنیا کو ان چراغوں سے مزین کیا ہے۔

ستاروں سے آسمان کو مزین کرنے کے الفاظ میں ضمنی طور پر انسان کی توجہ کائنات کی خوبصورتیوں کی طرف مبذول کرانا بھی مقصود ہے۔ اب چاہیے کہ انسان ان کے مشاہدے اور مطالعے سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور قدرت کی معرفت حاصل کرے۔ لیکن وحی ءِ الٰہی کے مقابلے میں غیب دانی کا دعویٰ کرنے والے اور شیطان کی پیروی کرنے والے کاہن و نجومی ان سماوی اجرام کے محلِ وقوع اور حرکت کی بنیاد پر کہانت اور غیب دانی کا کا ڈھونگ رچاتے اور سادہ لوح لوگوں کوگمراہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ لوگوں کو وحی کے معاملے میں غلط فہمی اور الجھن میں مبتلا کرتے، مغالطے میں ڈالتے اور بدظن کرتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل کے باعث یہ ستارے ان شیطانوں کے لیے اللہ کی ماراور اس کی رحمت سے دوری کا سبب بن جاتے ہیں۔

شیطان سے مراد شیطان الانس ہیں، انسانی شیطان یعنی شیطان صفت انسان۔ جھوٹی غیب دانی اور کہانت کا دعویٰ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے والے، اور انہیں اللہ کے کلام سے دور کرنے والے۔

"رُجوم'' جمع ہے، اس کا واحد ''رَجْم'' ہے جو کہ مصدر (مارنا) ہے لیکن اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے۔ اسی استعمال کے باعث اس کی جمع رجوم بنی ورنہ مصدر کی جمع نہیں ہوتی۔ ''رجوم'' کے ایک معنی اور بھی ہیں اور وہ ہیں اٹکل کے تیر چلانا، ظنون اور گمان سے کوئی بات کہنا، جسے عربی میں ''رَجْماً بالغیب'' کہتے ہیں یعنی کسی واقعی علم و یقین کے بغیر محض اٹکل سے کوئی بات کہنا۔ اس بنیاد پر آیت کا مفہوم ہو گا کہ شیطان صفت نجومی اور کاہن ستاروں کی بنیاد پر اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

ان آیات میں قرانِ مجید کے مخصوص ادبی أسلوب میں ستاروں کے سائنسی علم یعنی ایسٹرونومی کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، جبکہ ستاروں کی بنیاد پر جھوٹی غیب دانی کے دعوے یعنی ایسٹرولوجی کی مذمت کی گئی ہے۔

آیت: 15

ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِہَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِہٖ ؕ وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ ﴿۱۵﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم بنایا ہے، پس اس کے راستوں پر چلو اور اللہ کے بخشے ہوئے رزق میں سے کھاؤ۔ اور اُسی کی طرف اٹھنا ہے۔

67:15 He it is who has made the earth easy to live upon: go about, then, in all its regions, and partake the sustenance which He provides: but [always bear in mind that] unto Him you shall be resurrected.

ذلول: نرم، فرمانبردار، قابل انتظام
(Manageable)۔
مناکب: ''منکب'' کی جمع ہے جو کندھے کو کہتے ہیں، یہاں پہاڑوں کے وہ کنارے مراد ہیں جہاں قدرتی درے بنے ہوتے ہیں۔
زندگی ایسی ہے جس پر انسان سہولت کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ یہ نہ تو اس طرح کی سخت ہے کہ اس پر زندگی ہی نہ بسر کی جا سکے اور نہ اس قدر نرم ہے کہ انسان اس میں دھنستا چلا جائے۔
زمین ایک تیز رو سواری کی طرح ہے جو کئی قسم کی حرکتوں
(Motions)
کی حامل ہے مگر اس کے باوجود ایسی پر سکون ہے کہ گویا مطلقاً ساکن ہو۔
اس کی قوتِ تجاذب
(Gravitational force)
نہ اتنی زیادہ ہے کہ انسان اٹھ تک نہ سکے اور نہ اتنی کم ہے کہ انسان اس پر ٹھہر ہی نہ سکے اور خلا میں جا پڑے۔

………..

آیت: 19

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۱۹﴾

کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا؟ وہ پروں کو پھیلائے اُڑتے ہیں اور انہیں سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ انہیں سوائے رحمان کے کوئی نہیں تھام سکتا، بے شک وہی ہر چیز کی نگرانی رکھنے والا ہے۔

67:19 Have they, then, never beheld the birds above them, spreading their wings and drawing them in? None but the Most Gracious upholds them: for, verily, He keeps all things in His sight.

پرندوں کا ہوا میں اُڑنے کی صلاحیت کا حامل ہونا اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور علم کی عظیم نشانی رکھتا ہے۔

پرندے جب فضا میں اُڑ رہے ہوتے ہیں تو کبھی پروں کو پھیلائے اُڑتے ہیں (صافات) اور کبھی اپنے پروں کو اپنے پہلوؤں کے ساتھ سمیٹ لیتے ہیں (اقبضن)۔

پرندوں کے اُڑنے کے لیے ضروری ہے کہ کرہ ہوائی ہو، اور پرندوں کی ساخت اس طرح کی ہو کہ وہ کرہ ہوائی میں اُڑ سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یہ حالات جمع کیے ہیں۔ اس میں انسان سے سوچنے سمجھنے کا وسیع سامان موجود ہے۔ یہ اپنے اندر انسان کے لیے علمی، تحقیقی، اور تخلیقی سرگرمیوں کی تحریک و ترغیب بھی رکھتی ہے۔

....

یہ آیت انسان کو اللہ کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں موجود نشانیوں کی طرف متوجہ کرتی ہے۔
پرندوں کی پرواز اللہ کی تخلیقی حکمت اور قدرت کا ایک حیرت انگیز مظہر ہے۔

صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ

صٰٓفّٰتٍ کا مطلب ہے پَر پھیلانا، یعنی جب پرندے اپنی پرواز میں پَر کھولتے ہیں تاکہ ہواؤں کے دباؤ کو قابو میں رکھ سکیں۔

یَقۡبِضۡنَ کا مطلب ہے پَر سمیٹنا، جو پرواز کے دوران توازن اور حرکت کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ

یہاں اللہ کی ذات کی جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ پرندے فطری طور پر زمین کی کششِ ثقل اور ہوا کے دباؤ کے خلاف کیسے پرواز کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین یعنی قوانینِ فطرت کے تحت ممکن ہوتا ہے۔ اور درحقیقت اللہ ہی انہیں فضا میں تھامے ہوئے ہے۔

اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ

اللہ کی ہر چیز کو اپنی نگاہءِ رحمت میں رکھے ہوئے ہے۔اسی کے قوانین ہیں جو پرندوں کی پرواز ہی نہیں کائنات کی ہر ہر چیز کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔

سائنسی پہلو

پرندوں کی پرواز کی وضاحت ایروڈائنامکس کے قوانین سے ہوتی ہے۔ ان کے پروں کی ساخت، ہوا کے دباؤ، اور حرکت کا توازن اللہ کی تخلیق کی حیرت انگیز نشانیاں ہیں۔

جدید سائنس نے پرندوں کے پرواز کے اصول کو سمجھ کر ہوائی جہاز جیسی ایجاد کی ہے، لیکن قرآن نے اس قدرتی معجزے کی طرف 1400 سال پہلے اشارہ دیا تھا۔

روحانی سبق

یہ آیت یاد دلاتی ہے کہ اللہ کی تخلیق میں غوروفکر انسان کو اس کی عظمت اور قدرت کا إحساس دلاتی ہے اور ساتھ ہی انسان کو اللہ کے شکر اور اطاعت کی طرف مائل کرتی ہے۔

…
67:19: "Do they not see the birds above them, spreading their wings and folding them? None holds them (in flight) except the Most Merciful. Indeed, He is, of all things, Seeing."

……………………………

آیت: 23
قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾

67:23 Say (O Prophet): "[God is] He who has brought you [all] into being, and has endowed you with hearing, and sight, and hearts: [yet] how seldom are you grateful!"

آیت: 30
قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ ﴿۳۰﴾

ان سے پوچھو کہ بتاؤ اگر تمہارا یہ پانی زمین کی تہہ میں نیچے اُتر جائے تو تمہارے لیے صاف پانی کون لائے گا ۔

67:30 Say [unto those who deny the truth]: "What do you think? If of a sudden all your water were to vanish underground, who [but God] could provide you with water from [new] unsullied springs?"

غَور: پانی کا زمین میں اتنا گہر چلا جانا کہ انسان کی اُس تک رسائی نہ ہو سکے۔ پانی کا زمین میں اس طرح جذب ہو جانا کہ انسان اُسے واپس نہ لا سکے۔
معین: مَعْن کے مادے سے ہے۔ یہ پانی کے جاری ہونے کے
معنی میں ہے۔
زمین کی سطح کی تہہ نفوذ پذیر ہے، پانی اس میں جذب ہو جاتا ہے لیکن
اس سے نیچے کی تہہ غیر نفوذ پذیر ہے جس سے پانی نہیں گزر سکتا۔ ان تہوں کی
موجودگی کا یہ فائدہ ہوتا ہے پانی اوپر کی تہہ سے گزر کر نیچے کی تہہ کے اوپر جمع
ہو جاتا ہے اور انسان کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ کنواں کھود کر اُسے نکال سکے۔
لیکن اگر یہ انتظام نہ ہوتا تو انسان کو بڑی مشکل پیش آتی۔ اگر اوپر کی تہہ بھی غیر
نفوذ پذیر ہوتی تو پانی سطح کے اوپر ہی رکتا۔ ایسی صورت میں بہت جلد گندا اور
متعفن ہو جاتا، اور ساتھ ہی ساتھ تیزی سے بخارات میں تبدیل ہو کر اُڑ جاتا
ہے۔ اور اگر نیچے کی تہہ بھی نفوذ پذیر ہی ہوتی تو پانی زمین کی گہرائیوں میں اُتر

جاتا تو انسان کے لیے اسے حاصل کرنا ممکن نہ رہتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ
کاملہ ہے کہ اس نے یہ انتظام کیا ہے کہ انسان بآسانی پانی حاصل کر سکتا ہے۔

سورہ المعارج (سورہ نمبر 70)

آیات: 1-4
سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾
لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾
مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾
تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۚ﴿۴﴾

یہ اللہ کی طرف سے ہو گا جو عروج کے زینوں کا مالک ہے، اس کی طرف ملائکہ اور روح صعود
کرتے ہیں ایک ایسے عرصۂ وقت میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

70:1 One who is minded to ask might ask about the suffering which [in the hereafter] is bound to befall
70:2 those who deny the truth. [Know, then, that] nothing can ward it off
70:3 [since it will come] from God, unto whom there are many ways of ascent
70:4 all the angels and all the inspiration [ever granted to man] ascend unto Him [daily,] in a day the length whereof is [like] fifty thousand years…
70:5 Therefore, [O believer,] endure all adversity with goodly patience.

معارج’’، ‘‘عروج’’ سے ہے، معارج کا معنی ہے زینے، سیڑھیاں،’’
جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد وہی چیز ہو گی جو اس ذاتِ اقدس کے
شایانِ شان ہے۔ سادہ طور پر اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر کام ایک طریقے سے ہوتا
ہے۔ وہ کسی چیز کو اس کی پست حالت سے درجہ بدرجہ ایک نظام کے مطابق عروج کی طرف لے
کر جاتا ہے۔
یوم کا لفظ یہاں عرصۂ وقت اور دورانیے کے معنوں میں ہے۔ ممکنہ طور پر یہاں پچاس ہزار سال کا
عدد مقصود نہیں بلکہ محض عرصۂ وقت کی طوالت بیان کرنا مقصود ہے۔
حضرت ابن عباس سے یہی قول منقول ہے۔
بعض لوگوں نے ‘‘یوم’’ سے مراد قیامت کا دن لیا ہے۔ لیکن اس کی
تشریح میں ایک سے زیادہ آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ایک ممکنہ تشریح یہ ہے کہ یوم

سے مراد وہ طویل ترین مدتیں ہیں جن میں کائناتی، حیاتیاتی اور انسانی مظاہر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور، یہ مظاہر تدریجی طور پر ہوتے ہیں۔ پستی سے بلندی کی طرف کا یہ سفر اللہ کے ودیعت کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر تمہیں عروج کی طرف جانا ہے تو عروج کے الٰہی ضابطوں کو سمجھنا اور انہیں بروئے کار لانا ہوگا۔

سورہ نوح (سورہ نمبر 71)

آیات: 20-13

مَا لَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿ۚ۱۳﴾
وَ قَدۡ خَلَقَكُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾
اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿ۙ۱۵﴾
وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِيۡهِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾
وَ اللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ﴿ۙ۱۷﴾
ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَ يُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا ﴿۱۸﴾
وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا ﴿ۙ۱۹﴾
لِّتَسۡلُكُوۡا مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٪۲۰﴾

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے وقار کے آرزومند نہیں ہوتے، حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اللہ نے سات
آسمان باہم مطابقت میں پیدا کیے ہیں۔ اور چاند کو ان میں چمکنے والا قرار دیا اور سورج کو درخشاں چراغ بنایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تمہیں زمین سے خاص اہتمام سے اگایا ہے۔ پھر وہ تمہیں اُسی میں لوٹاتا ہے اور وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے تمہارے لیے زمین کو ہموار بنایا ہے تاکہ تم اس کی کھلی راہوں میں چلو۔

71:13 "'What is amiss with you that you cannot look forward to God's majesty
71:14 seeing that He has created [every one of] you in successive stages
71:15 "'Do you not see how God has created seven heavens in full harmony with one another
71:16 and has set up within them the moon as a light [reflected] and set up the sun as a [radiant] lamp

71:17 "'And God has caused you to grow out of the earth in [gradual] growth; and thereafter He will return you to it [in death]
71:18 and [then] He will bring you forth [from It] in resurrection
71:19 "'And God has made the earth a wide expanse for you
71:20 so that you might walk thereon on spacious paths.'"

اس نے تمہیں خلقت کے کئی مراحل سے گزارا ہے۔‘‘ اس سے مراد’’
رحم مادر میں مختلف مراحل سے گزر کر جنین کا بتدریج بچہ کی شکل اختیار کرنا ہے۔
اگر ارتقائی کا تصور صحیح ہے تو اس سے مراد وہ مرحلے بھی ہو سکتے ہیں جو
ابتدائی جاندار خلیے کی بے جان مادے سے تخلیق اور اس سے انسان کے وجود پذیر ہونے
تک اربوں سالوں میں طے ہوئے ہیں۔
ممکن ہے یہ دونوں ہی مفہوم مراد ہوں۔ ایک ہر فرد کے اعتبار سے اور دوسرا نوعِ انسانی کے اعتبار سے۔

طباقاً: چیزوں کا آپس میں ہم آہنگی اور مطابقت میں ہونا۔ آسمان یعنی تمام اجرامِ سماوی ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ اورباہم مطابقت میں ہیں۔
’’سات آسمانوں‘‘ کی تشریح پہلے کئی بار ہو چکی ہے۔ اس سے سماوی اجرام کی وسعت و کثرت اور بوقلمونی ہے۔

کائنات میں اربوں کہکشائوں میں اربوں ستارے ہیں جو چاروں طرف روشنی بکھیرتے ہیں مگر وہ ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہیں۔ چاند راتوں کو زمین کے لیے روشنی کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہاں چاند کے لیے فِيْهِ (ان میں) کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ
بات زمین کی نسبت سے ہو رہی ہے۔ ’’چاند آسمانوں میں زمین کے لیے روشنی کا
ذریعہ ہے‘‘۔ اس کی روشنی اس کی اپنی نہیں، بلکہ سورج کی راشنی جب اس کی سطح پر پڑتی ہے
تو وہ منعکس یا ریفلیکٹ ہوتی ہے۔ سورج کے لیے ’’سراج‘‘ یعنی چراغ کا لفظ استعمال ہوا ہے
کیونکہ سورج کی روشنی اس کی اپنی روشنی ہے جو اس کے اندر ہونے والے مرکزی تعاملات یعنی نیوکلیئر ری ایکشنز کے نتیجے میں خارج ہوتی ہے۔
انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے یعنی بے جان مادے سے۔ ’’انسان کو زمین سے نباتات کی طرح خلق کیا گیا ہے‘‘ کا معنی کیا ہے؟
سادہ طور پر اس کا معنی ہے بے جان مادے سے ایک پیچیدہ اور لمبے کیمیائی اور حیاتیاتی عمل کے ذریعے انسان کی تخلیق۔
بِساطا، ’’بسط‘‘ کے مادے سے کسی چیز کو پھیلانے اور ہموار کرنے کے معنی میں ہے۔ سطحِ زمین انسان کے لیے فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے
ہم جانتے ہیں کہ زمین کے اندر کھولتا ہوا لاوا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے زمین کی سطح کوفرش کی طرح ہموار بنا دیا ہے کہ اس کے اوپر انسان سہولت اور آرام کے ساتھ
زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اسے تمام ضروریاتِ زندگی سے آراستہ کیا گیا ہے۔
فجاج (فج کی جمع): درے، کشادہ راستے۔ اونچے اونچے پہاڑوں کے درمیان میں درے اور کشادہ راستے موجود ہیں جن سے گزر کر انسان ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جا سکتا ہے۔ وسیع معنوں میں اس سے مراد تمام وسائل و ذرائع حیات ہو سکتے ہیں۔

……

سورہ الجن (سورہ 72)

آیات: 8، 9
وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰہَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِیۡدًا وَّ شُہُبًا ۙ﴿۸﴾
وَّ اَنَّا کُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡہَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ یَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ یَجِدۡ لَہٗ شِہَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾

اور (یہ کہ) ہم نے آسمان (یعنی عالمِ غیب، عالمِ بالا) (کے رازوں) کی جستجو کی تو اُسے سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا، اور (اس سے قبل) ہم اس (عالمِ غیب) (کی خبریں سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے، سو، جو کوئی اب سننے کی کوشش کرے گا تو اپنے لئے ایک شعلہ انتظار میں پائے گا۔

72:8 "'And [so it happened] that we reached out towards heaven: but we found it filled with mighty guards and flames,
72:9 notwithstanding that we were established in positions [which we had thought well-suited] to listening to [whatever secrets might be in] it: and anyone who now [or ever] tries to listen will [likewise] find a flame lying in wait for him.

....
جنوں کی ایک جماعت (تشریح آگے آئے گی) نے کسی مقام پر جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کو قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا تو وہ بے حد متاثر ہوئے اور ایمان لے آئے۔ بعد میں وہ اپنے ہم قوموں میں پہنچے تو انھوں نے انھیں قرآنِ مجید کی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ ان کی گفتگو کو قرآنِ مجید نے سورہ الجن کے ابتدائی حصے میں بیان کیا ہے۔ مذکورہ بالا آیات کا تعلق اسی حصے سے ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک اہم نکتہ یہاں بیان کر دینا مناسب ہو گا کہ سورہ ءِ پاک کے ادبی آہنگ، طرزِ بیان، اور اسلوبِ کلام سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ قرآن نے جنوں کی گفتگو کو انہیں کے لفظوں میں جوں کا توں یعنی وربیٹم بیان نہیں کیا بلکہ ان کے خیالات میں سے بعض خیالات کو جنھیں قرآنِ مجید نے اپنے بنیادی پیغام کی تعلیم کے لئے بیان کرنا ضروری سمجھا، اپنے مخصوص اور امتیازی ادبی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید بے مثل بے نظیر ادبی شہپارہ ہے جس کا بات کہنے کا اپنا ایک انداز اور معیار ہے، اور اس کی وہ زبان ہے کہ جس کے سامنے عرب کے بڑے بڑے فصحاء کی گردنیں جھک گئی تھیں۔
جن سے یہاں کیا مراد ہے؟ جن لغوی اعتبار سے الجن کے مادے (ج،ن،ن) سے ہے جس کا معنی کسی چیز کو حواس سے پوشیدہ کرنے کے ہیں (مثال کے طور پر دیکھیں مفرداتِ اصفہانی)۔ اس مادے سے بننے والے الفاظ میں حواس سے پوشیدہ ہونے، یا دکھائی نہ دینے یا غیر مَرَئی ہونے کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے۔ مثلاً، جنِین اس بچے کو کہتے ہیں جو ماں کے رحم میں ہوتا ہے۔ یہاں جن کے مفہوم کے بارے میں دو احتمالات ہیں۔ عام طور پر لوگوں نے یہاں جن سے مراد انسان کے

بالمقابل ایک مستقل مخلوق لی ہے جو حواس سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کسی مخلوق کے وجود سے صرف اس بنیاد پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہمارے حواس سے مستور ہے۔ علمی اعتبار سے یہ امکان موجود ہے کہ واقعی ایسی کوئی مخلوق موجود ہو۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ یہاں جن سے مراد نسلِ انسانی ہی کا کوئی گروہ ہو۔ علامہ اسد نے سورہ جن کی پہلی آیت کے لفظ جن کا معنی دکھائی نہ دینے والے اشخاص کیا ہے:

Unseen beings.

اور تفسیری نوٹ میں لکھا ہے:

"……this expression may possibly signify "hitherto unseen beings", namely, strangers who had never before been seen by the people among and to whom the Qur'an was then being revealed……". (72/1, note 1)

یعنی اس سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اب تک دکھائی نہ دیئے ہوں، یعنی وہ اجنبی لوگ جن کو ان لوگوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا جن کی طرف اس وقت قرآن نازل کیا جا رہا تھا۔

اسی طرح عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں:

"we may take these to be spirits ordinarily unseen, or people who were strangers in Arabia, but had in their own private way learned and believed in the Gospel of Islam." (72/1, n. 5728; 1946 Edition)

In another place he writes:

"The root meaning of junna, yujannu, is "to be covered or hidden," and janna yajunnu, in the active voice, "to cover or hide," as in vi. 76. Some people say that jinn therefore means the hidden qualities or capacities in man; others that it means wild or jungle folk hidden in the hills or forests. I do not wish to be dogmatic, but I think, from a collation and study of the Quranic passages, that the meaning is simply "a spirit," or an invisible or hidden force." (6/100, n. 929; 1946 Edition)

یعنی یہاں جن سے مراد دکھائی نہ دینے والی مخلوق بھی ہو سکتی ہے اور وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو عرب میں اجنبی تھے اور جنھوں نے اپنے طور پر قرآن کو سنا اور قبول کیا، ------ ۔ (عبداللہ یوسف علی کی اوریجنل تفسیر)

عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ قرآنِ مجید میں جہاں کہیں بھی جن کا لفظ آیا ہے وہ ایک ہی معنوں میں ہے یعنی غیر مَرَئی مخلوق۔ لیکن بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ قرآن میں یہ لفظ ایک سے زیادہ مفہوموں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کا مطالعہ مفید ہو گا:

علامہ محمد اسد

The Message of the Qur'an, appendix III.

علامہ محمد مرماڈیوک پکتھال
The Glorious Quran, introduction to surah Jinn.
....
آیات کا مفہوم: اب آیئے آیات کے مفہوم کی طرف۔

لَمَسنا کا معنی:
لمس (اللَّمْسُ، لَمْس) جِلد کے ذریعے کسی چیز کو چُھو کر اس کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ کسی چیز کی طلب و جستجو کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھتے ہوئے کہا کہ اَلمِسُہٗ فلا آجِدُہٗ۔ میں اسے تلاش کرتا ہوں مگر اسے نہیں پاتا (مفردات)۔ اب وہ چیز جس کی غیب کے رازوں کے لئے طلب و جستجو کی جائے گی ظاہر ہے کہ وہ طبیعی یا مادی کائنات نہیں، نہ دور دراز کی کہکشائیں ہیں اور نہ زمین کے اوپر کا کرہ ءِ ہوائی ہے جہاں شہاب یعنی میٹیئرز نظر آتے ہیں اور نہ بادل وغیرہ۔ طبیعی کائنات میں کوئی جہاں بھی جائے گا طبیعی موجودات ہی کا مشاہدہ کرے گا۔ تو اس سے کیا مراد ہے۔ یقیناً اس سے عالمِ غیب (یا عالمِ امر) مراد ہے، لہٰذا، یہاں سماء (آسمان) سے مراد عالمِ غیب ہے نہ کہ بطلیموسی آسمان جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ اب معنی ہوگا کہ ہم نے غیب کے رازوں یا خبروں کی جستجو کی، انھیں حاصل کرنے کی کوشش کی، وغیرہ۔ آگے تمثیل کی زبان میں اس بات کا اظہار ہے کہ ہم نے اپنے لئے یہ ممکن نہ پایا کہ غیب تک رسائی حاصل کر سکیں۔

سننے کے مواقع پر بیٹھنے کا معنی:
اگر یہاں جن سے مراد اجنبی انسان ہوں (جس کی یہاں پوری گنجائش موجود ہے) تو آسمانی خبروں کے سننے کے مواقع سے ممکنہ طور پر مراد نجومیوں اور کاہنوں کے ٹھکانے ہوں گے۔ مقصد ہو گا کہ قرآن کی روشنی پھیلنے کے بعد جو کوئی بھی غیب دانی کا جھوٹا دعویٰ کرے گا، اللہ کا کلام اس کی نفی کرے گا۔ گویا، تمثیل کے پیرائے میں جھوٹی غیب دانی اور کہانت کا رد کیا گیا ہے اور اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ کی وحی کے مقابلے میں یہ چیزیں مطلقاً ٹھہر نہ سکیں گی۔
لیکن، اگر جن سے مراد معروف غیر مَرَئی مخلوق ہو جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے تو ان کے ہاں بھی کہانت اور اسٹرولوجی کا کائی نظام ہوتا ہو گا جس کے ذریعے وہ مستقبل کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ باقی تفصیلات ان کے لئے بھی وہی ہوں گی جو ہم نے اوپر انسانوں کے حوالے سے بیان کی ہیں۔
اس گفتگو کو ہم عبداللہ یوسف علی کے اس نوٹ پر ختم کرتے ہیں:
-

"What is the force of "now"? It refers to the early Makkan period of Revelation. It means that whatever excuse there may have been before, for people to try to seek out the hidden truths of the Unseen World through spirits, there was none now, as the perspicuous Qur-an had restored the Message of Unity and cleared religion of all the cobwebs, mysteries, and falsehoods with which priestcraft and pious fraud had overlaid it. The result is that such seekers after false hidden knowledge will find themselves confronted now by the flaming fire of the Qur'an, which, like the shafts of

meteoric light (see last note), will lie in wait for and nip such priestcraft and black magic in the bud." (72/9, n.5734, 1946 Edition)

-
یعنی غیب دانی کے جھوٹے دعوے نزولِ قرآن سے پہلے لوگوں کو متاثر کر سکتے تھے لیکن ان کے لئے اب یہ ممکن نہیں، اب اگر کوئی اس طرح کے دعوے کرے گا تو اسے قرانِ مجید کے دلائل و براہین کا سامنا کرنا ہو گا، جو اس طرح کے دعووں کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔ وغیرہ۔

سورہ القیامہ (سورہ نمبر 75)

آیات: 7-10
فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ۙ﴿۷﴾
وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۸﴾
وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۹﴾
یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿ۚ۱۰﴾

پس جب نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی، اور چاند گہنا جائے گا، اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے۔ تو اس وقت انسان کہے گا کہ کہاں بھاگوں؟ اُس وقت انسان پکار اٹھے گا کہ بھاگ جانے کا ٹھکانا کہاں ہے؟۔

75:7 But [on that Day,] when the eyesight is by fear confounded
75:8 and the moon is darkened,
75:9 and the sun and the moon are brought together
75:10 on that Day will man exclaim "Whither to flee?"

سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے‘‘ کا کیا معنی ہے؟’’
ایک یہ کہ سورج اور چاند دونوں بے نور کر دیے جائیں گے اور یوں بے نوری میں دونوں یکساں ہو جائیں گے۔

دوسرا یہ کہ چاند سورج میں جذب ہو جائے گا اور یوں جسمانی طور پر دونوں آپس میں مل جائیں گے۔
سائنسی لحاظ سے اگرچہ یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں، تاہم جدید دور کے ایسٹرونومی اور کاسمولوجی کے انکشافات دوسرے امکان کی تائید کرتے ہیں۔
حسابات بتاتے ہیں کہ آج سے کوئی پانچ ارب سال بعد سورج پھیل کر ایک بہت بڑے وجود کی شکل اختیار کر لے گا، اس حالت کو سرخ دیو یا ریڈ جائینٹ کہا جاتا ہے۔
اس حالت میں سورج اتنا بڑا ہو جائے گا کہ وہ چاند کو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔ آیت کی اور بھی کئی طریقوں سے تشریح کی گئی ہے۔
ان کے مجازی معنی بھی بتائے گئے ہیں۔ جب توحید کا پیغام پھیلے گا تو سورج اور چاند سے وابستہ تہذیبیں پرچمِ اسلام کے نیچے جمع ہو جائیں گی۔ گویا یہ ایک پیشین گوئی ہے جو اشاعتِ اسلام کے ساتھ پوری ہو گئی۔

سورہ الدہر (سورہ نمبر76)

آیات: 1-3
هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾
اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۲﴾
اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾

کیا ایسا نہیں ہے کہ انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا؟ بلا شبہ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، ہم اُسے الٹتے پلٹتے رہے یہاں تک کہ اُسے راستہ دکھا دیا ہے، اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش۔

76:1 Has there not been over Man a long period of Time, when he was nothing - (not even) mentioned.
76:2 Verily We created Man from a drop of mingled sperm, in order to try him: So We gave him (the gifts) of Hearing and Sight.
76:3 We showed him the Way: whether he be grateful or ungrateful (rests on his will).

حین: مطلق وقت کو کہتے ہیں چاہے طویل ہو یا مختصر۔
دہر: وجودِ عالم کی ابتدا سے لے کر انتہا تک کے عرصہ وقت کو دہر کہا جاتا ہے۔ زمانہ۔
آیت کہتی ہے کہ ''انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا۔'' اس سے کیا مراد ہے؟
آیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ یہاں ''انسان'' سے کیا مراد ہے۔ دو احتمالات ہیں۔
ایک یہ کہ انسان سے مراد انسان بطورِ نوع ہے یعنی نوعِ انسانی یا دوسرے لفظوں میں اولین انسان۔
دوسرے یہ کہ انسان سے مراد ہر فردِ بشر ہے۔
پہلی صورت میں ''وقت'' دہر سے مراد ہوگا بے جان مادے سے انسانی تخلیق کے عمل کی ابتدا سے

لے کر اس حالت تک کا وقت جب کہ انسان مکمل انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس میں پھر دو احتمالات ہیں: ایک تدریجی یا ارتقائی تخلیق کا، دوسرا براہِ راست تخلیق کا۔
دوسری صورت میں وقت سے مراد وہ وقت ہے جب جنین رحمِ مادر میں بالکل ابتدائی حالت مثال کے طور پر زائیگوٹ سے نشو و نما پاتا ہوا مکمل بچہ کی شکل میں آتا ہے۔
امشاج مَشِیج کی جمع ہے معنی ہے مخلوط، خلِط، ملط۔
نطفہ: پانی کے وہ چند قطرے یا تھوڑا سا پانی جو خالی کرنے پر ڈول میں باقی رہ جاتا ہے۔
۔ صاف نتھرا ہوا پانی کو بھی نطفہ کہا جاتا ہے
۔ (لسان العرب)
اس کا اطلاق مرد کےمادہ منویہ پر بھی ہوتا ہے اور عورت کے مادہ تولید پر بھی۔ اور دونوں کے ہم آمیز ہونے پر جو مادہ وجود میں آتا ہے اُس پر بھی۔ یہاں ''نطفۃِ امشاج'' سے مراد غالباً وہ نطفہ ہے جو مرد اور عورت کے تولیدی مادوں کے اختلاط اور ملاپ سے بنتا ہے۔ باپ کے مادہ منویہ میں اسپرم ہوتے ہیں جبکہ ماں کے تولیدی مادہ میں بیضہ یا اووَم ہوتا ہے۔
ایک اسپرم اور اووَم کے ملاپ سے ایک واحد خلیہ وجود میں آتا ہے جسے زائیگوٹ کہتے ہیں۔ یہ نشو و نما اور بالیدگی کے مختلف مراحل سے گزر کر بالآخر انسانی بچہ کی شکل اختیار کرتا ہے۔
نَبتَلِیہ سے کیا مراد ہے۔
اس کا معنی دو طرح سے کیا جاتا ہے
ایک یہ کہ ''تاکہ ہم اسے آزمائیں''۔ اس صورت میں مفہوم ہوگا کہ ''ہماری منشا یہ تھی کہ ہم اسے آزمائیں گے اس لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے کی صلاحیت عطا کی ہے"۔
دوسرا معنی یہ کیا جاتا ہے ''اُسے الٹتے پلٹتے رہے''۔ اس صورت میں مفہوم ہوگا اُسے مختلف نشو و نمائی مراحل سے گزارتے رہے حتیٰ کہ وہ سننے والا دیکھنے والا بن گیا۔ ہم نے متن میں اسی دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔
نبتلیہ اصل میں ''ابتلا'' کے مادے سے ہے، اس کا ایک معنی آزمائش ہے، لیکن چونکہ آزمائش میں کسی چیز کو الٹ پلٹ کر مختلف پہلوؤں سے دیکھا جاتا ہے، اس لیے الٹنے پلٹنے، ''جانچ پرکھ کرنے'' اور مختلف تبدیلیوں اور مراحل سے گزارنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

اُسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا سے کیا مراد ہے۔ یہاں انسان کے پانچ حواسِ خمسہ میں سے دو کا ذکر ہوا ہے یعنی سننے کی حس اور دیکھنے کی حس۔ اگر غور کیا جائے تو ہدایت اور رہنمائی کے اعتبار سے سب سے اہم حسیں یہی دو ہیں۔
ایک بات یہاں اور بھی غور طلب ہے وہ یہ کہ یہاں ''سننے والا'' کا لفظ ''دیکھنے والا'' کے لفظ سے پہلے آیا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان پہلے ہی سے کھلے ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی پردہ نہیں ہوتا، جب کہ آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ لہٰذا سننے کا عمل یقیناً دیکھنے سے پہلے شروع ہوتا ہے۔ بلکہ سننے کا عمل رحمِ مادر ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

آیت: 28

نَحۡنُ خَلَقۡنٰہُمۡ وَ شَدَدۡنَاۤ اَسۡرَہُمۡ ۚ وَ اِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَہُمۡ تَبۡدِیۡلًا ﴿۲۸﴾

ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں۔ اور جب ہم چاہیں ان کی جگہ ان جیسے دوسرے لوگ لے آئیں۔

76:28 [They will not admit to themselves that] it is We who have created them and strengthened their make - and [that] if it be Our will We can replace them entirely with others of their kind.

آیت میں تین باتیں کہی جا رہی ہیں:
انسان کی تخلیق،
اس کے جوڑ بند مضبوط کرنا، یعنی اسے عمدہ جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں سے نوازنا، اور ایک گروہِ انسانی کی جگہ ایک دوسرا گروہِ انسانی پیدا کرنا، یا آخرت میں انسان کو دوبارہ پیدا کرنا۔

جوڑ بند مضبوط کرنا: یہاں ''اسر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مضبوطی سے باندھنا، انسان کے اعضا مضبوطی سے ایک دوسرے کے ساتھ عضلات کے ذریعے بندھے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان اپنے قدو قامت پر نہ کھڑا ہو سکتا اور نہ کوئی کام کر سکتا۔ وسیع مفہوم میں یہ انسان کی جسمانی اور ذہنی اعلیٰ صلاحیتوں کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اگر ہماری منشا ہوتو ہم انہیں دوسرے انسانوں سے بدل دیں جو ہماری عطا کردہ فکری صلاحیتوں کا بہتر استعمال کریں اور قرآن کے پیغام کو سمجھیں۔ جس خدا نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان جیسے دوسرے لوگ بھی پیدا کر سکتا ہے، یا یہ کہ وہ موت کے بعد انہیں آخرت میں دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔
دنیا میں کوئی فرد یا قوم ناگزیر نہیں۔ ضروری ہے کہ انسان اور معاشرہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر کام میں لائے، ان کا صحیح استعمال کرے، انسان سے اسی چیز کی توقع ہے، لیکن بہت سے انسان ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے اور دنیا اور آخرت میں بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ نظامِ فطرت میں وہ اپنی جگہ کھو دیتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ قدرت کا یہی نظام ہے۔
-----

* * *

سورہ المرسلات (سورہ نمبر 77)

آیات: 8-10
فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۙ﴿۸﴾
وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۙ﴿۹﴾
وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ﴿ۙ۱۰﴾

پس، جب ستارے بے نشان کر دیے جائیں گے،
اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا،
اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیے جائیں گے۔

Thus, when the stars are effaced, (9) and when the sky is rent asunder, (10) and when the mountains are scattered like dust,

ان آیات میں اگر الفاظ اپنے لغوی معنی میں ہوں تو، قربِ قیامت کے موقع پر کائنات میں ہونے والی تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے۔
طمس: طمس کے مادے سے کسی چیز کے آثار کو محو اور زائل کرنے کے معنی میں ہے۔ یہاں معنی ہو گا: ستاروں کی روشنی کا محو ہو جانا ہے، ان کا بے نور ہو جانا، ان کا ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جانا، وغیرہ۔
ممکن ہے یہ دونوں ہی معنی مراد ہوں۔ قربِ قیامت کے موقع پر ستارے اپنی روشنی کھو دیں گے۔ سائنسی مطالعات بتاتے ہیں کہ ستاروں میں نیوکلیائی تعاملات ہو رہے ہیں اور ہائیڈروجن ہیلیئم میں تبدیل ہو رہی ہے، اس سے بڑی مقدار میں توانائی اور روشنی پیدا ہو رہی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب تمام ہائیڈروجن ختم ہو جائے گی اور یوں بالآخر یہ ستارے بے نور ہو جائیں گے۔
بڑے ستاروں کے بارے میں سائنسی تحقیق کہتی ہے کہ وہ زور دار دھماکے سے پھٹ جاتے ہیں، اور ان کے ذرات خلا میں بکھر جائیں گے، ان میں نووا اور سپرنووا شامل ہیں۔

آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا سے ممکن ہے اجرامِ سماوی کا درہم برہم ہونا مراد ہو یا ہو سکتا ہے کہ زمین کے کرہِ ہوائی کا تحلیل ہو جانا اور اس میں سوراخوں یا ہولز کا بن جانا مراد ہے۔

پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے سے ممکن ہے کہ زمین کی سطح پر بڑے پیمانے پر واقع ہونے والی تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہو جیسے زلزلے اور وولکینک ایرپشنز۔
ان آیات کا مجازی مفہوم بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ جس کے مطابق ایک وقت آئے گا جب باطل کا طاقتور نظام شکست و ریخ کا شکار ہو کر محو ہو جائے گا، اس میں شگاف پڑ جائیں گے اور وہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا۔
گویا، ستاروں کی طرح چمکتے، آسمان کی طرح بلند و بالا اور پہاڑوں کی طرح خوب جمے ہوئے اور مضبوط مخالفینِ حق کی طاقت و شوکت سب ختم ہو جائے گی۔ وغیرہ۔
....

آیات: 25-27

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا ﴿۲۵﴾
اَحۡیَآءً وَّ اَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾
وَّ جَعَلۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا، زندوں اور مردوں کو (یقیناً بنایا ہے)،
اور یہ کہ ہم ہی نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے ہیں، اور یہ کہ ہم ہی نے تمہیں میٹھا پانی پلایا ہے۔

----

(25) Have We not caused the earth to hold within itself (26) the living and the dead? (27) and have We not set on it proud, firm mountains, and given you sweet water to drink.

زمین سمیٹ کر رکھنے والی
زمین زندوں اور مردوں دونوں کو سمیٹ کر رکھنے والی ہے۔ اس کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ ہر زندہ اور مردہ مخلوق اس میں سمائی ہوئی ہے۔
کفاتا جمع کرنے، سمیٹنے اور کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملانے کے معنی میں ہے۔
زمین زندوں کو اپنے اوپر جمع رکھتی ہے جبکہ مردوں کو اپنے اندر
جگہ دیتی ہے۔
پرندوں کی تیز پرواز کو بھی کفات کہتے ہیں کیونکہ تیز پرواز کے دوران وہ اپنے پروں کو سمیٹ لیتے ہیں تاکہ زیادہ تیزی کے ساتھ ہوا کو چیر کر آگے بڑھ سکیں۔ اس بنیاد پر یہ بھی ممکن ہے کہ ’’کفاتا‘‘ یہاں زمین کی حرکت کی طرف اشارہ ہو کہ وہ اپنے تمام تر زندوں اور مردوں کو لئے ہوئے تیزی سے خلا میں گردش کر رہی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم کچھ یوں ہو گا:
کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ زندوں اور مردوں کو لئے ہوئے تیزی سے حرکت کر رہی ہے؟

پہاڑوں کی چوٹیاں بلند ہوتی ہیں اور ان کی جڑیں زمین میں اندر تک گئی ہوتی ہیں۔ ان کے بہت سے فائدے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی چوٹیوں پر جمی ہوئی برف (گلیشیئرز وغیرہ) سے دنیا کو تازہ پانی فراہم ہوتا ہے۔ اس کے پگلنے سے سارا سال دریا بہتے ہیں، یہی پانی چشموں وغیرہ کی شکل میں جگہ جگہ سے اُبل پڑتا ہے۔ گویا اونچے پہاڑوں اور میٹھے پانی یا فریش واٹر میں
چولی دامن کا ساتھ ہے۔
پہاڑوں کے چند دوسرے فائدے: ان میں طرح طرح کی معدنیات یعنی منرلز ہوتی ہیں، ان پر طرح طرح کے درخت اور جڑی بوٹیاں اُگتی ہیں جو لکڑی کا سامان، دواؤں اور دوسری چیزیں بنانے کے کام آتی ہیں، یہ موسموں کے تغیرات اور بارش کے برسنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ چاند وغیرہ کی کشش سے سطح زمین میں ممکن طور پر پیدا ہونے والے مد و جزر یا ٹائیڈز کو قابو میں رکھتے ہیں، زمین کے اندر پیدا ہونے والی حملی لہریں یا کونویکشن کرینٹس سے ممکنہ طور پر سطحِ زمین میں پیدا ہونے والی ارتعاشوں کو قابو میں رکھتے ہیں۔ پہاڑ کرۂ ہوائی میں بلندی تک گئے ہوتے ہیں لہٰذا اس کواپنے ساتھ گردش میں رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ، پہاڑ طوفانوں اور آندھیوں کو بھی کنٹرول کرتے ہیں۔

....

سورہ النبا (سورہ نمبر 78)

آیات: 6-16

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا(6)
وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا(7)
وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا(8)
وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا(9)
وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا(10)
وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا(11)
وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا(12)
وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا(13)
وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا(14)
لِّنُخْرِ جَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا(15)
وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا(16)

کیا ہم نے زمین کو ایک گہوارہ نہیں بنایا اور
پہاڑوں کو(زمین میں گڑی ہوئی) میخیں؟
اور یہ کہ ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔
اور تمہاری نیند کو تمہارے لئے آرام کا باعث بنایا۔
اور رات کو پردہ پوش بنایا۔ اور دن کو وقتِ معاش بنایا۔
اور تمہارے اوپر سات محکم آسمان بنائے۔ اور ایک روشن چراغ بنایا۔
اور ہم نے پانی سے بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعے سے ہم اناج اور
دوسری نباتات اگائیں اور گھنے باغات۔

78:6 Have We not made the earth a resting place (for you)?
78:7 And the mountains as (its) pegs.
78:8 And We have created you in pairs.
78:9 And We have made your sleep for rest.
78:10 And We have made the night as a covering.
78:11 And made the day as a means of subsistence.
78:12 And We have built over you the seven firmaments.
78:13 And have placed (therein) a lamp full of blazing splendor.

78:14 And from the wind-driven clouds We send down waters pouring in abundance, (15) so that We might bring forth thereby grain, and herbs, (16) and gardens dense with foliage.

زمین ایک گہوارہ

مِہاد مصدر ہے اور یہاں صاف ستھری ہموار جگہ یا بچھونا اورفرش کے معانی میں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ''مھد'' کے مفہوم میں ہو، یعنی گہوارہ اور پنگھوڑا۔

مطلب یہی ہے کہ زمین انسان کے لئے اُسی طرح ہے جیسے کہ بچے کے لئے گہوارہ۔ دوسرے الفاظ میں مطلب ہو گا کہ زمین کو بچھونا بنایا گیا ہے، اس پر انسان اس طرح چلتا پھرتا ہے جیسے لوگ بچھونے پر چلتے پھرتے ہیں۔ زمین تمہاری قرارگاہ اور چلنے پھرنے اور رہنے بسنے کی جگہ ہے۔ زمین ایسی ہے کہ انسان اس پر آرام کے ساتھ اپنے مقصدِ حیات کی جدوجہد کر سکتا ہے۔ ارضیات کی جدید دریافتوں کے مطابق زمین کا

اندرونی حصہ سخت گرم ہے۔ اس کے اوپر قشرِ عرض یعنی زمین کی اوپر کی سطح ایک بچھونے کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ جس پر انسان آرام سے رہتا ہے اس بات سے بے خبر کہ وہ جس سطح پر کھڑا ہے اس کے نیچے گرم، ابلتا ہوا، لاوا موجود ہے۔

پہاڑ زمین کی میخیں

یہاں پہاڑوں کو زمین کی میخیں قرار دیا گیا ہے۔ اوتاد وہ شے جو گاڑی جائے اور اس سے کسی متزلزل اور متحرک شے کو مضبوط کیا جائے۔ پہاڑ کسی میخ کی طرح زمین کے اندر گہرائی تک گئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ممکنہ طور پر یہ ان دو پہلوؤں سے یہ ٹھونکی ہوئی میخ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ ایک اس بنیاد پر کہ ان کی جڑیں زمین میں گہرائی تک پھیلی ہوتی ہیں اور دوسرا اس بنیاد پر کہ یہ زمین کی سطح کو لرزنے سے روکتے ہیں۔

انسان دو صنفوں پر مشتمل ہے

انسان کو دو صنفوں یعنی مرد اور عورت کی صورت میں پیدا کیا، جس سے نسلِ انسانی کی بقا کی ضمانت بھی ملتی ہے اور یہ ایک دوسرے کے لئے سکون اور راحت کا سبب بھی ہیں۔

نیند آرام کا ذریعہ

سبات، ''سبت'' کے مادے سے ہے۔ اس کے معنی کاٹنے اور منقطع کرنے کے ہیں۔ نیند کو سبات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سکون حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے جس سے انسان تازہ دم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سبات کا لفظ آرام کی خاطر کام کاج چھوڑ دینے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے نیند سے انسان کو ذہنی و جسمانی آرام و سکون حاصل ہوتا ہے، اس کی توانائی بحال ہوتی ہے اور اس کی فعالیت کی تجدید ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کی فعال زندگی میں نیند کے وقفے نہ ہوتے تو زندگی موت سے بدتر ہو جاتی۔

رات لباس کی طرح ہے

رات کو لباس یا پردہ پوش بنایا۔ جس طرح لباس بدن کو چھپاتا ہے، اسی طرح رات کی تاریکی زمین کو ڈھانپتی اور چھپاتی ہے۔ جس طرح لباس جسم کی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح انسان جب رات کو آرام کرتا تو اس کی صحت کی حفاظت ہوتی ہے۔

دن معاش کا ذریعہ
دن کو معاش کے حصول کا وقت بنایا۔ مقصد یہ ہے کہ انسان جدوجہد کرے اور محنت سے سامانِ حیات حاصل کرے۔ دن میں روشنی ہوتی ہے جو حرکت و عمل پر ابھارتی ہے۔ جس طرح اندھیرے کو آرام سے خصوصی نسبت ہے اسی طرح روشنی کا کام سے خصوصی تعلق ہے۔

ساتِ محکم چیزیں
سات محکم اور مضبوط چیزیں کیا ہیں؟
اگر ''سات'' عددِ تکثیری ہو یعنی کثرت کا معنی دے رہا ہوتو آیت کا مفہوم ہو گا: وسیع کائناتی نظام جو بے شمارکہکشاؤں، ستاروں، سیاروں اور دوسرے اجرامِ سماوی پر مشتمل ہے۔
اس سے کرۂ ہوائی کی پرتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ مختلف اقسام کی ضرر رساں شعاعوں، سورج کی مقناطیسی لہروں اور شہابیوں وغیرہ سے زمین پر پھیلے ہوئے انسانوں اور دوسرے جانداروں کی حفاظت کرتی ہیں۔

روشن چراغ
روشن چراغ سے مراد ہے سورج۔ یہاں ''وھاج'' کا لفظ توجہ طلب ہے۔ اس کا معنی ہے وہ جو روشنی اور حرارت دونوں کا زبردست منبع ہو۔ سورج میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ جن کے لئے مجموعی طور پر دورِ جدید میں شمسی توانائی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔
جدید دور میں اس توانائی کو قید کرنے اور اسے مختلف طریقوں سے انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کام میں لانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ بعض ممالک میں پہلے ہی شمسی توانائی کو مختلف کاموں کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ نئی نئی ٹیکنالوجیز دریافت کی جا رہی ہیں۔

بادلوں سے بارش
یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے قانون کے مطابق بادلوں سے بارش برستی ہے۔ معصرات کا معنی ہے برسنے کے لئے آمادہ اور پانی سے بھرے ہوئے بادل۔ ''معصرت''، ''معصر'' کی جمع ہے، یہ عصر کے مادے سے ہے۔ اس کے معنی دبانے اور نچوڑنے کے ہیں۔ بادل چونکہ قدرتی عمل کے تحت خود کو دباتے اور نچوڑتے ہیں جس سے بارش ہوتی ہے۔ اس لئے یہ لفظ پانی سے بھرے ہوئے بارش برسانے والے بادلوں کے لئے استعمال ہوا۔ زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔ پانی جب زمین پر پڑتا ہے تو بیج اُگتے اور پودے نشو و نما پاتے ہیں اور فصلیں، دوسری جڑی بوٹیاں اور پھلوں کے باغات پروان چڑھتے ہیں۔

آیات:27-33

ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰہَا ﴿۲۷﴾
رَفَعَ سَمۡکَہَا فَسَوّٰىہَا ﴿ۙ۲۸﴾
وَ اَغۡطَشَ لَیۡلَہَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰىہَا ﴿۪۲۹﴾
وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰىہَا ﴿ؕ۳۰﴾
اَخۡرَجَ مِنۡہَا مَآءَہَا وَ مَرۡعٰىہَا ﴿۪۳۱﴾
وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰىہَا ﴿ۙ۳۲﴾
مَتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ ﴿ؕ۳۳﴾

کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا پیدا کیا جانا مشکل ہے یا آسمان کا، اُس نے اسے بنایا ہے۔
اس نے اس کی بلندی کو خوب اونچا کیا، پس اسے بہترین ساخت عطا کی۔ اُس کی رات کو تاریک کیا اور اس کی روشنی کو ظاہر کیا۔
اور اس کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ اس سے اُس کا پانی اور سبزہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو اس میں گاڑا۔
یہ سب کچھ کیا تمہاری اور تمہارے مویشیوں کی نفع رسانی کے لئے۔

79:27 What! Are you the more difficult to create or the heaven (above)? (Allah) hath constructed it.
79:28 On high hath He raised its canopy, and He hath given it order and perfection,
79:29 Its night doth He endow with darkness, and its splendour doth He bring out (with light)
79:30 And the earth, moreover, hath He extended (to a wide expanse)
79:31 He draweth out therefrom its moisture and its pasture
79:32 And the mountains hath He firmly fixed;
79:33 For use and convenience to you and your cattle

زمین و آسمان یعنی کائنات میں اللہ کی ہستی اور قدرت اور رحمت کی نشانیاں۔

سماء سے کیا مراد ہے؟
ممکنہ طور پر اس سے مراد کائنات بطورِ مجموعی ہے جس کو یونیورس یا کوسموس بھی کہتے ہیں۔
''سمک'' کے معنی اصل میں بلندی ہیں۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ کسی چیز کی بلندی کا اگر اوپر والی سمت سے نیچے کی طرف اندازہ لگایا جائے تو اسے عمق (گہرائی) کہتے ہیں، جب نیچے سے اوپر کا اندازہ لگایا جائے تو اسے بلندی اور اونچائی کہا جاتا ہے (تفسیر کبیر)۔ چنانچہ،

ممکنہ طور پر آسمان کی بلندی سے مراد کائنات کی وسعت، اور اس میں اجرامِ سماوی کے ایک دوسرے سے بہت طویل فاصلوں کی طرف اشارہ ہے۔

سویٰ کا معنی

یہاں سویٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک ایسا بنانا جیسا کہ اپنے مقصدِ تخلیق کے اعتبار سے اسے ہونا چاہیے۔ اردو میں اس کے مفہوم کو ایک لفظ میں پوری طرح ادا کرنا مشکل ہے۔ قریبی معنی درست کرنا، موزوں و مناسب بنانا یا بہترین ساخت پر بنانا کے الفاظ سے ادا کیے جا سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مظہر ہے۔ یہ ایک نہایت مستحکم نظام پر قائم ہے، اس میں کوئی تخلیقی کمی اور نقص نہیں ہے۔ اسے بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے۔

آسمان میں بے شمار ستارے ہیں۔ خود ہماری کہکشاں یعنی ملکی وے میں میں تقریباً تین سو ارب سے زیادہ ستاروں کا حساب لگایا گیا ہے۔ ہر ستارہ روشنی اور حرارت خارج کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود کائنات میں اندھیرا پھیلاؤ ہے جیسا کہ رات کو ہمیں نظر آتا ہے۔ اس کی ایک سادہ وجہ یہ ہے کہ ستارے ایک دوسرے سے بے انتہا دور ہیں۔

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ ''رات'' اور ''دن'' کے ظہور کی بات یہاں زمین کے حوالے سے کی جا رہی ہے۔ لہٰذا ''اس کی رات'' اور ''اس کی روشنی'' کی ضمیر آسمان کی طرف لوٹتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پر ظہور پذیر ہونے والے دن اور رات کا تعلق ایک آسمانی جرم یعنی سورج سے ہے۔ زمین کے جس حصے کو سورج چمکاتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جہاں اُس کی روشنی نہیں پہنچ رہی ہوتی وہاں رات ہوتی ہے۔

اگر یہ بات درست ہے کہ زمین ابتدا میں ''آگ'' کا ایک گولا تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں اس پر ''رات اور دن کا نظام'' موجود نہیں تھا، پھر جب اس کی سطح ٹھنڈی ہو گئی اور اس کی اپنی روشنی ختم ہو گئی تو اس پر رات اور دن کا نظام قائم ہوا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آیتِ کریمہ میں جو کہا جا رہا ہے کہ اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کی روشنی کو ظاہر کیا، اس کا تعلق اسی زمانے سے ہو۔

اس میں بالواسطہ طور پر زمین کی ''محوری گردش (اسپن) کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کیونکہ رات دن کا نظام جو کہ زمین پر موجود ہے اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

زمین کا تدحیہ

سوال یہ ہے کہ ''دحٰھا'' کا کیا معنی ہے؟ لغت میں اس کے معنی ہیں بچھانا، ہموار بنانا، پھیلانا، گولائی دینا، دور پھینکنا، وغیرہ۔ یہ ایک لفظ اصل میں اس سارے ارضیاتی سلسلے عمل کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کے نتیجے میں زمین نے وہ شکل اختیار کی جس میں آج وہ ہمیں نظر آتی ہے۔

آگے ذکر ہے ''اُس سے اُس کا پانی نکالا''۔ سائنسی دریافتوں کے مطابق زمین کا سارا پانی ابتدا میں زمین کے اندر تھا جو بعد ازاں آتش فشانی عمل کے ذریعے اُبل کر زمین کے اوپر آیا۔ پھر زمین اس قابل ہوئی کہ اس میں زندگی نمو دار ہو سکے جس سے آگے چل کر نباتات پیدا ہوئے۔

اسی دوران اس میں پہاڑ وجود میں آئے، جن کے طرح طرح کے فائدے ہیں۔

Surah 'Abasa

سورہ عبس

آیات: 32-24

فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾
اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ .
ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾
فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾
وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ﴿۲۸﴾
وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ﴿۲۹﴾
وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿۳۰﴾
وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾
مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَ لِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۲﴾

پس، انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا پر غور کرے۔
بیشک ہم نے خوب زور سے پانی برسایا
ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالا
پھر ہم نے اس میں اناج اگایا
اور انگور اور ترکاری
اور زیتون اور کھجور
اور گھنے گھنے باغات
اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہ
خود تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامانِ حیات

.....

سورہ التکویر

سجرت کا ایک معنی پُر ہونا بھی کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ زلزلوں اور دوسری زمینی تبدیلیوں یا آسمانی پتھروں کے گرنے سے سمندر پُر ہو جائیں اور ان کا متلاطم پانی امڈ کر خشکی کی طرف پھیلنے لگ جائے۔
دورِ جدید میں ایک اور چیز بھی سامنے آ رہی ہے، وہ یہ ہے کہ زمین کا درجہ حرارت آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے جس سے گلیشئیر زیادہ تیزی سے پگھل رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں سمندروں کے حجم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ آئندہ سو پچاس سالوں میں دنیا کے بہت سے ساحل پانی میں ڈوب جائیں گے۔

سائنسی سطح پر یہ بھی اندازہ ہے کہ آگے چل کر سورج میں تبدیلیوں کی وجہ سے زمین کا درجہ حرارت بہت بڑھ جائے گا جس کی وجہ سے زمین کا سارا پانی بخارات بن کر اُڑ سکتا ہے۔

سورہ الا انشقاق (84)

آیات: 1-5
اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾
وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾
وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾
وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾
وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾
...
جب آسمان پھٹ جائے گا، اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اور اس کے لئے یہی زیبا ہے۔ اور جب زمین پھیلادی جائے گی اور وہ باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے، اور خالی ہو جائے گی۔ اور وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لئے یہی زیبا ہے۔

..
84:1 When the sky is split asunder,
84:2 obeying its Sustainer, as in truth it must,
84:3 and when the earth is leveled,
84:4 and casts forth whatever is in it, and becomes utterly void,
84:5 obeying its Sustainer, as in truth it must -

ممکنہ طور پران آیات میں ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے جو قربِ قیامت کے موقع پر برپا ہوں گی۔ ان کا ٹھیک ٹھیک نقشہ کھینچنا انسانی علم کی موجودہ سطح پر ممکن نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ انسان مستقبل میں کسی مرحلے پر اس کے قابل ہو جائے۔
"آسمان کے پھٹنے" سے ہو سکتا ہے کہ کائنات کا درہم برہم ہونا مراد ہو۔ اس سے زمین کے کرہ ہوائی کا شق ہونا اور اس میں سوراخ وغیرہ بن جانا بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

زمین اپنے اندر کی چیزیں باہر پھینک دے گی سے کیا مراد ہے؟
ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ زمین سے اس کی معدنیات بڑے پیمانے پر نکال لی جائیں گی۔

آیات 16-19
فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾
وَ الَّیۡلِ وَ مَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾
وَ الۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾
لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾
-
پس نہیں! میں قسم فرماتا ہوں شفق کی،
اور رات کی اور ان چیزوں کی جنہیں وہ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے،
اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جائے،
تم کو ضرور طبق در طبق اوپر چڑھنا ہے۔

But nay! I call to witness the sunset's [fleeting] afterglow, (17) and the night, and what it [step by step] unfolds, (18) and the moon, as it grows to its fullness: (19) [even thus, O men,] are you bound to move; onward from stage to stage.

یہاں چار چیزوں کی قسم فرمائی گئی ہے: شفق، رات، وہ چیزیں جنہیں رات اپنے اندر سمیٹتی اور جمع کرتی ہے، اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جائے۔
شفق غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی طرف نظر آنے والی سرخی کو کہا جاتا ہے۔ یہ دن کے جانے اور رات کے آنے کا اعلان کرتی ہے۔
رات کی قسم ان بہت سے اسرار اور آثار کی وجہ سے ہے جو اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ وسق کا معنی ہے بکھری ہوئی چیزوں کو جمع کرنا۔ جب رات آتی ہے تو انسان، پرندے اور دوسرے جاندار اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ دن لوگوں کو بکھیرتا ہے جب کہ رات جمع کرتی اور واپس گھروں میں لاتی ہے۔
پہلی تاریخ کو چاند ہلال کی شکل میں نظر آتا ہے، پھر آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور چودھویں شب کو اپنی پوری شکل میں نظر آتا ہے۔ ان چار چیزوں کو گواہ کے طور پر پیش کر کے اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسان طبق در طبق اوپر چڑھے گا۔
طبق در طبق اوپر چڑھنے کا مفہوم کیا ہے؟

ممکن ہے کہ یہ انسان کی علمی، ذہنی اور شعوری ترقی کی طرف اشارہ ہو۔ انسان علم و شعور کے میدان میں درجات طے کرتا ہو اور بلندی کی طرف ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا۔
ممکنہ طور پر اس کا ایک مظہر خلائی سفر بھی ہے۔ اور چاند کی قسم کے ساتھ اس کی ایک طرح کی مطابقت بھی ہے۔ خلائی سفر کے پہلے مرحلے میں انسان چاند پر قدم رکھ چکا ہے۔ اور دوسرے سیاروں پر اس کے خلائی مشن اور پروبز تحقیق میں مصروف ہیں۔ زمین پر قائم تحقیقی آلات کی مدد سے بھی انسان دور دراز کی کہکشاؤں اور دوسرے اجرامِ سماوی کے متعلق تحقیقات کر رہا ہے۔

آیت کی تشریح کے کچھ دوسرے امکانات بھی ہیں۔ انسان کی دنیا کی زندگی کے مراحل جیسے جنینی حالت، بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، وغیرہ۔ مختلف کیفیات جن سے انسان دنیا کی زندگی میں گزرتا ہے، مثلاً صحت، بیماری، غم، خوشی، امن اور جنگ وغیرہ۔ بظاہر وہی تشریح زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو ہم نے اوپر کی ہے۔ یعنی علم و شعور کے میدان میں ترقی کے مراحل طے کرنا، تسخیرِ کائنات، وغیرہ۔

سورہ البروج 85

آیت: 1
وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾
....
گواہ ہے آسمان جس میں روشن اجرام ہیں۔
....

“By the sky, containing bright heavenly bodies!” (Surah Al-Buruj, 85:1)

......
بہت سے مفسرین نے بروج سے نجوم اور کوکب مراد لئے ہیں یعنی ستارے جو لغوی معنی کے اعتبار سے ان کے ظاہر و نمایاں ہونے کی بنیاد پر ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہی مفہوم درست ہے۔ آیت کا معنی ہو گا، ستاروں والے آسمان کی قسم، یا شاہد ہے ستاروں والا آسمان۔ یعنی اس فضائے سماوی اور کاسمک اسپیس پر غور و فکر کرو جس میں روشن ستارے ہیں۔
قدیم مفسرین کے کچھ اقوال یہ ہیں:
عظام الكواكب سميت بروجاً لظهورها، اسما ذات النجوم۔ وغیرہا۔ (طبری، رازی وغیرہ)
أصل البرج الظهور، سميت بذلك لظهورها ۔
قال الحسن، ومجاهد، وقتادة، والضحاك: هي النجوم، والمعنى: والسماء ذات النجوم (طبری، ابنِ کثیر، شوکانی، وغیرہ)
قال ابن عباس: { البروج } : النجوم، لأنها تتبرج بنورها، والتبرج: التظاهر والتبدي (ابن عطیہ)

سورہ الطارق (سورہ 86)

آیات: 5-7
....
فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾
خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾
یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَ التَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾
....
پس غور کرے انسان کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کو ایک تولید پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو صلب اور ترائب کے درمیان سے نکلتا ہے۔

Let man, then, observe out of what he has been created: he has been created out of a seminal fluid issuing from between the sulb and taraib.

مائع دفّق یعنی مائع مصبوب (بہا ہوا یا گرا ہوا پانی)۔ اس کا ایک معنی گاڑھا پانی بھی کیا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے ہاں بہت سی آراء ملتی ہیں۔ ایک ہے مرد کا تولیدی پانی۔ اس صورت میں دافق کا یا تو یہ معنی ہوگا کہ وہ قوت سے نکلتا ہے یا یہ کہ وہ رحم می گرایا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے مرد اور عورت دونوں کے تولیدی مادوں کا مجموعہ (مرکب، امتزاج) مراد ہے، اس صورت میں ممکنہ طور پر دافق گاڑھے کے معنوں میں ہو سکتا ہے جس کا مطلب ہو گا مرد اور عورت کے پانیوں سے مل کر بننے والا پانی۔ یعنی تولیدی پانی جو رحم میں مرد اور عورت کے پانیوں کے ملاپ سے بنتا ہے۔
صُلب کے اصل معنی سختی کے ہیں، اسی صلابت کی وجہ سے پشت کو بھی صلب کہتے ہیں۔ (مفردات) ''صلب'' واحد ہے، اس کی جمع ''اصلاب'' ہے۔
تراب تربیہ کی جمع ہے۔ تربیہ کے کئی معنی بیان ہوئے ہیں، مثلاً تفسیر ابن کثیر میں تحریر ہے:
"تربیہ کہتے ہیں ہار کی جگہ کو، کندھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے، اور نر خرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے، اور چھاتوں سے اوپر کے حصے کو بھی کہا گیا ہے، اور نیچے کی طرف چار پسلوں کو بھی کہا گیا ہے، اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے۔ دل کے نچوڑ کو بھی کہا گیا ہے، سینہ اور پیٹ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے۔" (زیرِ نظر آیت)
چنانچہ اس آیت کی تشریح میں کئی آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ غالباً وہ مفہوم زیادہ برمحل ہے جو مورس بوکیلے
(Maurice Bucaille)
نے ڈاکٹر اے کے گیروڈ
(Dr A.K. Giraud)
کی معاونت سے بیان کیا ہے، جس کے مطابق

"(Man) was fashioned from a liquid poured out. It issued (as a result) of the conjunction of the sexual area of the man and the sexual area of the woman."

یعنی انسان کو ایک بہائے گئے مائع سے پیدا کیا گیا ہے، جو مرد کے جنسی علاقہ اور عورت کے جنسی علاقہ کے ملاپ کے نتیجے میں خارج ہوتا ہے۔

یعنی ’’صلب‘‘ سے مراد مرد کا جنسی علاقہ یا جنسی اعضا ہیں اور ’’ترائب‘‘ سے مراد عورت کا جنسی علاقہ یا جنسی اعضا ہیں۔

ملاحظہ کریں کہ ’’صلب‘‘ کا لفظ واحد اور ’’ترائب‘‘ کا لفظ جمع استعمال ہوا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ کریں کہ ابن کثیر نے ’’ترائب‘‘ کے جو معنی لکھے ہیں ان میں ایک ’’پیروں کے درمیان‘‘ کا علاقہ بھی ہے۔

علامہ محمد اسد نے ’’ترائب‘‘ کا معنی

’’Pelvic arch‘‘

کیا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ "صلب و ترائب کے درمیان" کے الفاظ کنایہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہوں۔ مثال کے طور پر علامہ الوسی لکھتے ہیں:

"وقيل لو جعل ما (بين الصلب والترائب) كناية عن البدن كله لم يبعد وكأن تخصيصهما بالذكر لما أنهما كالوعاء للقلب الذي هو المضغة العظمى فيه وأمر هذه الكناية على ما حكى مكي عن ابن عباس في الترائب أظهر------" (زیرِ نظر آیت)

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر "صلب اور ترائب کے درمیان" کو پورے جسم کے لیے کنایہ مانا جائے تو یہ بعید نہیں ہوگا--------"

ایک روایت کے مطابق آیت کے اس ٹکڑے کا معنی ہے: مرد و زن دونوں کے صلب اور ترائب کے درمیان سے۔ یعنی مرد کا تولیدی مادہ اس کے صلب اور ترائب کے درمیان سے نکلتا ہے اور اسی طرح عورت کا تولیدی مادہ اس کے صلب اور ترائب کے درمیان سے نکلتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الفاظ مرد و زن کے تولیدی أعضاء کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہوں۔ گویا یہ ایک طرح کا یُوفِیمزم

Euphemism

ہے،

جو کلام کا ایک طریقہ ہے جس میں کسی ایسی بات کو اشارتاً اور کنایتاً بیان کیا جاتا ہے جسے کہنے والا کسی وجہ سے کھلے لفظوں میں کہنا مناسب نہ سمجھتا ہو۔

یہ کلام کا ایک نہایت عمدہ طریقہ ہے۔ اس میں شان اور عظمت ہے۔ قرآن تولیدی اعضا و عمل کا براہِ راست ذکر کرنے کے بجائے کنایے کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اور اپنی بات ایجاز و اختصار کے ساتھ بلند ادبی سطح پر کہتا ہے۔

....

آیات: 11، 12

....

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾

وَ الۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿۱۲﴾

....

قسم ہے لوٹا لوٹا کر بارش برسانے والے آسمان کی،
اور (نباتات اُگتے وقت) پھٹ جانے والی زمین کی۔

آسمان پر غور کرو جس سے بار بار بارش برستی ہے اور زمین پر غور کرو جسے چیر کر نباتات نمودار ہوتے ہیں۔

Consider the sky with its recurring rain, and the earth which cracks open (to bring forth vegetation).

رجع رجوع کے مادے سے ہے۔ اس کا معنی ہے لوٹانا۔ عربوں کے ہاں یہ لفظ بارش کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا، کیونکہ بارش میں اصل میں وہ پانی زمین کی طرف واپس لوٹتا ہے جو بخارات کی شکل میں زمین سے اٹھا تھا۔

اس اعتبار سے معنی ہو گا: قسم ہے آسمان کی جو بارش کی شکل میں پانی زمین کو واپس لوٹاتا ہے۔

صدع کا معنی ہے شگاف پڑنا، پھٹنا۔ زمین بارش کے پانی کو جذب کرتی ہے تو اس سے طرح طرح کے نباتات اُگتے ہیں۔ چونکہ نباتات زمین کی سطح کو پھاڑ کر باہر آتے ہیں
اس لیے اسے اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔
معنی ہو گا:
قسم ہے زمین کی جو پانی جذب کر کے نباتات اُگاتی ہے جو اُس کی سطح کو پھاڑتے ہوئے باہر آتے ہیں۔

آسمان سے مراد ظاہر ہے کہ ہمارے سروں کے اوپر کی وہ فضائے آسمانی ہے جہاں بادل اُڑتے ہیں اور جہاں سے بارش ہوتی ہے۔
ان آیات میں ضمنی طور پر واٹر سائیکل (آبی چکر) کے ایک اہم مرحلے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ اور وہ ہے زمین سے پانی کا بخارات کی شکل میں اڑنا یعنی تبخیر اور بادل بننا یعنی تکثیف۔
آسمان کی قسم جو لوٹا لوٹا کر بارش برساتا ہے اور زمین کی قسم جو پھٹ پھٹ کر نباتات اگاتی ہے۔
ان آیات کی تشریح اور بھی طریقوں سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

....

سورہ الاعلی (سورہ 87)

آیات: 1-3
سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴿۱﴾
الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿۲﴾
وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَہَدٰی ۪ۙ﴿۳﴾
....
اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو جو بلند و برتر ہے۔
جس نے تخلیق کی اور تسویہ کیا،
اور جس نے تقدیر ٹھہرائی اور ہدایت عطا کی۔
......

87:1 Extol the limitless glory of thy Sustainer's name: [the glory of] the Al-Highest,
87:2 who creates [every thing], and thereupon forms it in accordance with what it is meant to be,
87:3 and who determines the nature [of all that exists], and thereupon guides it [towards its fulfilment].

پہلی آیت میں لفظ سَبِّحِ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو س ب ح کے مادے سے ہے۔ یہ "سَبْحُ" سے ہے جس کا اصل مطلب پانی یا ہوا میں تیزی سے حرکت کرنا ہے، اور یہ مختلف سیاق و سباق میں مختلف معانی اختیار کرتا ہے۔ قرآن میں یہ فلکیاتی اجسام کی مسلسل حرکت کے لیے بھی آیا ہے، جیسے "وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ" (الأنبياء 33) میں سورج، چاند اور دیگر سماوی اجسام کے اپنے اپنے مدار میں گردش کرنے کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح "وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا" (النازعات 3) میں یہ تیز رفتاری سے دوڑنے والے گھوڑوں کے لیے استعمال ہوا، جبکہ "إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا" (المزمل 7) میں اس کا مطلب دن کی مصروفیات اور جدوجہد ہے۔ اس کے علاوہ، "التَّسْبِيحُ" کا مطلب اللہ تعالیٰ کو ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک اور ماورا سمجھنا اور اس کا إقرار و اظہار کرنا ہے۔
ان آیات میں کسی چیز کے وجود میں لانے کے حوالے سے چار پُرمعنی الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور چار لفظوں میں تخلیق کا پورا پروسس اور حکمت بیان کر دی گئی ہے۔ وہ چار الفاظ یہ ہیں: تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت۔

تخلیق:
اللہ تعالیٰ چیزوں کو ’’خَلق‘‘ کرتا ہے، یعنی اپنی حکمت کے مطابق اور اس طریقہ پر جو اس کی بلند و برتر علیم و قدیر ذات کے شایانِ شان ہے ان کا منصوبہ اور نقشہ بناتا ہے، ان کے مادۂ تخلیق کو وجود میں لاتا ہے اور اس مادۂ تخلیق سے انہیں پیدا کرتا ہے۔

تسویہ:
کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک ایسا بنانا جیسا کہ اس کے مقصدِ تخلیق کے اعتبار سے اسے ہونا چاہیے۔ بہترین ساخت پر بنانا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے مادۂ تخلیق سے بہترین شکل میں ظہور پذیر کرتا ہے۔ اصل میں، لفظ "سَوِي" کا بنیادی مفہوم مساوات ہے جو ناپ، تول، اور مقدار کے لحاظ سے متوازن اور متناسب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

تقدیر:
تقدیر کا معنی ہے کسی چیز کے لیے ایک خاص طرح کی حالت ٹھہرا دینا خواہ یہ ٹھہراؤ کمیت میں ہو یا کیفیت میں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک خاص اندازہ و حساب اور منصوبہ ٹھہرا دیا ہوا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتی۔ مثال کے طور پر ہر چیز اپنے ماحول کے ساتھ مکمل مطابقت میں ہوتی ہے۔ پرندے ہوا میں اُڑنے کے ساتھ، چوپائے زمین میں چلنے کے ساتھ، اور مچھلیاں پانی میں تیرنے کے ساتھ مکمل سازگاری رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ایسا بنایا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتی ہے، مچھلی کو تیرنے والا وجود دیا تو اُس کے تیرنے کے لیے پانی بھی بنایا، پرندے کو ہوا میں اُڑنے والا وجود عطا کیا تو اس کے اُڑنے کے لیے ہوا بھی تخلیق کی وغیرہ۔ تمام موجودات مکمل ہم آہنگی کے ساتھ ہیں۔ تقدیر وسیع معنوں میں اللہ تعالیٰ کا گرینڈ ڈیزائین ہے، یعنی عظیم تخلیقی نقشہ۔

ہدایت:
ہدایت کے معنی ہیں راہ دکھانا، راہ پر لگانا اور چلانا، اور منزلِ مقصود تک پہنچانا۔ ہدایت کی ابتدائی سطح وہ فطری ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی خِلقت اور جبلت میں ودیعت کی ہے۔ یہ ہدایت ہر چیز پر اس کی زندگی کی راہیں کھولتی ہے۔ پرندہ جانتا ہے کہ اسے ہوا میں اُڑنا ہے اور کس طریقے سے اُڑنا ہے۔ مچھلی کو پتا ہے کہ اسے پانی میں کس طریقے سے اپنی زندگی بسر کرنی ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال شہد کی مکھی کی زندگی ہے۔ مثلاً وہ اپنے چھتے سے چاہے کتنی دور چلی جائے راستہ بھولے بغیر واپس آجاتی ہے۔ ہجرت کرنے والے پرندے جو سمندروں، جنگلوں اور بیابانوں کا ہزارہا کلومیٹرز کا فاصلہ طے کر کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جاتے ہیں، واپسی پر بغیر راستہ بھولے اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ہی ہے جو چیزوں کو وجود میں لاتا ہے، انہیں بہترین ساخت عطا کرتا ہے، ان کے لیے زندہ رہنے کا راستہ طے کرتا ہے اور اس راستے پر چلنے کی انہیں رہنمائی عطا فرماتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے موجودات کے لئے گرینڈ ڈیزائین کے چار أجزاء ہیں، تخلیق (وجود میں لانا)، تسویہ (مقصدِ حیات کے مطابق درست و متناسب بنانا)، تقدیر (حساب و نظام ٹھہرانا) اور ہدایت (رہنمائی فرمانا)۔ ان کی تشریح جتنی بھی تفصیل سے بیان کی جائے کم ہے۔ چار لفظوں میں گویا حیات و کائنات کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے۔

……

سورہ الغاشیہ (سورہ نمبر 88)

آیات: 17-22
اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾
وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾
وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾
وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾
فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿۲۱﴾
لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَۜیۡطِرٍ ﴿۲۲﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے اونٹوں کی طرف، انہیں کیسے بنایا گیا ہے،
اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے،
اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں،
اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟
پس آپ نصیحت فرماتے رہئیے ، آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیں،
آپ کو ان پر زبردستی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

88:17 Do, then, they [who deny resurrection] never gaze at the clouds pregnant with water, [and observe] how they are created.
88:18 And at the sky, how it is raised aloft.
88:19 And at the mountains, how firmly they are reared
88:20 And at the earth, how it is spread out.
88:21 And so, [O Prophet,] exhort them; your task is only to exhort,
88:22 You cannot compel them [to believe].

اَفَلا یَنظرون: کیا وہ دیکھتے نہیں؟
دیکھنے سے مراد سرسری اور محض ظاہری طور پر دیکھنا نہیں بلکہ بغور دیکھنا اور غور و فکر کرنا مراد ہے۔ امام راغب اصفہانی نے اس کی تفصیل کچھ اس طرح کی ہے:
النَّظَرُ کے لغوی معنی کسی چیز کو دیکھنے، اس کا ادراک کرنے اور اسے بصارت و بصیرت کے ذریعے پرکھنے کے ہیں۔ یہ غور و فکر، تدبر اور باریک بینی سے جائزہ لینے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کا مطلب وہ معرفت یا علم ہوتا ہے جو تحقیق و جستجو کے بعد حاصل ہو، اور یہ روِیَّۃ (گہرے تفکر) کے مترادف آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: "نَظَرْتَ فلم تَنْظُرْ" یعنی: تم نے نظر تو ڈالی لیکن حقیقت میں نہ غور و تدبر نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلِ انْظُرُوا ماذا فِي السَّماواتِ (یونس: 101)، یعنی دیکھو اور غور و فکر کرو کہ آسمانوں میں کیا کیا کچھ ہے۔ اس آیت میں "نظر" سے مراد صرف دیکھنا نہیں، بلکہ تدبر اور تفکر کرنا ہے۔ (مفردات)

اونٹوں کی تخلیق میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں:

قرآن نے یہاں لفظ إبل استعمال کیا ہے۔ اس کا اطلاق اونٹوں کے گلے پر ہوتا ہے، اور اس کا کوئی واحد لفظ اپنی اصل ساخت میں نہیں پایا جاتا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں "الإبل" سے مراد بادل (السحاب) ہیں۔ اگر یہ قول درست ہو، تو یہ اونٹوں اور بادلوں کے درمیان ایک بلیغ تشبیہ پر مبنی ہوگا، یعنی بادلوں کی ساخت، حرکت اور کیفیت کو اونٹوں کے احوال سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ (مفردات)

اونٹ کئی اعتبار سے ایک منفرد جانور ہے۔

یہ سواری اور باربرداری کے کام بھی آتا ہے، اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور اس کا دودھ بھی پیا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑے قد و قامت کا جانور ہے لہذا زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ یہ کئی روز تک پیاسا رہ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں بھوک برداشت کرنے کی بھی صلاحیت ہے۔ یہ مشکل ریگستانی علاقوں میں بآسانی چل سکتا ہے، دور جدید میں بھی صحراؤں میں سواری اور باربرداری کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے یہ ’’صحرا کا جہاز‘‘ کہلاتا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں اونٹوں کی اہمیت بہت زیادہ تھی، وہ طرح طرح سے لوگوں کے کام آتے تھے۔ ایک شخص کا تصور کریں جو اونٹ پر سوار ہے، وہ اپنے اوپر پھیلے ہوئے وسیع آسمانی فضا یعنی کاسمک اسپیس پر نظر دوڑاتا ہے، پھر اس کی نظر نیچے کی طرف آتی ہے اور وہ پہاڑوں کو دیکھتا ہے، پھر اس کی نظر اور نیچے آتی ہے اور وہ زمین کو دیکھتا ہے۔ اسے دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ ان کی تخلیق، ساخت اور عملی اہمیت پر غور و فکر کرے۔ سرسری طور پر نہیں بلکہ بصیرت کے ساتھ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہ سکے گا کہ کوئی ہے جو اس کارخانۂ قدرت کا خالق و مالک ہے۔

کائنات کا مشاہدہ اسے اس کے خالق کی ہستی کے نتیجے کی طرف لے جائے گا۔

یہاں خُلِقَت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو خَلَقَ سے ہے۔ خلق کا بنیادی معنی کسی شے کا پوری طرح اندازہ کرنا اور کسی چیز کو مناسب تناسب اور درستگی کے ساتھ بنانا ہے۔ یہ لفظ اِبداع کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز کو بغیر کسی پہلے سے موجود مادے یا نمونے کے پیدا کیا جانا۔

اس کے علاوہ، یہ لفظ محض کسی چیز کی بناوٹ کے لیے محدود نہیں بلکہ اس میں کسی شے کے اندرونی نظام اور توازن و تناسب کی تشکیل بھی شامل ہے۔ چنانچہ، جب قرآن میں "أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ" (سورہ المومنون آیت14) کہا گیا تو اس میں اللہ کی تخلیقی قدرت کی کاملیت اور حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر چیز کو بہترین انداز میں اور کامل حکمت کے ساتھ پیدا فرماتا ہے۔

کائنات کی وسعتیں

یہاں (آیت 18 میں) السماء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لفظ سَمَاء مادہ سمو(س م و) سے ہے، جو بلندی، رفعت، اور کسی چیز کے اوپر واقع ہونے کے معنی دیتا ہے۔ بعض اہلِ لغت کے نزدیک، ہر بالائی چیز، اس کے نیچے موجود چیز کے اعتبار سے "سماء" (آسمان) کہلاتی، اور جو چیز اس کے اوپر ہو، وہ اس کے مقابلے میں "أرض" (زمین) کہلاتی۔

لفظ رُفِعَت (کیسے رفعت دی گئی) میں کائنات کی وسعتوں اور اس کے نظم و توازن کی طرف اشارہ ہے۔

رَفْع کا بنیادی مفہوم کسی جسم یا شے کو اس کے اصل مقام سے بلند کرنا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اشیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے، جب انہیں ان کی اصل جگہ سے اٹھا کر اوپر لے جایا جائے، اور یہ مجازی معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے مرتبہ، مقام اور عزت کی بلندی۔

زمین کے زاویہ ءِ نگاہ سے رفعت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وسیع معنوں میں یہ سماء کی وسعت کے مفہوم میں ہے۔ رفعت یعنی بلندی، اونچائی بھی ایک طرح کی وسعت ہے۔

کائنات میں اربوں کہکشائیں ہیں، اور ہر کہکشاں میں اربوں ستارے اور دوسرے اجرام ہیں۔ اور، یہ سب حرکت میں ہیں۔ اپنے اپنے مداروں اور راستوں پر رواں دواں ہیں۔ کائنات وسیع اور عظیم ہونے کے باوجود ایک ہمہ گیر نظام کے تابع ہے۔

پہاڑوں کی بلندی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔
پہاڑ اپنی عظمت اور بلندی کے اعتبار سے خالق کائنات کی قدرت کا ایک عظیم مظہر ہیں۔ ان کی ظاہری شکل، ساخت، مضبوطی وغیرہ کا اندازہ ایک عام آدمی بھی بآسانی کر سکتا ہے، اور اس سے اللہ کی ہستی اور قدرت کا إحساس کر سکتا ہے۔ پہاڑوں میں انسان اور دوسرے جانداروں کے لئے طرح طرح کے فائدے ہیں۔
لیکن، ان کے وجود، تخلیق و تشکیل اور ساخت کی عمدگی اور خوبصورتی کا ادراک اہلِ علم ہی کر سکتے ہیں۔ یہ کیسے بنتے ہیں، ان کی ارضیاتی اہمیت کیا ہے، اور زمین کے توازن اور ایکوسسٹم میں ان کا کردار کیا ہے؟ یہ اور اسی طرح کے دوسرے سوالات کا جتنا گہرا جواب آپ کو حاصل ہوتا ہے، آپ میں اللہ کی عظمت و کبریائی کا اتنا ہی گہرا إحساس پیدا ہوتا ہے۔ یہاں لفظ نُصِبَت (کیسے گاڑھ کر کھڑے کئے گئے ہیں)استعمال ہوا ہے جو نَصْب سے ہے۔ نصب کا بنیادی مفہوم کسی شے کو(زمین میں گاڑھ کر) اس طرح رکھنا کہ وہ نمایاں اور سیدھی کھڑی ہو ہے، جیسے نیزے، عمارت، یا پتھر کو کھڑا کرنا۔ پہاڑ جہاں زمین کی سطح پر بلندی کے حامل ہوتے ہیں وہاں زمین میں بہت گہرائی میں بھی گئے ہوتے ہیں۔ وہ کروڑوں سالوں کے ارضیاتی عمل سے بنتے ہیں، اور زمین کی مضبوطی، استحکام اور اس کے ایکوسسٹم کی تشکیل اور برقراری میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

زمین کا پھیلایا جانا
ارض کا لفظ لغوی طور پر کسی شے کے نچلے حصے یا وہ چیز جو ہمارے قدموں کے نیچے ہے کے معنے رکھتا ہے۔ یہ سیارہ زمین کے معنوں میں عام استعمال ہوتا ہے۔ ارض کی جمع ارضون ہے لیکن قرآن میں ہمیشہ لفظ ارض واحد ہی استعمال ہوا ہے۔ سائنسی تعریف کے مطابق، زمین ایک سیارہ ہے، اور سیارے ہمارے سولر سسٹم میں بھی ہیں اور کائنات میں بھی بڑی تعداد میں ممکنہ طور پر موجود ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی ساخت اور حالات کے لحاظ سے زمین سے ملتے جلتے سیارے بھی کائنات میں پائے جاتے ہوں۔
سُطِحَت سطح سے ہے، اس کا معنی ہے ہموار کرنا، پھیلانا وغیرہ۔ زمین ایسی ہے کہ اس پر وسیع میدانی علاقے ہیں جہاں عام طور پر لوگ رہتے بستے ہیں۔ اللہ کی قدرت ہے کہ جہاں زمین میں پہاڑ ہیں وہ وسیع میدان بھی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ساری سطح صرف پہاڑوں پر مشتمل ہو یا صرف میدانوں پر۔ اس میں پہاڑ بھی ہیں اور وسیع میدانی علاقے بھی اور ان سب سے زمین کا وہ ایکوسسٹم وجود میں آتا ہے جو زندگی کے لئے ضروری ہے۔
زمین کا پھیلایا جانا اس ارضیاتی عمل یا جیولوجیکل پروسس کا نتیجہ ہےجو لاکھوں سالوں سے زمین کی سطح پر جاری ہے۔

یہاں ارض کا لفظ اس طرح استعمال ہوا ہے کہ یہ پہاڑوں کے ساتھ کنٹراسٹ میں ہے، اس لئے ممکن ہے کہ یہاں یہ سیارہ ارض کے معنوں میں نہیں بلکہ ہموار زمین یا لینڈ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے اردو اور کئی دوسری زبانوں میں زمین کا لفظ سیارہ زمین کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور خطہءِ زمین، اراضی، وغیرہ کے معنوں میں بھی۔

قرآن انسان کو کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کی قدرت اور حکمت کو پہچان سکے۔
مجموعی طور پر، ان آیات میں کائنات میں غور و فکر، اللہ کی ہستی کی معرفت، اور دعوتِ دین کے حکیمانہ اصولوں کی ایک جامع رہنمائی عطا کی گئی ہے۔
کائنات میں اللہ کی قدرت کے دلائل پر غور و فکر کرنے والے خود راہِ حق پر آ سکتے ہیں۔
ان میں رسولِ اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر لوگ ایمان نہ لائیں تو یہ آپ کی ذمہ داری نہیں۔ ہدایت دلوں میں زبردستی داخل نہیں کی جا سکتی، بلکہ انسان کو غور و فکر اور شعور کی بنیاد پر حق کو پہچاننا ہوتا ہے۔ ہر فرد کو اپنی عقل اور فطرت کے مطابق حق کو پہچان کر اختیار کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔
یہ اسلام کی آزادیءِ فکر اور دعوتی حکمت کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ہے کہ ایمان زبردستی مسلط نہیں کیا جا سکتا۔

سورہ البلد (سورہ نمبر 90)

آیات 8-10
اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾
وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾
وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿ۚ۱۰﴾

کیا ہم نے اسے دو آنکھیں نہیں دیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ اور اسے دونوں راہیں نہیں سمجھا دیں؟

90:8 Have We not given him two eyes,
90:9 and a tongue, and a pair of lips,

90:10 and shown him the two highways [of good and evil].

حواس کی اہمیت

انسان کا بیرونی دنیا سے رابطہ حواس کے ذریعے ہوتا ہے اور دیکھنے کی حس سب سے اہم حس ہے۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ آنکھ کی بناوٹ اور اس کے دیکھنے کا عمل اپنے اندر غور و فکر کا گہرا سامان رکھتا ہے۔ موجودہ زمانے میں، دوربینوں اور خردبینوں اور کئی دوسرے آلات کی ایجاد نے آنکھ کے دائرہ کو بہت وسعت دے دی ہے۔

زبان ذائقہ چکھنے اور بولنے میں استعمال ہوتی ہے، انسان اس کے ذریعے تبادلہ خیال کرتا اور اپنی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ بولی جانے والی زبان یعنی لینگوئج کو بھی عربی میں لسان کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے علم اور اطلاعات ایک فرد سے دوسرے فرد، ایک قوم سے دوسری قوم اور ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی ہیں۔

ہونٹ بولنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بعض حروف تو براہ راست ہونٹوں ہی سے ادا ہوتے ہیں۔ ہونٹ منہ کی رطوبت کو منہ سے باہر خارج ہونے سے روکتے ہیں۔ اگر خدا نہ خواستہ ہونٹ نہ ہوتے تو نہ صرف یہ کہ انسان صحیح طرح بول نہ سکتا بلکہ اس کا لعابِ دہن مسلسل منہ سے خارج ہوتا رہتا، جس سے منہ اندر ہی سوکھ جاتا۔ پانی پینے اور کھانا کھانے میں دشواری ہوتی اور چہرہ بد نما ہو جاتا۔

نجد کا معنی

نجد اصل میں بلند مقام کو کہتے ہیں، یہاں ’’نجدَین‘‘ سے مراد خیر اور شر کے راستے ہیں۔ یہ ہدایت فطری اور تخلیقی طور پر بھی ہوتی ہے۔ اس کو وجدانی ہدایت کہہ سکتے ہیں۔ یہ عقل و شعور سے بھی حاصل ہوتی ہے، اسے عقلی ہدایت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ رسولوں (علیہم السلام) کے ذریعے بھی انسان کو پہنچی ہے، اسے ہدایت بالوَحی یعنی وحی کے ذریعے حاصل ہونے والی ہدایت کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

یہ آیات انسانی تخلیق کی انمول نعمتوں اور اختیارو انتخاب کی آزمائش کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ اللہ نے انسان کو دیکھنے، بولنے، اور سمجھنے کی صلاحیتیں دی ہیں اور اس کے سامنے دو راستے واضح کر دیے ہیں یعنی نیکی اور بدی کے راستے۔

آنکھیں ظاہری مشاہدہ اور داخلی بصیرت دونوں کی علامت ہیں۔ یہ اللہ کی عظیم نعمت ہیں۔ ان کا حقیقی مقصد حق اور باطل میں تمیز ہے۔

زبان اور ہونٹ اظہار اور گفتگو کے لئے اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ زبان بولنے اور علم کے تبادلے کا ذریعہ ہے، جو انسان کو علم اور ہدایت حاصل کرنے کی صلاحیت دیتا ہے۔ ہونٹ زبان کے ساتھ مل کر مکمل اظہار کی صلاحیت فراہم کرتے ہیں۔ بولنے کی اس صلاحیت سے خیر بھی پھیلایا جا سکتا ہے اور شر بھی، ہدایت بھی دی جا سکتی ہے اور گمراہی بھی پھیلائی جا سکتی ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ زبان اور ہونٹوں کی نعمت کو نیکی، سچائی، اور خیر کے فروغ میں استعمال کیا جائے۔ اور غلط بیانی، جھوٹ، غیبت، وغیرہ سے بچا جائے، کیونکہ یہ ان کا غلط استعمال ہے۔

قرآنِ مجید میں یہ أصول بار بار آیا ہے کہ انسان کو ہدایت دی گئی ہے، لیکن انتخاب اس کا اپنا ہے (الإنسان: 3)۔

یہ آیت ایمان اور کفر، اطاعت اور نافرمانی، خیر اور شر کے راستوں کی وضاحت کرتی ہے۔ ہر انسان اپنی عقل، فطرت، اور وحی کی رہنمائی میں ایک راستے کا انتخاب کرتا ہے
انسان کو ہر عمل کے انجام پر غور کرنا چاہیے۔ شیطان کے وسوسوں سے بچتے ہوئے خیر کے راستے کو اپنانا چاہیے۔

گہرے غور و فکر کے نکات:
انسانی تخلیق اللہ کی قدرت کی نشانی ہے
آنکھیں، زبان، اور ہونٹ جسمانی، ذہنی، اور روحانی ترقی کے لیے بنیادی ذرائع ہیں۔
انسان کو یہ نعمتیں بغیر کسی مشقت کے ملی ہیں، اس لیے اسے ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔
فطرت اور آزاد ارادہ
انسان کی فطرت (فطری ہدایت) پہلے سے نیکی کی طرف مائل ہے۔ لیکن آزاد أرادہ یا فری وِل اسے صحیح اور غلط میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی طاقت دیتی ہے۔
ہر فیصلہ انسان کی موجودہ زندگی اور آخرت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آخرت کی کامیابی اسی شخص کے لئے ہے جو صحیح راستے کو اپناتا ہے۔

سائنسی نکات:
انسانی آنکھ انتہائی پیچیدہ عضو ہے، جو روشنی، رنگ، اور گہرائی کا ادراک کرتی ہے۔
بینائی نہ صرف دیکھنے بلکہ سیکھنے میں بھی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

زبان، ہونٹ، اور آواز کے پردے مل کر اظہارِ خیال کے حیرت انگیز نظام کو ممکن بناتے ہیں۔
جدید سائنسی تحقیق کے مطابق، انسانی دماغ میں مخصوص حصے زبان اور فیصلے سازی سے جڑے ہوئے ہیں، جو قرآن کے بیان کردہ "دو راستوں" کے تصور کو سائنسی بنیاد فراہم کرتا ہے۔
جدید نیوروسائنس یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان نیکی اور بدی کے درمیان فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے مطابق، ہمارے دماغ میں موجود ایک حصہ ہے جسے پری فرنٹل کورٹیکس کہتے ہیں یہ اخلاقی فیصلوں میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے، جو ثابت کرتا ہے کہ انسانی دماغ میں خیر اور شر میں تمیز کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔

اخلاقی اور روحانی پیغام
اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا انسان کی روحانی ترقی کا زینہ ہے۔ اللہ نے آنکھیں، زبان، اور ہونٹ محض جسمانی ضروریات کے لیے نہیں، بلکہ اخلاقی ذمہ داریوں کے لیے بھی دیے ہیں۔
اگر انسان ان کا صحیح استعمال کرے، تو وہ ہدایت یافتہ ہوگا، اور اگر غلط استعمال کرے، تو وہ گمراہی میں پڑ سکتا ہے۔

سچائی اور نیکی کا راستہ ابدی کامیابی کا راستہ ہے۔ زبان کو سچ بولنے اور خیر پھیلانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ آنکھوں کو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بدی کے راستے سے بچنے کے لیے شعوری طور پر نیکی کا انتخاب کرنا چاہیے۔

زندگی کا ہر فیصلہ اہم ہے، ہر انسان کو اپنے اعمال کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہیے۔ صحیح راستہ اکثر مشکل ہوتا ہے، لیکن یہی راستہ دیرپا کامیابی کا ذریعہ ہے۔

پس، یہ آیات انسان کو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں، اخلاقی آزادی، اور دو واضح راستوں کی موجودگی اور ان میں سے کسی ایک کے چننے کے اختیار کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔
یہ نعمتیں انسان کے لئے آزمائش و امتحان کا ذریعہ بھی ہیں۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ انہیں کیسے استعمال کرتا ہے، وہ کون سے راستے پر چلتا ہے، ہدایت کے راستے پر یا گمراہی کے راستے پر۔

سورہ الشمس (سورہ نمبر 91)

آیات:

4-1

وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰہَا ۪ۙ﴿۱﴾
وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۪ۙ﴿۲﴾
وَ النَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪ۙ﴿۳﴾
وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىہَا ۪ۙ﴿۴﴾

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی،
اور چاند کی جب وہ اس کی پیروی کرے،
اور دن کی جب وہ اس(روئے زمین) کو ظاہر کرے۔
اور رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لے۔

Consider the sun and its radiant brightness, (2) and the moon as it reflects the sun!
(3) Consider the day as it reveals the world, (4) and the night as it veils it darkly!

یہ آیات سورج، چاند، دن، اور رات کے درمیان توازن اور ہم آہنگی کی طرف توجہ دلاتی ہیں، جو قدرت کے عظیم نظام کی نشانی ہیں۔

سورج اور اس کی روشنی
وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی یعنی گواہ ہے سورج اور اس کی روشنی۔ سورج کی روشنی اس کے اندر سے پھوٹتی ہے اور دنیا کو منور کرتی ہے۔
الشَّمْس کا مطلب ہے سورج، جو روشنی اور حرارت کا بنیادی ذریعہ ہے۔
ضُحَاهَا (اس کی روشنی)، یہ لفظ دن کی ابتدائی روشنی کو ظاہر کرتا ہے۔ سورج کا طلوع ہو کر دنیا کو روشن کرنا اور ہر طرف روشنی بکھیرنا،
سورج کی یہ روشنی زمین پر موجود زندگی کی نمود، نشوونما اور بقا کے لئے توانائی کا منبع ہے۔ زمین کی سب بہاریں اسی کے دم سے ہیں۔

القمر(چاند) اپنی روشنی خود پیدا نہیں کرتا بلکہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔
تَلَاهَا کا لفظی مطلب ہے اس کے پیچھے آنا، اس کی پیروی کرنا، وغیرہ۔ یعنی سورج سے روشنی لے کر آگے پہنچانا جسے منعکس کرنا کہا جاتا ہے۔ یعنی چاند کا سورج کی روشنی کو منعکس کرنا، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ چاند کا نور سورج کے نور پر منحصر ہے۔ یہ اس طرح سورج کی پیروی کرتا ہے۔ یہ نظام کتنا حیرت انگیز، مربوط اور خوبصورت ہے۔ کیسے سورج اور چاند روئے زمین کے دن اور رات کو روشن کرتے ہیں، کیسے چاند سورج سے روشنی لیتا اور آگے منعکس کرتا ہے، اور اس سے زمین کی راتیں منور ہوتی ہیں۔
یہ علامتی طور پر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ انسان کو حقیقی روشنی (ہدایت) حاصل کرنے کے لیے اللہ کے نور پر انحصار کرنا چاہیے، جیسے چاند سورج پر انحصار کرتا ہے۔

وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا (اور دن کہ جب وہ اسے (یعنی دنیا کو) نمایاں کر دیتا ہے)۔

النَّهَار (دن) حرکت و عمل اور سرگرمی کا وقت ہوتا ہے۔
جَلَّاهَا (اسے واضح کرتا ہے) کا مطلب ہے دن وہ وقت ہے جب سورج کی روشنی دنیا کو روشن اور نمایاں کرتی ہے۔ جو انسانی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔
دن ہمیں حرکت و عمل، جستجو، اور زندگی کے فرائض کی ادائیگی کی یاد دلاتا ہے۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا (اور رات کی جب وہ اسے (یعنی زمین کو) ڈھانپ لیتی ہے)۔

اللَّيْل (رات) سکون، استراحت، اور غور و فکر کا وقت فراہم کرتی ہے۔
يَغْشَاهَا (اسے ڈھانپ لیتی ہے) کا مطلب ہے کہ رات روئے زمین کوچھپا دیتی ہے، جو فطرت کے طے شدہ نظام کا حصہ ہے۔
رات کام کاج سے وقفے، اندرونی غور و فکر، اور روحانی تجدید کا وقت ہے۔

ان آیات کی تشریح میں مجازی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ دن سورج کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے اور رات اسے ڈھانپ لیتی ہے۔ اس صورت میں ھا کی ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے۔

گہرے غور و فکر کے نکات
یہ آیات کائنات میں موجود ترتیب، ہم آہنگی، اور فطری نظام پر روشنی ڈالتی ہیں۔

سورج، چاند، دن، اور رات اللہ کے بنائے ہوئے فطری اصولوں کے تحت ایک خاص ترتیب میں کام کرتے ہیں، جو اللہ کی حکمت اور قدرت کی نشانی ہے۔
دن اور رات کا بدلنا زندگی کے دائرے کو ظاہر کرتا ہے، جہاں ہر چیز ایک متوازن نظام میں چل رہی ہے۔
روشنی اور اندھیرا، دن اور رات، سورج اور چاند، یہ سب متضاد مگر تکمیلی عناصر ہیں۔ یعنی کسی کل کے خوبصورت اجزا ہیں۔

سائنسی پہلو

سورج اور روشنی کا کردار
سورج کی روشنی زندگی کے تسلسل کے لیے ناگزیر ہے، کیونکہ یہ فوٹوسنتھیسز میں مدد دیتی ہے، جو پودوں کے ذریعے آکسیجن اور خوراک پیدا کرتی ہے۔

چاند اور اس کی حرکت
چاند زمین کے گرد اور زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے، اور اسی وجہ سے ہمیں چاند کی مختلف شکلیں نظر آتی ہیں، جسے جدید فلکیات نے بھی ثابت کیا ہے۔

دن اور رات کی گردش
زمین کی اپنے محور پر گردش دن اور رات کا سبب بنتی ہے، جو ایک متوازن نظام کا مظہر ہے۔
یہ تبدیلیاں انسانی جسم کی قدرتی گھڑی
(Circadian Rhythm- سرکیڈین ردھم)
کو متوازن رکھتی ہیں، جس سے صحت اور نیند کے نظام پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

اخلاقی اور روحانی اسباق

اللہ کی قدرت پر غور و فکر
سورج، چاند، دن اور رات کی ترتیب اللہ کی قدرت اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کی نشانی ہے۔
ان پر غور و فکر کرنے سے انسان کا ایمان مزید مضبوط ہوتا ہے۔

نعمتوں کا شکر ادا کرنا
روشنی، اندھیرا، سکون، اور سرگرمی، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں، جن کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔
بغیر روشنی کے، دنیا میں زندگی ممکن نہیں، اور بغیر رات کے، آرام اور توازن ممکن نہیں۔

زندگی میں توازن کی اہمیت
دن اور رات کی طرح، انسان کو بھی اپنی زندگی میں توازن رکھنا چاہیے۔

یہ آیات کائنات میں موجود توازن، ہم آہنگی، اور تخلیقی حکمت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ سورج، چاند، دن اور رات، اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، جو ہمیں شکرگزاری، غور و فکر، اور اپنی زندگی میں توازن قائم رکھنے کا درس دیتی ہیں۔ یہ فطری نظارے نہ صرف سائنسی حقیقتیں ہیں بلکہ گہرے

روحانی پیغامات بھی رکھتے ہیں، جو ہمیں اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنے کی دعوت دیتے ہیں۔

آیات: 5، 6

وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰہَا ۪ۙ﴿۵﴾
وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا طَحٰہَا ۪ۙ﴿۶﴾

اور، (قسم ہے) آسمان کی اور اس کے خوب طرح بنانے کی۔ یعنی قسم ہے آسمان کی اور اس کی خوبصورت ساخت کی (اس کی تشکیل و تخلیق کتنی حیرت انگیز ہے)۔ یعنی شاہد ہے آسمان اور اس کی حیرت انگیز تشکیل و تخلیق۔
اور زمین کی اور اس کے خوب طرح بچھانے کی۔ یعنی قسم ہے زمین کی اور اس کی کشادگی اور وسعت کی۔ یعنی شاہد ہے زمین اور اس کی اس کے مقصدِ وجود کے مطابق فراخی اوربچھائے جانے کی۔

---

(5) Consider the sky and its wondrous make,(6) and the earth and all its expanse!

....

یہ آیات آسمان اور زمین کی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں، تاکہ انسان اللہ کی قدرت، حکمت اور نظامِ کائنات میں توازن کو سمجھ کر اللہ کی معرفت حاصل کر سکے، اور اس کا شکرگزار بندہ بن سکے۔
عربی لفظ "السَّمَاء" کے مفہوم میں بلندی، اور بلندی کا ہر تصور شامل ہے۔
بَنَی کا مطلب ہے محکم انداز میں بنایا، جو سماوی کائنات کے متوازن اور مضبوط نظام کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اللہ نے اپنے قانونِ فطرت کے مطابق اسے کیسا شاندار بنایا ہے۔
الأَرْض کا مطلب ہے زمین، جو انسان اور دوسرے بے شمار جانداروں کا گہوارہ اور گھر ہے۔
طَحَی کا مطلب ہے پھیلایا، ہموار کیا، اور قابلِ رہائش بنایا۔ زمین کو اللہ نے ایسا بنایا کہ اس پر انسان اور دوسرے جاندار اپنے مقصدِ حیات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ زمین کی ساخت اور بناوٹ ہر لحاظ سے شاندار اور حیرت انگیز ہے، اور غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے۔
آسمان یعنی بالائی کائنات اور زمین ایک متوازن جوڑی کی طرح کام کرتے ہیں۔ آسمان روشنی، بارش اور ہوا کے ذریعے زمین کو زندگی بخشتا ہے۔ زمین وہ جگہ ہے جہاں یہ تمام عناصر زندگی پیدا کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔
یہ تعلق اللہ کے بنائے ہوئے فطری توازن کی عکاسی کرتا ہے۔

جدید سائنس کے مطابق، زمین کا ماحول اور اس کی حفاظتی تہیں (جیسا کہ اوزون لیئر) زندگی کے لیے ضروری ہیں۔
کائنات ایک منظم اور متوازن نظام کے تحت چل رہی ہے، جو اللہ کی تخلیقی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔

زمین کی سطح پہاڑوں، میدانوں، دریاؤں اور زرخیز وادیوں پر مشتمل ہے، جو زندگی کے لیے ضروری ہیں۔
زمین کی ٹیکٹونک پلیٹیں مسلسل حرکت میں رہتی ہیں، جس سے مٹی کی تخلیق اور زرخیزی کا عمل جاری رہتا ہے۔
غور و فکر کی دعوت: یہ آیات ہمیں اللہ کی خلاقیت، عظمت اور حکمت پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔
نعمتوں کا شکر: آسمان اور زمین کی ہم آہنگی زندگی کے تسلسل کو یقینی بناتی ہے، جس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔
انسانی ذمہ داری: چونکہ زمین ہمارے لیے بچھائی گئی ہے، ہمیں اس کی حفاظت اور توازن کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
یہ آیات زمین اور اس کے اوپر موجود کائنات کے حیرت انگیز توازن کو اجاگر کرتی ہیں، جو اللہ کی حکمت اور قدرت کا مظہر ہے۔ یہ انسان کو غور و فکر، شکرگزاری، اور زمین کے قدرتی نظام کے تحفظ کی ذمہ داری کا احساس دلاتی ہیں۔

آسمان اور زمین کی تخلیق ان کے مقصدِ وجود کے ٹھیک ٹھیک مطابق کی گئی ہے۔ یہ کتنی حیرت انگیز اور دلکش ہے، اللہ کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ اور اظہار۔

آیات: 7-10

وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا ۪ۙ﴿۷﴾
فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا ۪ۙ﴿۸﴾
قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىہَا ۪ۙ﴿۹﴾
وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا ﴿۱۰﴾

اور، قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس کے خوب طرح درست و متناسب کرنے کی۔ یعنی شاہد ہے نفسِ انسانی اور اس کی درستگی و آراستگی کہ اللہ نے اس کو اس کے مقصدِ وجود کے مطابق کیسا ٹھیک ٹھیک بنایا۔
پس، الہام کی اس کو اس کی بدی اور اس کی نیکی (کی پہچان)۔ یعنی اس کے اندر نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کیا۔
یقیناً، کامیاب ہوا وہ جس نے اس کو پاک کیا۔ اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو آلودہ کیا۔

-----

(7) Consider the human self, and how it is formed in accordance with what it is meant to be, (8) and how it is imbued with moral failings as well as with consciousness of God! (9) To a happy state shall indeed attain he who causes this [self] to grow in purity, (10) and truly lost is he who buries it [indarkness].

یہ آیات انسان کی تخلیق، اس کی فطری ساخت، اور اس کے اندر رکھے گئے نیکی اور بدی کے شعور پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انسان کو بہترین انداز میں متوازن اور متناسب پیدا

کیا، بلکہ اس کے اندر بھلائی اور برائی دونوں کی پہچان اور انتخاب کی صلاحیت بھی ودیعت فرمائی۔ انسان کا بننا اور بکھرنا، کمال اور زوال دونوں کی صلاحیت اور سائنس انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے۔ چاہے تو فرشتوں سے اونچا مقام حاصل کر لے اور چاہے تو شیطان سے بھی نیچے گر جائے۔

عربی لفظ "نفس" جسمانی و روحانی، دونوں پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔
سَوَّی کا مطلب ہے ٹھیک ٹھیک ایسا بنایا جیسا کہ اس کے مقصدِ حیات کے اعتبار سے اسے ہونا چاہیئے تھا۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ نے انسان کو ایک کامل اور مکمل فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔
أَلْهَمَ اِلہام سے ہے، اس کا مطلب ہے کسی بات کا دل میں ڈال دینا، یعنی ہر انسان کے اندر نیکی اور برائی کی فطری آگاہی رکھ دی گئی ہے۔ یہ فطری الہام ہے۔
فُجُور کا مطلب ہے حدود سے تجاوز کرنا، بدی اور سرکشی کا راستہ اپنانا۔ جبکہ تَقْوَی کا مطلب ہے بچاؤ، یعنی برائی سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے کی صلاحیت۔
یہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ انسان کے پاس دونوں راستے موجود ہیں، اور وہ اپنی مرضی سے کسی بھی راہ کو چن سکتا ہے۔ یہ وہ انسانی وصف ہے جو انسان کو اپنے اعمال کے لئے جوابدہ بناتا ہے۔
زَکَّی کا مطلب ہے پاکیزہ بنانا، سنوارنا، اور ترقی دینا، نشوونما دینا، وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس، اپنی روح، اپنے آپ کو برائیوں سے بچاتا ہے اور نیکیوں سے مزین کرتا ہے، وہی اصل کامیاب انسان ہے۔ اس کی ذات کی نشوونما ہوگی اور وہ ترقی کرے گا۔ اس طرح وہ مرتبہ ءِ کمال کو پہنچے گا۔
دَسَّی کا مطلب ہے کسی چیز کو چھپانا، دبانا، یا آلودہ کرنا۔ جو شخص اپنے ضمیر کو دبا دیتا ہے، نیکی کی روشنی کو مٹا دیتا ہے، اور برائی میں غرق ہو جاتا ہے، وہ ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات نشوونما پانے کے بجائے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے، بکھر جاتی ہے۔
انسان کی اصل آزمائش یہی ہے کہ وہ اپنے اندر موجود نیکی کی صلاحیت کو پروان چڑھائے اور بدی سے خود کو محفوظ رکھے۔
ہر شخص اپنی کامیابی اور ناکامی کا خود ذمہ دار ہے، کیونکہ اسے نیکی اور بدی کے درمیان انتخاب کی آزادی دی گئی ہے۔
پاکیزگی اور تزکیہ صرف رسمی عبادات سے نہیں، بلکہ اخلاقی بلندی، سچائی، اور انصاف پر مبنی زندگی گزارنے سے حاصل ہوتا ہے۔
نفس کی پاکیزگی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہے، اور اس کی آلودگی سب سے بڑی ناکامی۔
نیوروسائنس کے مطابق، انسانی دماغ میں فیصلہ سازی اور اخلاقی شعور کے لیے ایک مخصوص حصہ یعنی پری فرنٹل کورٹیکس
(prefrontal cortex)
موجود ہے، جو قرآنِ حکیم کی اس تعلیم سے ہم آہنگ ہے کہ انسان کو نیکی اور بدی کا الہام دیا گیا ہے۔
نفسیات میں بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ انسان میں الٹروازم (ایثار و سخاوت) اور سیلفش نیچر (خودغرضی) دونوں موجود ہیں، اور ان میں سے کون سا غالب آتا ہے، یہ فرد کے انتخاب اور تربیت پر منحصر ہے۔
تزکیہ اصل میں تکمیلِ ذاک کا عمل ہے۔ اس میں انسان اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ آیات انسانی فطرت، اخلاقی شعور، اور کامیابی و ناکامی کے اصولوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ وہ شخص جو اپنے نفس کو نیکی کے راستے پر لے آتا ہے، وہ کامیاب ہے، اور جو اسے برائی میں آلودہ کرتا ہے، وہ ناکام ہے۔ یہ تعلیم ہر دور کے انسان کے لیے ایک روشن ہدایت ہے، جو اسے اپنی روحانی ترقی کا راستہ دکھاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا فجور اور تقویٰ اس کے اندر الہام کر دیا گیا ہے یعنی انسان کے ٹوٹنے، بکھرنے، زوال پانے اور روحانی پستیوں میں گرنے اور بننے، سنوارنے، نشو و نما پانے اور معرفت رب کے مقام تک پہنچنے دونوں کی صلاحیت انسان کے اندر رکھی ہوئی ہے۔ جو اپنے نفس کو پاک و صاف رکھتا ہے، وہ اپنے مقصدِ حیات (معرفت رب / تکامل ہستی) تک پہنچ جاتا ہے اور جو اپنے نفس کو آلودہ رکھتا ہے، وہ منزلِ مقصود سے دور چلا جاتا ہے۔

سورہ العلق (سورہ نمبر 96)

آیات: 1-5

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾
خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾
اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾
الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾
عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر شے کو) پیدا کیا۔
پیدا کیا انسان کو علق سے۔
پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے،
جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے سے،
اس نے سکھایا انسان کو وہ کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا۔
-----

(1) Read in the name of your Sustainer, who has created (everything)
(2) Created humankind out of something that clings.
(3) Read - for your Sustainer is the Most Bountiful One,
(4) who has taught [humankind] the use of the pen,
(5) taught man what he did not know!

بہت سی روایات کے مطابق یہ پہلی وحی ہے۔ ان آیات میں حصولِ علم اور قلم کے استعمال پر جو زور دیا گیا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے۔
اس میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کو ''عَلَق'' سے تخلیق کیا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ علق، عَلقہ کی جمع ہے (جیسے ثمر، ثمرہ کی جمع ہے(روح البیان،علامہ اسماعیل حقی)۔ یہ ع ل ق کے مادے سے ہے۔ اس کی مشہور تشریح کے مطابق علق سے جنین کی وہ ابتدائی حالت مراد لی جا سکتی ہے، جب وہ پہلے پہل خود کو رحم کی دیوار کے ساتھ چسپاں کرتا ہے، اس اعتبار سے اس کا معنی چسپاں وجود یا معلق وجود کر سکتے ہیں۔ یہ امپلانٹیشن کا مرحلہ ہے۔ اس لحاظ سے علقہ کو امپلانٹڈ وجود بھی کہہ سکتے ہیں۔
لیکن، علق سے تخلیق کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے: تعلق کی فطرت پرتخلیق، یعنی انسان کو ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اس کی فطرت ہے کہ وہ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں، یعنی وہ ایک معاشرتی وجود ہے۔ وہ معاشرہ کی شکل میں رہتا ہے، اور اس کی معاشرتی ضرورتیں ہیں، جس کے لئے علم اور ہدایت کی ضرورت ہے، وغیرہ۔ ان آیات میں یہ نکات ہیں: انسان کی تخلیق ایک معاشرتی وجود کے طور پر، علم کا حصول، قلم کی اہمیت وسیع معنوں میں، اور اللہ کی رحمت کی طرف اشارہ۔
مجازی کلام کے طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو تعلق کے مادے سے پیدا کیا یعنی تعلق کی فطرت پر پیدا کیا۔ چسپاں ہونے والے وجود سے پیدا کیا ایک خوبصورت ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے حقیقی اور مجازی دونوں معنی اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ حقیقی معنی کے اعتبار سے اس سے وہ تولیدی مادہ یا جسم مراد ہو سکتا ہے جو رحم کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے، چسپاں ہونے

کے اس عمل کو امپلانٹیشن کہا جاتا ہے، اور امپلانٹ ہونے والے تولیدی جسم کو امپلانٹڈ وجود کہہ سکتے ہیں۔ اس کو جونک کے کسی جسم کے ساتھ چپک کر اس سے خون چوسنے سے بھی تشبیہہ دی جاتی ہے، جو برمحل ہے۔ عربی میں علق کا لفظ جونک کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔
چسپاں ہونا مجازی اعتبار سے یہ معنی رکھتا ہے کہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کے افراد آپس میں مل کر ایک معاشرہ اور تمدن کی شکل میں رہتے ہیں۔ یعنی انسان تعلق کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ خود انسان کا لفظ بھی اپنے اندر انسیت اور مانوسیت کے معنے رکھتا ہے۔
ادبی زبان میں تعلق کے مادے سے تخلیق بہترین الفاظ ہیں۔

علق بنیادی طور پر کسی چیز سے جُڑنے، چمٹنے، یا معلق ہونے کو ظاہر کرتا ہے، اور یہ جسمانی، جذباتی، اور روحانی وابستگی کے مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیں لسان العرب، علق کے تحت جہاں بہت تفصیل دی گئی ہے۔ مثلاً:
العَلَقُ: النُّشوب في الشيء يكون في جبل أَو أَرض أَو ما أَشبهها.
العَلَقُ الهوى يكون للرجل في المرأَة.
علَق وہ چیز ہے جو کسی چیز میں پیوست ہو، چاہے وہ پہاڑ ہو، زمین ہو، یا اس جیسی کوئی اور چیز۔
علَق وہ محبت ہے جو کسی مرد کو کسی عورت سے ہو۔

-

مفردات میں ہے:
لعَلَقُ: التّشبّث بالشّيء، يقال: عَلِقَ الصّيد في الحبالة، وأَعْلَقَ الصّائد: إذا علق الصّيد في حبالته، والمِعْلَقُ والمِعْلَاقُ: ما يُعَلَّقُ به، وعِلَاقَةُ السّوط كذلك، وعَلَقُ القربة كذلك، وعَلَقُ البكرة: آلاتها التي تَتَعَلَّقُ بها، ومنه: العُلْقَةُ لما يتمسّك به، وعَلِقَ دم فلان بزيد: إذا كان زيد قاتله، والعَلَقُ: دود يتعلّق بالحلق، والعَلَقُ: الدّم الجامد ومنه: العَلَقَةُ التي يكون منها الولد.
علَق کسی چیز سے چمٹ جانے یا وابستہ ہونے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شکار جال میں پھنس گیا، اور جب شکاری شکار کو اپنے جال میں پھنسا لے تو اسے "أَعْلَقَ" کہا جاتا ہے۔
"مِعْلَق" اور "مِعْلَاق" وہ چیز ہے جس کے ذریعے کچھ لٹکایا جاتا ہے۔ کوڑے کی تسمہ بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ مشکیزے کو باندھنے یا لٹکانے والی چیز کو بھی "عَلَق" کہا جاتا ہے۔ چرخی (پُلی) کے وہ آلات جن کے ذریعے وہ جڑی ہوتی ہے، "عَلَقُ البكرة" کہلاتے ہیں۔ اسی سے "عُلْقَة" بھی ہے، جو کسی چیز سے وابستگی یا گرفت کو ظاہر کرتی ہے۔ جب کہا جائے کہ فلاں کا خون زید کے ساتھ "علِقَ" ہو گیا، تو اس کا مطلب ہے کہ زید اس کا قاتل ہے۔ "عَلَق" اس کیڑھے (جونک) کو بھی کہتے ہیں جو حلق میں چمٹ جاتا ہے۔ "عَلَق" جما ہوا خون بھی کہلاتا ہے، اور اسی سے "عَلَقَة" ہے، جس سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔
اسے "عَلَقَة" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی نمی کی وجہ سے اس چیز سے چمٹ جاتا ہے جس پر گزرتا ہے، اور جب خشک ہو جاتا ہے تو اسے "عَلَقَة" نہیں کہا جاتا۔ (قرطبی، الماوردی)
عَلَق" جمع ہے "عَلَقَة" کی، جو تر اور چپکنے والے خون کے لوتھڑے کو کہتے ہیں۔ اس کا نام " "عَلَقَة" اس لیے رکھا گیا کیونکہ یہ اپنی رطوبت کی وجہ سے اس چیز سے چمٹ جاتا ہے جس پر گزرتا ہے، اور جب خشک ہو جاتا ہے تو اسے "عَلَقَة" نہیں کہا جاتا۔

وكذا الطين الذي يعلق باليد يسمى علقاً
یعنی، اسی طرح وہ کیچڑ (گارا) جو ہاتھ سے چمٹ جائے، اسے بھی "علق" کہا جاتا ہے۔ (البقاعی)

قال بعضُهم: أرادَ به آدمَ، خلقَهُ من طينٍ يعلَقُ باليدِ
بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں، جنہیں ایسے مٹی (گارا) سے پیدا کیا گیا جو ہاتھ سے چمٹ جاتی ہے۔ (تفسیر الکبیر، امام طبرانی)

وقيل: العلق: مجموعة من الخلايا التى نشأت بطريقة الانقسام عن البويضة الملقحة، وسمى "علقا" لتعلقه بجدار الرحم.
اور کہا گیا ہے کہ "العلق" ان خلیات (سیلز) کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جو بارآور شدہ بیضے کے تقسیم ہونے سے وجود میں آتے ہیں۔ اسے "علق" اس لیے کہا گیا کیونکہ یہ رحم کی دیوار سے چمٹ جاتا ہے۔ (الوسیط، طنطاوی)

سورہ الفلق (سورہ نمبر 113)

آیت: 1

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾

کہو، میں پناہ مانگتا ہوں اس رب کی جو رات کے اندھیرے کو چیر کر صبح کو نمودار کرتا ہے۔
یا
کہو، میں پناہ مانگتا ہوں شگافتہ کر کے پیدا کرنے والے رب کی، ہر اُس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔
---
(1) Say: "I seek refuge with the Sustainer who creates (things) by splitting,
(2) "from the evil of aught that He has created.

اَلۡفَلَقِ: فلق کا عمومی مفہوم صبح کا طلوع یعنی رات کے پردوں کا چاک ہو کر دن کی روشنی کا نمودار ہونا ہے۔ یعنی اللہ وہ ذات ہے جو ظلمت کے پردہ کو چاک کرکے صبح برآمد کرتا ہے۔ جب مشرق سے سورج طلوع ہوتا ہے اس کی روشنی رات کے پردے کو چاک کر دیتی ہے اور یوں صبح نمودار ہوتی ہے۔

لیکن، لفظ ’’فَلَق‘‘ زیادہ گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے۔

فَلَق کا لفظ اپنے بنیادی معنی کے اعتبار سے شگافتہ کرکے پیدا کرنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فلق کا لغوی معنی ہے تقسیم کرنا، توڑنا، چیرنا، شگافتہ کرنا وغیرہ۔ مثال کے طور پر، قرآنِ حکیم میں ہے:

اِنَّ اللہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰیؕ (سورہ انعام، آیت 95)۔

اس کا معنی ہے: بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیر نے والا ہے یعنی اللہ وہی ہے جو دانے اور گٹھلی کو چیر کر اس سے پودا برآمد کرتا ہے۔

اس بنیاد پر سورہ الفلق کی پہلی آیت کا معنی ہو گا: کہو، میں پناہ مانگتا ہوں اس رب کی جو شگافتہ کر کے پیدا کرتا ہے۔
گویا، اس میں تخلیق کے اس عمومی طریقہ کی طرف اشارہ ہے جو کائنات میں عام پایا جاتا ہے۔
کچھ مثالیں یہ ہیں:

وجود کا ظہور عدم سے ہوا، استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے خالقِ کائنات نے اپنی قدرت سے عدم کا پردہ چاک کر کے وجود کو ظہور عطا کیا۔ سائنسی طور پر کہا جاتا ہے کہ کائنات ایک ایسے طریقے سے وجود میں آئی ہے جسے ایک انتہائی زوردار دھماکے سے تشبیہ دی جاتی ہے اور بِگ بینگ کا نام دیا جاتا ہے۔ سائنسی نظریہ سے قطع نظر، کائنات کا ظہور خالقِ کائنات کی مشیت کے مطابق عدم سے ہوا، زمان و مکان اور مادہ و توانائی وجود میں آئے۔ گویا عدم کا پردہ پھٹا اور کائنات اپنی ابتدائی شکل میں نمودار ہوئی۔
جانداروں میں نئے خَلیئے پہلے سے موجود خَلیوں کی تقسیم سے بنتے ہیں۔
کیمیائی تعاملات یا کیمیکل ری ایکشنز میں بھی عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ پرانے بندھن یا بانڈز ٹوٹتے ہیں اور نئے تشکیل پاتے ہیں۔
انسان اور بہت سے دوسرے جانداروں میں بچے کے رحمِ مادر سے دنیا میں آنے میں بھی یہ طریقہ پایا جاتا ہے۔
اس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔
بہت سے ممتاز قدیم مفسرین نے فلق کے اس معنی کی وضاحت کی ہے (مثال کے طور پر دیکھیں، امام رازی، امام بیضاوی، امام زمخشری)۔ جدید زمانے میں علمی پیش رفتوں اس کی بے شمار مثالیں سامنے آ چکی ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ تخلیق و تشکیل کا عمومی طریقہ ہے جسے مشیتِ الٰہی نے اختیار کیا ہے۔

پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اپنے لئے ربِ کریم کی پناہ اور حفاظت طلب کرتے ہیں۔ مصائب و مشکلات کی دنیا میں انسان اپنے رب کی حفاظت کا محتاج ہے۔ رب کا معنی ہے نشوونما دینے والا، پروان چڑھانے والا، اور اس میں بذات خود حفاظت اور نگہداشت کا مفہوم آ جاتا ہے۔ پھر، وہ رب رب الفلق ہے، جو ندھیرے سے روشن صبح نکال سکتا ہے، وہ نظامِ حاضر کو چیر کر اس سے نیا نظام پیدا کر سکتا ہے۔ سو، اس آیت میں امید کا پیغام ہے۔

صبح کو بھی فَلَق اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ رات کے اندھیروں کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔
اس مفہوم کی تائید بعد والی آیت سے بھی ہوتی ہے، جو یہ ہے
مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (ترجمہ: جو کچھ اس نے پیدا کیا اس کے شر سے (ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے)
گویا، لفظ ''فلق'' تخلیقی عمل (پروسس آف کریئیشن) اور تخلیق کے طریقے (میکانزم آف کریئیشن) کو بیان کر رہا ہے اور بعد والی آیت تخلیقی عمل کے نتیجے کے اُن پہلوؤں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو انسان کے لئے شر اور نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔ دونوں آیتوں کا مجموعی مفہوم کچھ یوں ہو گا:

کہو، میں پناہ مانگتا ہوں شگافتہ کر کے پیدا کرنے والے رب کی، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔

لیکن، ہمیں یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ قرآنِ مجید سائنس کی کسی ٹیکسٹ بک کی طرح کلام نہیں کرتا بلکہ ہدایت کی کتاب کے طور پر کلام کرتا ہے اور اس کے کائناتی اور تخلیقی اشاروں کا مقصد انسان کی ہدایت ہوتا ہے۔ وہ خاص طور پر اللہ کی ہستی اور وحدانیت، اور اس کی صفاتِ کمال وجمال (اس کی قدرت، علم، حکمت، ربوبیت وغیرہ) کے لئے کائنات اور اس کے مظاہر کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔۔ کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری (مینی فسٹیشن) ہے، اور انسان اپنے قوائے حسی و عقلی کو کام میں لاتے ہوئے اس کا مشاہدہ و مطالعہ کرتا ہے اور اپنے رب کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ یہ حصولِ علم کا وہی طریقہ ہے جسے استقراء (انڈکشن) کہتے ہیں۔
